

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222989

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱۵ ۲۳.۵ | ۱۰۰۰ Accession No. ۳۹۸۶

Author

ایشیور عبدالحق

Title

۱۹۲۹ - رساله تحقیق زبانه اردو

This book should be returned on or before the date last marked below

--	--	--	--

اردو

۷۷

حصہ ۳۶

اکتوبر سنہ ۱۹۲۹ ع

جلد ۹

انجمن ترقی اردو اور نگ آباد (دکن)

کا

سہ ماہی رسالہ

سائنس

انجمن ترقی اُردو کا سہ ماہی رسالہ

جس کا مقصد یہ ہے کہ سائنس کے مسائل اور خیالات کو اردو دانوں میں مقبول کیا جائے ، دنیا میں سائنس کے متعلق جو نئی بحثیں یا ایجادیں اور اختراعیں ہو رہی ہیں یا جو جدید انکشافات وقتاً فوقتاً ہونگے ، ان کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جائے ۔ ان تمام مسائل کو حتمی الامکان صحت اور سلیس زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی ۔ اس سے اردو زبان کی ترقی اور اہل وطن کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہے —

یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہندوستان کے سائنس دانوں کے علاوہ یورپ کے فضلا نے بھی اس رسالے میں مضمون لکھنا منظور فرمایا ہے ۔ اس رسالے میں متعدد بلاک بھی شائع ہوا کریں گے —

سالانہ چندہ آٹھ روپے سکھ انگریزی (نو روپیہ چار آنے سکھ عثمانیہ) —

امید ہے کہ اردو زبان کے بھی خواہ اور علم کے شائق اس کی سرپرستی فرمائیں گے —

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون نگار	مضمون	نمبر شمار
۵۹۳	جناب حاجی احمد فغری صاحب	دور تراجہ	۱
۶۵۹	جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب بی اے دہلوی	حافظ عبد الرحمن خان 'احسان' (صہمام الدولہ شہادت جنگ دہلوی)	۲
۷۵۱	جناب کشن پرشاد صاحب کول مہر سرونٹس آت انڈیا سوسائٹی، لکھنؤ	ایثار (فسانہ)	۳
۷۶۲	جناب نور الہی و محمد مہر صاحبان	سسی پنوں	۴
۷۹۱	ادیٹر و دیگر حضرات	تبصرے	۵

دور تراجم

از

(جناب حاجی احمد فطری صاحب)

ہمارا زمانہ تعلیم و قربیت کا زمانہ ہے، ہمارا زمانہ تہذیب و تمدن کا زمانہ ہے، ہمارے زمانے میں علوم و فنون کی کثرت ہے، ہمارے زمانے میں اختراعات و ایجادات کی بھر مار ہے۔ آج کل تصنیفات و تالیفات کا بازار گرم ہے۔ ان دنوں زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کے آثار نمودار ہیں۔ مگر اس دور میں جو شے اوروں سے زیادہ ممتاز اور سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ ترجمہ ہے۔ اس لئے اگر اس دور کو 'دور تراجم' کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کیونکہ اس زمانے کی تصنیف اور تالیف جو کچھ ہے وہ ترجمے کے رنگ میں توہی ہوتی ہے۔

اس امتیاز کی سب سے بڑی وجہ سلطان العلوم اعلیٰ حضرت شہنشاہ دکن کی علم پروری اور اردو فوازی ہے۔ آپ کی شاہا نہ فیاضیوں اور علمی قدر دانی نے ہندوستان میں اردو یونیورسٹی قائم کر کے کم مایہ اور نو عمر اردو کا پایہ عروج اعلیٰ تک بلند کر دیا ہے۔ اگر چندے یہی لیل و نہار رہے تو وہ وقت دور نہیں کہ یہی سبک مایہ اور نو خیز زبان " السنۃ عالم " کے دوش بدوش نظر آئیگی۔ جن لوگوں کو حضرت مولانا مولوی سید وحید الدین سلیم (مرحوم) پروفیسر جامعہ عثمانیہ کی زندہ جاوید تصنیف وضع اصطلاحات کے مطالعے کا موقع ملا ہے

وہ جانتے ہیں کہ اردو کی کیا شان ہے اور اس میں ترقی کرنے اور علمی زبان بننے کی کس قدر صلاحیت مضمر ہے —

یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ جب کوئی قوم علوم و فنون میں ترقی کا پہلا قدم اٹھاتی ہے تو سب سے پہلے علمی زبانوں کے تراجم سے اپنی زبان کو سرمایہ دار بناتی ہے۔ اور زندہ اقوام کی سعی و کوشش کے نتائج کو اپنے اندر جذب کر کے اپنے علمی خزانوں کو معہور کرتی ہے۔ چنانچہ قدمائے عرب نے اپنی ترقی کے زمانے میں یہی کیا کہ دوسری اقوام کے علمی خزانوں کو اپنی زبان میں منتقل کر لیا اور ان کے جواہر ریزوں کو اپنی زبان کے نقش و نگار میں برتا۔ یہی باعث ہے کہ علوم قدیمہ میں کوئی علم ایسا نہیں ہے جس سے عربی کا خزانہ خالی ہو۔ اگر دنیا میں عربوں کا وجود نہ ہوتا تو صدیوں تک اقصائے عالم پر جہل و نادانی کا بادل اور اسی طرح محیط رہتا جس طرح عروج اسلام سے قبل تھا۔ اگر ایک ابن رشد کی ذات عالم وجود میں جلوہ گر نہ ہوتی تو ارسطو اور اس کا فلسفہ دونوں کے دونوں صفحہ ہستی سے اس طرح معدوم ہو جاتے کہ گویا کبھی عالم وجود میں آئے ہی نہ تھے۔

جب یہ مرحلہ خاطر خواہ طے ہو چکتا ہے تو قوم ترقی کے میدان میں دوسرا قدم اٹھاتی ہے اور تصنیف و تالیف کا جامہ پہن کر زندہ اور ترقی یافتہ قوموں کی صف میں فطرانے لگتی ہے۔ یہ آج تک کبھی اس کے خلاف ہوا ہے اور نہ توقع ہے کہ اس کے خلاف کبھی ہوگا۔ یہی باعث ہے کہ فرماں رواے دکن کی شاہانہ والاعز میوں کے طفیل ہندوستان کے بہترین دل و دماغ اپنی تمام تر توجہ اسی مفید اور کارآمد صنف کی طرف مبذول فرما رہے ہیں۔ اندریں حالات یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ترجمے کے مالہ و ماعلیہ پر غور کریں اور یہ دیکھیں کہ ترجمہ کیا ہے اور وہ اصول کیا ہیں جن کی پابندی سے ترجمہ ترجمہ کہلانے کا مستحق ہوتا ہے اور جس کی خلاف ورزی سے ترجمہ اپنے مرتبے سے گر جاتا ہے اور اس قابل نہیں رہتا

کہ اس پر ترجیح کا اطلاق ہو سکے۔ آخر کچھ تو بات ہے کہ 'معرفہ مذہب و سائنس' اور 'فلسفہ تعلیم' معمولی قراجم سے ممتاز ہیں۔

ترجمے کی تعریف | ہمارے نزدیک ترجمے کی تعریف یہ ہے کہ کسی مصنف کے خیالات کو لیا جائے، ان کو اپنی زبان کا لباس پہنایا جائے،

ان کو اپنے الفاظ و محاورات کے سانچے میں تھالا جائے اور اپنی قوم کے سامنے اس انداز سے پیش کیا جائے کہ ترجمے اور تالیف میں کچھ فرق معلوم نہ ہو۔

اس تعریف کی رو سے یہ امر بلا شائبہ شک ثابت ہوتا ہے کہ ترجمے میں مترجم پر مصنف کے خیالات کی پابندی فرض ہوتی ہے، اس کے الفاظ و محاورات اور اس کے اسلوب بیان کی تقلید فرض نہیں ہوتی۔ اگر ان باتوں کی پابندی ضروری ہوتی تو اصل زبان میں کیا بوائی تھی کہ زحمت ترجمہ گوارا فرمائی جاتی۔ اگر اس قسم کی لغو اور لایعنی پابندیاں کہیں نہ ہوں جائیں اور کوئی باکمال مترجم ان بے کار اور غیر ضروری بندشوں سے عہدہ برآ ہو بھی جائے تو اس کو محض اتفاق حسنہ پر مچھل کر نا چاہئے اس کو شمع ہدایت سمجھنا اور اس پر فخر کرنا جائز نہیں اس لئے کہ بسا اوقات دو زبانوں کے انداز بیان میں اس قدر مغایرت ہوتی ہے کہ تقلید ناممکن ہوتی ہے۔ اگر کوئی خام مذاق اور نومشق مترجم تقلید کے پیچھے پڑتا ہے تو وہ غیر زبان کے الفاظ و محاورات کی بندشوں میں خود گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ پڑھنے والوں پر یہ بھی نہیں کہلتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اور کس لئے نہہ رہا ہے۔ مصنف کا مطلب کچھ ہوتا ہے 'مترجم کے الفاظ سے کچھ اور معلوم ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تقلید کی بدولت ترجمہ ترجمہ نہیں رہتا بلکہ لفظوں کا گورکھ دھندا بن جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک ترجمے کا اصل اصول وہی بدنام اور مکروہ شے ہے جسے عرب عام میں تصرّت اور پروفیسر رحمید اللہ خاں صاحب کی زبان میں خیافت اور بددیافتی کہتے ہیں تصرّت کے بغیر ترجمے میں نہ کبھی کام چلا ہے اور نہ آئندہ چلنے کی امید ہے۔ اس باب میں

جس قدر آزادی سے کام لیا جائے گا ترجمہ اسی قدر تصنیف کے قریب آجائے گا۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ترجمے میں تصرف کرنا کچھ اُن ہی بزرگوں کو زیبا ہے جو دونوں زبانوں کے ماہر ہوتے ہیں اور اُس عالم میں یہ طواری رکھتے ہیں جس کا ترجمہ کرنے کی وہ جسارت فرماتے ہیں؛ بلکہ دونوں زبانوں میں سے ایک زبان مترجم کی مادری زبان ہوتی ہے۔ آج کل جن دونوں زبانوں کی ضرورت ہے ان میں سے ایک انگریزی ہے اور دوسری اردو۔ ایک قدیم اور سرمایہ دار زبان ہے اور دوسری نوعمر اور کم مایہ۔ ایسی حالت میں مترجم کا فرض ہے کہ انگریزی سے کھادقہ واقف ہو اور اردو اس کی مادری زبان ہو۔ اگر اردو اس کی مادری زبان نہ ہوگی تو وہ ترجمے کی بندشوں سے عہدہ برآ نہ ہو سکے گا اور اگر انگریزی سے پوری طرح واقف نہ ہو گا تو مصنف کے خیالات کی تہ تک نہ پہنچ سکے گا۔ الغرض ان اوصاف سہ گانہ میں جس نسبت سے کہی ہوگی، ترجمے میں اسی نسبت سے خامیاں رہ جائیں گی۔

اب بحث طلب امر یہ ہے کہ زباندانی کا معیار کیا ہے اور زباندانی کا معیار وہ کونسی کسوٹی ہے جس پر کس کر یہ بتایا جاسکتا ہے کہ کون شخص زبانداں ہے اور کون نہیں اور کس کے مضمون میں کس قدر الفاظ و معاورات ہیں کہ اس معیار پر پورے اترتے ہیں اور کس قدر ہیں کہ اپنا سا منہملے کر رہ جاتے ہیں۔ شمالی ہندوستان اور قلعرو نظام میں ایک شخص بھی ایسا نہ ہو گا جو اردو دانی کا مدعی نہ ہو اور جسے اس امر کا دعویٰ نہ ہو کہ اردو میری مادری زبان ہے اور میں نے اس کو اُس عالم میں حاصل کیا ہے جب میں میں نہ تھا۔ دلی اور لکھنؤ کے رہنے والے تو خالص اہل زبان ہیں، اُن کا تو کیا کہنا، ان کے لئے تو یہ امر باعث فنگ و عار ہے کہ اُن کا داسن ادب شرمندہ تعلیم ہو مگر :

جس پاس عصا ہو اُسے موسیٰ نہیں کہتے ہر ہاتھ کو عاقل یہ بیضا نہیں کہتے

روزانہ بول چال میں اپنا مافی الضمیر ادا کر دینا اور معمولی چٹھی چپاٹی لکھ لکھنا اور بات ہے اور ادیبانہ انداز سے اپنا مطالب بیان کرنا اور اس میں کشش و گیرائی پیدا کر کے ناظرین کے دلوں پر اثر کرنا اور بات ہے - اس باب میں اہل زبان اور بیگانہ زبان و لسان ، نیم تعلیم یافتہ اور فارغ التحصیل ، سب برابر ہیں ؛ جب تک کوئی شخص متواتر اور بے در پے زبان کی نزاکتوں پر غور نہیں کرتا اور جب تک اپنے خیالات مختلف اور گونا گوں انداز سے پہلک کے سامنے پیش کرنے کی مشق و مزا و لذت بہم نہیں پہنچاتا اس وقت تک وہ توجہ اور تصنیف و تالیف کی ذمہ داریوں سے سبک دوش نہیں ہو سکتا ، لیکن دلی اور لکھنؤ والے اس میں جس قدر جلد اور جس قدر آسانی سے کمال پیدا کر سکتے ہیں اس قدر جلد اور آسانی سے غور نہیں کر سکتے ؛ خواہ وہ پنجاب کے رہنے والے ہوں یا دکن کے ، خواہ وہ دلی اور لکھنؤ میں سے کسی کی تقلید کو ضروری سمجھتے ہوں یا دونوں سے آزاد ہونا اپنی شان کے شایاں خیال کرتے ہوں —

اس زمانے میں یہ بات عام طور پر دیکھی جاتی ہے کہ لوگ انگریزی میں فی الجملہ بصیرت حاصل کر لیتے ہیں اور اس کے پروں پر اُڑ کر مہلکت اردو کو تسخیر کرنا چاہتے ہیں - ان کے دل و دماغ پر اس خیال خام کا غلبہ ہوتا ہے کہ اردو ہماری مادری زبان ہے ، اس میں کد و کاوش لا حاصل ہے ، اس میں سعی و کوشش ہماری شان کے شایاں اور ہماری ہمت کے لائق نہیں - اسی طرف صرت وہی کوتاہ بین اور ناقابل اندیش لوگ توجہ کرتے ہیں جن کے دماغ عقل سلیم سے عاری ہوتے ہیں - اردو انگریزی کے تابع ہے ، جب انگریزی آگئی تو اردو خود بخود آجائے گی - ” بانو کو تسخیر کر لو باندی خود بخود حاضر ہو جائے گی “ - مگر یہ اُن حضرات کی کوتاہ نظری اور خام مذاقی کی دلیل ہے - اردو کتنی ہی سبک مایہ اور فو عہر سہی ، مگر زندہ زبان ہے ، اس کا وجود انگریزی پر مبنی نہیں - صرف چند بڑے بڑے اصول ہیں کہ انگریزی

سے ملتے جلتے ہیں ، ورنہ دونوں میں کوئی تعلق نہیں ۔ جب تک اردو پر اردو کی حیثیت سے توجہ نہیں کی جاتی ، اس وقت تک اردو میں بصیرت نصیب نہیں ہوتی۔ کسی موضوع کو لینا اور اس کو مؤثر اور دلکش انداز سے پڑھنے والوں کے دلوں پر نقش کرنا ، ایک فن ہے جو مدتوں کی کد و کاوش اور سالہا سال کی سعی و کوشش سے حاصل ہوتا ہے اور جس شے کا نام ادبی سادگی ہے وہ تو ایک ایسا کمال ہے جو تمام کمالات ادب کے بعد نصیب ہوتا ہے ۔ یہی باعث ہے کہ میرانپس جیسے قادر الکلام بزرگ کو کہنا پڑا ہے کہ :

اس سادگی کی قدر کوئی جانتا نہیں جو جانتا ہے اور کو وہ مافتا نہیں

ہمارے نزدیک مترجم اور مصنف میں کچھ فرق نہیں ، دونوں کی حدیں ایک مقام پر جا ملتی ہیں ۔ کامیاب اور قابل تقلید مترجم وہی شخص ہوسکتا ہے جس میں مصنف بننے اور تصنیف کرنے کی صلاحیت مضمر ہوتی ہے اور ترجمے کی کونا کون ذمہ داریوں سے وہی شخص عہدہ برا ہو سکتا ہے ، جس نے انداز بیان پر اس درجے قدرت حاصل کر لی ہو کہ جس مطالب کو جس پہلو سے چاہے ادا کر جائے ۔ بہترین مترجم وہی بزرگ ثابت ہوے ہیں جن میں یہ قوت بوجہ اتم موجود تھی ، لیکن جن لوگوں میں یہ قوت کم تھی وہ کامیابی اور شہرت کے میدان میں اسی قدر پیچھے رہ گئے جس قدر اس قوت میں کمی تھی ۔ جو لوگ مصنف کے انداز بیان کی تقلید سے انحراف کرنے اور ترجمے میں تصرف سے کام لینے کی قوت نہیں رکھتے ان کی ادبی زندگی محض عارضی اور چند روزہ ہوتی ہے ، بلکہ مرنے سے پہلے ہی ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے ۔ حیات ابدی اور شہرت سرمدی کچھ ان ہی بزرگوں کا حصہ ہے جو منظر عام پر جلوہ گر ہونے سے پہلے کمالات صوری و معنوی سے بھرے اندوز ہوتے ہیں اور شب و روز کی متواتر اور جانکاہ محنت سے اپنے اندر وہ قابلیت پیدا کر لیتے ہیں جو ادائے فرض کے لئے ضروری اور لازمی ہوتی ہے ۔

مثال کے طور پر مرزا غالب کو لیجئے اور ان کے ایک شعر پر غور کیجئے - فرماتے ہیں :

معمر نہیں ہے توہی نواہے راز کا یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا
کیا کوئی شخص اس غیر فانی شعر پر ترجمے کا الزام عائد کر سکتا ہے ، کیا
کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ ترجمہ ہے ، کیا اس میں وہ تمام خوبیاں موجود نہیں
ہیں جو اعلیٰ درجے کے شعر میں ہونی چاہئیں ، کیا اس میں وہ تمام اوصاف و
صفات موجود نہیں ہیں جو شعر کی جان اور ادب کی روح رواں ہیں ؟ اب ذرا 'عرفی'
شیرازی کا شعر ملاحظہ ہو :

ہر کس نہ شناسندہ راز است و کوفہ

اینہا ہمہ راز ست کہ معلوم عوام است

کیا مرزا کا شعر عرفی کے شعر پر مبنی نہیں ہے ، کیا مرزا نے اس سے استفادہ
نہیں کیا ہے ، کیا مرزا نے اس شعر کی روح کو اپنے الفاظ میں جلوہ گر نہیں کیا ہے ،
اور کیا اپنی طرف سے اس پر ایک گو نہ لطیف اور پاکیزہ اضافہ نہیں فرمایا ہے ،
اور کیا اپنے انداز خاص میں کد و کاوش اور مذاق سلیم کی داد نہیں دی ہے ، کیا اس
میں اور تصنیف میں کچھ فرق ہے ، کیا اس میں وہ تمام باتیں موجود نہیں ہیں جو
تصنیف کے لئے لازمی ہیں اور کیا مرزا اس میں حق بہ جانب نہ تھے ، کیا اس پر
سرقے کا الزام اور چوری کا بہتان عائد ہو سکتا ہے ؟ ہمارے نزدیک اس قسم کے
باریک اور لطیف اضافوں پر سرقے کا الزام لگانا اور ان کو خیانت اور بد دیانتی پر
محمول کرنا ذوق سلیم کا منہ چڑا نا ہے ۔ اور یہ صرف ان ہی لوگوں کا حصہ ہے جو
انگریزی کے پورں پر آ کر قلم رو اردو کو عبور کرنا چاہتے ہیں ۔ اس امر سے
کوئی صاحب ذوق افکار نہیں کر سکتا کہ اسی قسم کے فاذک اور لطیف اضافے کا
نام ' تصرف ' ہے اور یہی ترجمے کی جان اور ادب و انشا کی روح و رواں ہے ۔
ہمارے نزدیک ترجمے کی بہترین مثال یہی ہے اور اسی کی تقلید ہونی چاہئے —

اسی طرح شیخ علی حزیں ، کا ایک شعر ملاحظہ ہو ۔ فرماتے ہیں :

چون نفی نفی اثبات است ، از مردن نفی ترسم

بقائے من ، چو شمع کشتہ باشد د رفتائے من

میر 'انیس' اس کو لیتے ہیں اور اپنے انداز میں یوں ادا کرتے ہیں :

خود نوید زفد کی لائی قضا میرے لئے

شمع کشتہ ہوں ، فنا میں ہے بقا میرے لئے

کیا میر صاحب کا یہ شعر شیخ کے شعر کا ترجمہ نہیں ہے ، کیا میر صاحب نے

اپنے شعر کی بنیاد اسی شعر پر نہیں رکھی ہے اور کیا اس میں اپنی غیر معمولی

شاعرانہ قابلیت سے تصرف نہیں فرمایا ہے ؟ اگر میر صاحب زحمت تصرف کوارا نہ

فرماتے تو یہ شعر اس بلندی پر جلوہ گر نہ ہوتا ، جس پر اس وقت میر صاحب کے

ذوق لطیف کے طفیل نظر آ رہا ہے ۔

ملا طاهر وحید کا ایک شعر ہے :

ز شیخ شہر جاں بردم بد تزویر مسلما فی

مدار اگر بہ این کافر نبی کردم چہ می کردم؟

ایک شخص نے اس کو لیا اور ان الفاظ میں اس کا ترجمہ کر دیا :

مسلمان بن کے جاں میں نے بچائی شیخ تحفی سے

مدار اگر نہ اس کافر سے میں کرتا تو کیا کرتا؟

کیا یہ شعر ملا کے شعر کا صحیح ترجمہ نہیں ہے ' کیا اس میں کہیں کور کسر

ہے ، کیا مترجم نے اس میں تصرف سے کام نہیں لیا ، کیا شیخ شہر کی جگہ شیخ

'نجدی' نہیں کر دیا ہے اور "بہ تزویر مسلمانوں کا ترجمہ "مسلمان بن کے" نہیں

کیا ، کیا اس سے بہتر انداز میسر ہو سکتا ہے ؟ یہ سب کچھ ہے ، مگر ارباب ذوق

جانتے ہیں کہ یہ شعر اس قدر بلند نہیں ہے جس قدر ملا کا شعر ہے ۔ اس لئے کہ

صرف کچھ زیادہ باریک اور لطیف نہیں ہے اور مترجم اپنی طرف سے کوئی

ایسا اضافہ نہیں کر سکا جس سے تصرف کرنے میں حق بہ جانب سمجھا جائے۔
'عرفی شیرازی' کا ایک اور شعر ہے :

مدہ عنان تعلق بہ حسن ہر ذرہ بر آر دستے و بفرق آفتاب انداز

اس کا ترجمہ جناب 'آزاد' انصاری ان الفاظ میں فرماتے ہیں :

ذرات کی چمک پر کب تک مٹا رہے گا

اتھہ اور اتھہ کے اک دم ہاتھہ آفتاب پر تال

کیا اس میں جناب 'آزاد' ترجمے کے فرائض سے عہدہ برآ نہیں ہو سکے۔

کیا اس میں تصرف کا عمل جلوہ گر نہیں ہے، کیا جناب 'آزاد' پر خیافت اور بددیانتی

کا الزام لگایا جائیگا؟ اس لئے کہ 'عرفی' نے شعر میں کہیں اتھنے کا ذکر نہیں ہے —

اسی طرح حزیں کا شعر ہے :

مسی مالیدہ لب را رنگ پاں است

تہا شا کن تہ آتش د خان است

'سودا' نے اس کو لیا اور ان الفاظ میں ادا کر دیا :

مسی مالیدہ لب پر رنگ پاں ہے

تہا شا ہے تہ آتش دھواں ہے

اس میں 'سودا' نے کسی قسم کا تصرف نہیں کیا، اسی لئے اصل شعر میں کسی

قسم کا اضافہ نہ کر سکا، بلکہ شعر کو اُس بلندی پر نہ پہنچا سکا، جہاں حزیں نے اپنے

شعر کو پہنچا دیا تھا —

قرآن مجید میں ایک آیت ہے - انا عرضنا الامانة الخ - خواجہ حافظ اس

کو لیتے ہیں اور اپنے ناقابل تقلید انداز میں یوں ادا کرتے ہیں :

آ سہاں بار امانت نہ توانست کشید قرعہ فال بنام من دیوانہ زندہ

حقیقت میں ترجمہ اسے کہتے ہیں اور تصرف کی یہ شان ہے —

اسی طرح مندرجہ ذیل اشعار و اقوال کو لیجئے اور فرداً فرداً ہر ایک پر غور

کیجئے اور یہ دیکھئے کہ ان میں کوئی شعر یا کوئی قول ایسا ہے جو تصرف کی دست برد سے محفوظ ہو :

ہوے یار من ازیں سست وفا می آید کلم از دست بگیریہ کہ از کار ہدم
(نظیری فیشا پوری)

کیفت چشم ' اس کی مجھ یاد ہے سودا ' ' ساغر ' کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلامیں
(سودا)

در محفل خود را مدہ ہم چو سنے را
افسردہ دل افسردہ کند انجھنے را
نہ کہیں عیش تہہارا بھی منحص ہو جائے
دوستو! درد کو محفل میں نہ تم یاد کرو (خواجہ میر درد)
دوستان منع کنندم کہ چرا دل بہ تو دادم
باید اول بتو گفتن کہ چنیں خوب چرائی (سعدی)
پیار کرنے کا جو خوباں ہم پہ رکھتے ہیں گناہ
ان سے بھی تو پوچھئے تم ایسے کیوں پیارے ہوے (میر تقی میر)
گفتہ بودم غم دل با تو بگویم چو بیائی
چہ بگویم کہ غم از دل بروں چوں تو بیائی (سعدی)
اُن کے دیکھ سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیہار کا حال اچھا ہے (مرزا غالب)
دامان نکہ تنگ ' گل حسن تو بسیار
گلچیں بہار تو ز داماں گلہ دارد
مرے ذوق نظر کو دیکھنا بزم حسیناں میں
وہ گلچیں ہوں بجاے گل بہر و نگار فک داماں میں (وفا رام پوری)

عربی اقوال و ضرب الامثال: ”الکلب انجس مایکون اذا اغتسل“

سگ بدویاے ہفت گانہ بشو چونکہ تر شد پلید تر گردد (سعدی)
الصمت زینۃ العالم و ستر الجاہل :

ترا ' خامشی ' اے خداوند ہوش وقار است ' و فاضل را پردہ پوشی (سعدی)
راع اباک یراع ایبک :

تو بجائے پدر چہ کردی خیر تاہماں چشم داری از پسر (سعدی)
گل یوم ہو فی شان :

دل بھی تیرے ہی تہنگ سیکھا ہے آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے (درد)
سواء ذکاء لا یزال من دعاء الخفاہ :

شپر گر نور آفتاب نہ خواہد فور بازار آفتاب نہ کاہد (سعدی)
السعيد من اكل وارح و الشقی من مات ودع :

فیک بخت آنکہ خورد و کشت و بد بخت آفکے مرد و ہشت (سعدی)
السلطان احوج الی العقلاء من العقلاء الی السلطان :

پادشاہاں بہ خرد مندوں محتاج تراند کہ خرد مندوں بہ پادشاہاں

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کا تعلق اس ترجمے سے ہے جو عربی اور فارسی سے اردو میں کیا گیا ہے، اس کے بعد اس ترجمے کا نمبر ہے جو عربی اور فارسی سے انگریزی میں کیا گیا ہے۔ اگر اس پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو یہ مضمون بجائے خود ایک مستقل کتاب بن جائے۔ اس لئے بعض چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں اور یہ دکھایا جاتا ہے کہ انگریزی میں مترجم حضرات ترجمے کے باب میں کس قدر آزادی سے کام لیتے ہیں اور اس کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں۔ مثالیں ملاحظہ ہوں :

(۱) منم ہر سخن را بیان معانی منم جان و عقل ہنر را قوالب

منم از فزاد ہزرگان سامان کہ ہودنہ شاہان چترو کواکب (منوچہری)

I can explain the deepest thought in all sciences ,

I am the heart and soul of reason and knowledge .

I am descended from the Imperial House of Saman ,

Whose kings bore the power of sovereignty .

آب جیہون از نشاط روے دوست . خذگ مارا تا میان آیدہمی (رودکی) (۲)

Glad at the friend's return , the Oxus deep ,

Up to our girths in laughing waves shall leap .

اگر شہ روز را گوید شب است این - بیاید گفت اینک ماہ و پروین (۳)

Should he (the king) say " the night is day "

Reply : Behold the moon and the pleides .

در شعر سدت پیہر افند ہر چند کہ لانی بعدی (۴)

ابیات و قصیدہ و غزل را فردوسی و انوری و سعدی

The sphere , poetic has its prophets three

(Although there is no prophet after me)

Firdausi in the epic , in the ode

Sadi and in qasida Anwari . (Prof Brown's translation)

ز شیر شتر خوردن و سوسمار عرب را بجائے رسید است کار (۵)

کہ تخت کیان را کند آرزو تغو بر توای چرخ گردان تغو (فردوسی)

From feeding on camel's milk and desert lizard , so have the

affairs of the Arabs prospered

That they covet the throne of the Chosroes .

Shame on thee O circling Heavens , shame ,

۶ عاقلے را پرسید نہ نیک بخت کیست و بد بخت چیست ، گفت نیک بخت

آنکہ خورہ و کشت و بد بخت آنکہ مرد و ہشت (سعدی)

They asked of a wise man who is the man of good fortune & who of bad?

He said " The man of good fortune is he who ate & tilled ; the man of bad fortune is he who died and left (everything he had),

۷ اگر جز بہ کام من آید جواب - من و گرز و میدان و افراسیاب (فردوسی)

If the answer prove contrary to my wish

Then I shall take the mace and the field against afrasiyab,

۸ خروشید و جوشید و جامہ درید - بزاوی بران کودک نا رسید

بر آورد بانگ و غریو و خروہ زان تازمان زوہی رفت ہوش (فردوسی)

She screamed and raved and rent her garment in lamentation over the unblossomed youth.

She sobbed and wailed and shouted & fainted again & again.

۹ دلیرے کہ بد نام او اشکبوس ہمی بر خروشید برسان کو س

The intrepid Ashkboos roared like a drum

۱۰ دلم از خدمت شیراز بہ کلی بگرفت وقت آنست کہ پوسی خبر از بغدادم

سعدی احب وطن گرچہ حدیثے است صدیم نتوان مرد بہ سختی کہ من این جازالم (سعدی)

My soul is weary of shiraz, utterly sick and sad

If you seek news of my doings , you will have to ask at Baghdad

Sadi, that love of one's native land is a true tradition is clear,

But I cannot afford to die of want because my birth was here.

آن را کہ جائے نیست ہمد شہر جائے اوست

۱۱

درویش ہر کجا کہ شب آمد سراے اوست (سعدی)

The whole town is the home of him who has no home.

The poor man's house is wherever night overtakes him.

بندہ چه دعویٰ کند حکم خداوند راست (سعدی) ۱۲

What objection can a servant raise ? It is for the master to command.

بدم گفتی و خور سندم عفاک الله نکو گفتی ۱۳

جواب تلخ سی زیهد لب لعل شکر خا را (خواجه حافظ)

Thou didst speak me ill, & I am content, God pardon thee thou didst speak well.

A bitter answer befits a ruby lip which feeds on sugar.

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل مارا ۱۴

به خال هندوئی بخشم سحر قند و بخارا را

If that beauty of Shiraz would take my heart in hand,

I would give for her dark mole Samargand & Bukhara .

(From Robinson's Persian poetry)

Sweet maid, if thou wouldst charm my sight,

And bid those arms my neck infold, That rosy cheek that lily hand,
would give thy poet more delight

Than all Bukhara's vaunted gold,

Than all the gems of Samargand. (Sir william Jones)

بدره ساقی منی باقی که در جنت نه خواهی یافت ۱۵

کنار آب رکناباد و گل گشت مصلی را

Boy bring me the wine that remaineth, for in paradise thou

wilt not see the banks of the waters of Ruknabad, nor the rose
bower of our Moselay. (Robinson's Persian poetry)

Boy, let yon liquid ruby flow.

And bid thy pensive heart be glad,

Tell them their Eden cannot show,

A stream so elser as Ruknabad,

A bower so sweet as Mosalay. (Sir william Jones)

فغان کیں لولیان شوخ و شیریں کار و شهر آشوب

۱۶

چنان بردند صبر از دل کہ ترکان خوان یغمارا

Alas! those saucy lovely ones' those charming disturbers of our
city; bear away patience from my heart as Turkomans
their repast of plunder. (Robinson's Persian poetry) .

Go boldly forth my simple lay,

Whose accents flow with artless ease,

Like orient pearls at random strung,

My notes are sweet the damsels say,

And oh far sweeter, if they please,

The nymph for whom they are sung. (Sir william Jones)

و عشق نا تمام ما جہاں یار مستغنی است

بہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روی زیبارا

Yet the beauty of maidens is independent of our imperfect love ,
To a lovely face , what need is there of paints and dyes, of mole
or down.

حدیث از مطرب و سے کو و راز دھر کمتر جو
 کہ کس نکشود و نکشاید به حکمت این معمارا

Speak of the musician and of wine and search less into the
 secrets of futurity;
 for no one in his wisdom ever hath discovered or ever will discover
 that mystery.

من از آن حسن روز افزون که یوسف داشت دانستم
 که عشق از پردۀ عصمت بروں آرد زلیخارا

I can understand how the beauty of Joseph, which added now
 luster to the day,
 withdraw zalikha from the veil of her modesty .

بدم گفتی و خور سندم عفاک المہ نکو گفتی
 جواب تلخ سے زیبہ لب لعل شکر خارا

Thou hast spoken evil of me , and I am contented - God forgive thee.
 Thou hast spoken well; for even a bitter word is becoming when
 it cometh from a ruby sugar - dropping lip.

نصیحت گوش کن جانان کہ از جاں دوست تر دارند
 جوانان سعادت مند پند پیر دانا را

Give ear O my soul, to good counceel, for better than their own
 souls love youths of happy disposition the admonition of the aged wise.

غزل گفتی و در سفتی ' بیاض خوش بہ خواں ' حافظ
 کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

Thou hast composed thy ghazal ; thou hast strung thy pearls.

Come and sing it sweetly, O Hafiz, for heaven hath shed upon
thy poetry the harmony - of the pleiades.

مندرجہ بالا سطور میں ترجمے کے جو نمونے ہدیۂ ناظرین کئے گئے ہیں۔
ان سے ارباب بصیرت یہ ضرور محسوس کریں گے کہ ترجمے میں جو زبان برتری گئی
ہے وہ انگلستان کی نگہبانی زبان ہے، وہ ایسی زبان ہے جو شب و روز وہاں بولی
اور لکھی جاتی ہے، وہ ایسی زبان ہے جو وہاں کے روزمرہ اور معاصرے کے
سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے، وہ ایسی زبان نہیں جس کو دیکھ کر فصحاء انگلستان ناک
بھوں چڑھائیں اور نگہ سال باہر سمجھ کر رندی کی توکری میں ڈال دیں، بلکہ وہ
ایسی زبان ہے کہ انگلستان کے آدمیوں اور افشا پردازوں کے لئے باعث ناز اور
موجب افتخار ہے۔ ہم نے متعدد انگریز حضرات سے سنا ہے کہ فٹز جیرالڈ نے عہد خیام سے
صرف خیالات کا اقتباس کیا ہے اور مشرقی جذبات کو مغربی لباس میں اس خوبی
اور خوش اسلوبی سے پیش کیا ہے کہ اگر وہ عہد خیام کا نام نہ لے تو کوئی متنفس
اس پر سرقے کا الزام نہیں لگا سکتا۔ سی طرح پروفیسر براؤن کی نسبت علمائے
ادب کی یہ رائے ہے کہ ”فارسی زبان کے شہ پاروں کو فصیح اور بلیغ انگریزی کا
جامہ پہنانا اسی کا حصہ ہے۔“ یہ ہے ترجمہ جو مترجم کے لئے مایۂ فخر و ناز اور
اس کی شہرت اور ناموری کے لئے چشمۂ آب حیات ہے۔ اس کے برعکس ہمارے
یہاں کے ترجموں کو لیجئے اور ان پر ایک سرسری نظر ڈالئے، آپ کو معلوم ہو گا
کہ ہمارے مترجم حضرات جو زبان برتتے ہیں وہ اردو نہیں ہے، بلکہ اچھی خاصی
انگریزی ہے۔ وہی الفاظ و معاورات ہیں، وہی بندشیں اور ترکیبیں ہیں،
وہی طرز ادا اور وہی اسلوب بیان ہیں کہ بے کم و کاست اردو میں برتے
جاتے ہیں، اس لئے کہ ان بزرگ زادوں کے یہاں تصرف کا نام خیانت اور اجتہاد
کا نام بددیانتی ہے۔

موجودہ ترجمہ اور تالیف کے نمونے

اب ہم موجودہ ترجمے اور تالیف کے چند نمونے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں! جن کے مطالعے سے معلوم ہو گا کہ ہمارے نو شعر مترجم اور نو خیز مؤلف اس باب میں کیا کیا گل کاریاں فرما رہے ہیں —

(۱) ہمارے پاس جو کچھ ' کا فی ' معلومات ' ہے ' —

(۲) (Hest) وہ ہے — (Jps Sout) ' وے ' ہیں —

(۳) اطلالیہ میں آسکن (Oscan) اور امیرین (Umdvian) کی طرح 'جو' دونوں

لاطینی زبان سے تعلق رکھنے والی بولیاں تھیں —

(۴) تاریخی ' زمانے کے ' آس پاس ' (قریب)

(۵) زبانیں ' ترسیل خیال ' کے لئے یعنی ہیں (اظہار خیال)

(۶) انگریزی بولنے والا شخص ایسے شخص کے لئے جو صرف فرانسیسی جانتا ہو '

' ناقابل فہم ہے ' —

(۷) جس کا تلفظ ' کمزور ' ہو گیا ہے ؟

(۸) زبان کی ' کوئی ' اچھی خاندان واری تقسیم کرنے کے لئے..... الخ (کوئی زائد ہے)

(۹) وہ ' کہیں اور ابھی ' ممکن نہیں (انگریزی انداز ہے)

(۱۰) خیام اور حافظ کے بعد کراے دو نے ' سعدی پر ' لکھا ہے (پر = متعلق)

(۱۱) سعدی کا مرتبہ ' بھٹیٹ ایک ' متفکر اور معلم کے دکھایا گیا ہے (متفکر غلط)

(۱۲) پہلے اور چوتھے ' بابوں ' میں (باب میں)

(۱۳) سعدی ' شیریں ناصح ' اور ' خوشنام شاعر ' مقام شیراز سنہ ۱۱۸۴ ع میں

بعہد اتابک پنجم ' فارس ' پیدا ہوا۔

(۱۴) اسے دس دینار میں ' خرید کیا ' (خرید ا)

(۱۵) خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم کو ' مناظر قدرت کے اندر دکھایا ' ہے —

(۱۶) یہ قطم فراخ اور باوسع ہے —

(۱۷) اور پھر 'محکم' اور دل نشین بھی ہے (فراخ اور با وسعت نظم کیسی ہو تی ہے ' محکم کے کیا معنی ؟)

(۱۶) وہ اپنے ایک دوست سے استعھا کرتا ہے 'کہ وہ اس کے لئے اُس کی ادائیگی سے

سبکدوشی حاصل کرے' (کہ سیری طرت سے میرا قرض بیباق کر دیں)

(۱۷) اس نے مرافعہ کرنے کو ترجیح دی ہے - (اس نے مرافعہ دائر کیا ہے)

(۱۸) جس کی تعریف بذریعہ حدود کی گئی ہے - (جس کی حدیں معین کر دی گئی ہیں)

(۱۹) تم کو شریو ہونا چاہئے - (لازم ہے کہ تم شریو ہو)

(۲۰) برطانیہ اپنے اچھے دفاتر استعمال کریگی - (Good office کا ترجمہ ہے)

(۲۱) بیکار لوگوں کی مضبوطی (تعداد)

(۲۲) ملکہ ثریا عنقریب قید ہونے والی ہے - (اس کے بچہ ہونے والا ہے)

(۲۳) جس کی تعریف بطور بیوہ کے کی گئی ہے - (جس کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ بیوہ ہے)

(۲۴) اگر کوئی چیز فائدہ ہوگئی تھی تو اس سے ٹیکس متعلق تھا - (خدا جانے

یہ کونسی زبان ہے)

(۲۵) وہ ایک خوش نصیب سپاہی تھا (Soldier of fortune)

(۲۶) نتیجے میں (۲۷) 'بدنصیب الفاظ' (۲۸) 'قابل افسوس عبارت' -

(۲۹) وہ ان کو 'وقتاً فوقتاً' ڈالتا رہا ہے (From time to time)

(۳۰) مرافع کی سماعت 'ہمارے روبرو' مرافعان کی موجودگی میں کی جائے گی

(ہمارے روبرو = جو ہمارے روبرو ہیں)

(۳۱) ملازم میں ایسی بداعمالی بھی ہو سکتی ہے جو معاہدہ ملازمت کو ایک فریق

کے بغلات مرضی فریق ثانی ساقط کر دینے کو جائز بنائے -

(۳۲) وہ مسلمان جو ایک ہی مسجد میں 'عبادت کرتے' ہیں - (نماز پڑھتے ہیں)

(۳۳) ہمیں اس بات کا خفیف سا خفیف اندازہ بھی تو نہیں ہوتا کہ زمانہ تاریخی

سے پہلے جو ہزاروں سال گذرے ہیں ' یعنی اسی قدیم زمانے میں جب انسان نے

پہلے پہل زبان کو حیات اجتماعی اور صنعتی اور ذہنی ارتقا کا وسیلہ بنایا تھا، کیا واقعات پیش آئے تھے۔ اگر یہ واقعہ ہے کہ ہم تمام مشترکہ زبانوں کی درجہ بندی نہیں کر سکتے؛ اور ہماری تحقیق اگر کہیں تھوڑی بہت کام آئی ہے تو صرف مختلف مہجوروں کی تقابلی صرف و نحو کے مطالعے میں اور اس صنف میں بھی ہم بجز سامی، فنی، یوگڑی، ملای، ایشیائی اور بافتو خاندانوں کے اور کسی کے متعلق کچھ نہیں کر سکے ہیں۔ تو ان سب باتوں سے یہ لازم آتا ہے کہ افسانوی زبانوں کی وحدت یا کم از کم ان زبانوں کے جو آج معروف ہیں، آغاز اور ابتدا کے مسئلے کو اتھاڑا کچھ زیادہ سودمند نہیں ہو سکتا۔ (یہی زبان ہے جس کو ”فرنگی اردو“ کہتے ہیں)

(۳۴) وادشعر جنسے کسی پادشاہ وقت کی تعریف جو زندہ ہے، پائی جاتی ہو، آزاد دے گئے ہیں۔ (وادشعر آزاد دے گئے ہیں جنہیں کسی پادشاہ وقت کی تعریف پائی جاتی ہو) (۳۵) اب اشعری اور اہل سنت اکثر عقائد میں ملتے ہیں (کب نہ ملتے ہے؟) (۳۶) انسان اپنے افعال کا خود، مختار ہے (انسان خود مختار ہے۔ یا اپنے افعال کا مختار ہے)

(۳۷) دو سب سے اخیر بابوں میں (اخیر کے دو بابوں میں)

(۳۸) اس کے بعد سعدی کو اپنا ہم خیال بنانے کے دوست تفریح گناں باہر کو روانہ ہوئے (یہ دونوں دوست کون ہیں جنہوں نے سعدی کو اپنا ہم خیال بنایا تھا؟) (۳۹) علی الصباح جب واپسی کا ارادہ ہوا تو سعدی نے دیکھا کہ اس کے دوست نے اپنا دامن گل ریحان اور سنبل و ضمیران سے بھر رکھا تھا (بھر رکھا ہے) (۴۰) اس تصور کے زیر اثر فطہیں لکھیں (۴۱) مہکن ہے کہ مہن خود خریدار بن جاؤنگا (مہکن ہے کہ میں خود خریدوں)

(۴۲) ہر مہکن طریقے سے (۴۳) ہر مہکن کوشش کرونگا)

(۵۴) افغانستان میں دو عاشق و معشوق کی شادی ہونے والی تھی (عاشق

و معشوق کی شادی ہونے والی تھی)

(۵۵) شادی سے ایک روز پہلے عاشق زار نے اپنی ہونے والی دلہن کے (منگیتر کے)

ایک چاہنے والے کی ایک نازیبا حرکت سے مشتمل ہو کر اُسے گولی کا نشانہ

بنا کے مار ڈالا (اُسے گولی کا نشانہ بنادیا۔ مگر کس کو؟)

(۵۶) ہر وہ شخص نہیں سمجھ سکتا جس نے اقلیدس شروع سے فہ پڑھی ہو

(ہر فضول ہے)

(۵۷) کلیم پروٹا کے ایک تعلیم یافتہ نوجوان میں سے تھے۔ اول تو بیزنس میں رہ کر

اس نے ایک خاص اعزاز سے انڈرفنس کا امتحان پاس کیا —

(۵۸) کچھ مدت تک تو متلون مزاج متلون نواب زادہ اپنی بیوی کے ساتھ خوش رہا

(اپنی بیوی سے خوش رہا)

(۵۹) اور چونکہ سوائے اس بیٹی کے دوسرا کوئی اس کے حصے کا مالک نہ تھا،

اس لئے اپنے خسر کے سرنے کے بعد تمام آلات جغرافیہ اور بہت بڑا ذخیرہ

بھری نقشوں اور دیگر مقامات کا جہاں جہاں اس نے اپنی زندگی میں

سفر کیا تھا، معہ گھر کے مال و اسباب، سب کا مالک بیٹی اور

داماد ہوئے —

(۶۰) حکمران شاعر نہیں تھے (نہیں غلط ہے۔ نہ تھے چاہئے)

(۶۱) اس کا سبب میر نے شاعرانہ طریقے سے بڑا پر لطف پیش کیا ہے (شاعرانہ

انداز میں پر لطف طریقے سے پیش کیا ہے)

(۶۲) اس افتخار میں قدیم طرز کے اشعار میں نے نہیں درج کئے ہیں۔ اگر

کوئی ملیں تو مجھے معاف کیجئے (اگر کوئی ملے یا اگر کچھ ملیں)

(۶۳) ان تینوں کے بعض وہ شعر ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں جن میں اس

اس کی طرف اشارہ ہے (۱- بعض ایسے شعر۔ ۲- وہ شعر)

(۶۴) عطار کا کلام خود ان کے اپنے زمانے میں مدون نہیں ہوا (اپنے زمانہ ہے)
 (۶۵) میں نے خود بھی عرصہ ہوا 'پند نامہ' ایک خلاصے کے ذریعے سے جو
 براہ کرم میرے لئے حسن فہمی نے تیار کیا تھا مطالعہ کیا تھا۔ (پند نامے کا
 خلاصہ پڑھا تھا وغیرہ)

(۶۶) بعض متداول و معروف تشبیہات کے ساتھ بعض عالی شان اور جلیل القدر
 خیالات پائے جاتے ہیں۔

(۶۷) پانچ سو (پانسو) آدمی خیال کرتا ہے کہ وہ بوڑھا ہے (میں بوڑھا ہوں)
 اس کی مثال ایسے اوفت کی ہے جو بندھی ہوئی آنکھوں سے چمکی کے گرد
 گھومتا ہے۔ (وہ ایسا اوفت ہے جس کی آنکھوں پر پتی بندھی ہے اور)

(۶۸) یہ حکایات اس روح (Spirit کا ترجمہ ہے) میں نہیں لکھی گئی ہیں جو سعدی
 میں پائی جاتی ہے۔

(۶۹) جسے میں کسی قدر مختصر پیرایے میں درج کرتا ہوں (مختصر طور پر)
 (۷۰) وہ آگ فوراً اس ایندھن میں لگ جاتی ہے جو ققنس نے جمع کر لیا ہے (جمع
 کر رکھا ہے) اور ہلکے ہلکے (آہستہ آہستہ) اسے جلا دیتی ہے

(۷۱) قاضی نے صوفی کو حکم دیا کہ وہ ان الفاظ سے توبہ کرے (قاضی نے حکم دیا کہ
 ان الفاظ سے توبہ کرو)

(۷۲) ۱۰-شوال تاریخ وصال قاضی صاحب کا عرس کیا جاتا ہے (کیا معنی؟)
 (۷۳) اور اس وقت تک شاعری کی ہر صنف میں قسمت آزمائی کرچکے تھے
 (طبع آزمائی)

(۷۴) کانوں کے مکھیا نے قاضی صاحب سے اظہار ہمدردی کی (کیا)

(۷۵) قاضی صاحب نے کہا اچھا لیجئے (لیجئے زائد ہے) میں کوشش کرونگا
 تمہاری بات نہ ٹالوں گا۔

(۷۷) شیخ نے فرمایا کہ تصور شمع کیا کرو۔ اور اس کی مشق یہاں تک بہم پہنچاؤ

کہ ”من تو شدم تو من شدمی“ کا قول صادق آجائے اور مرید اور شیخ میں

وہی رشتہ اور تعلق نہ ہو جائے جو جسم کو روح سے ہے (فہ غلط ہے)

(۷۸) کتاب کا آخری حصہ جس میں تاریخ تصنیف کتاب ضرور وہی ہو گی

(ضرور ہو گی)

(۷۹) ظاہر، شکل و صورت (ظاہری)

(۸۰) اس کی روح ان تہام ردو بدل سے بری ہے (اس تہام ردو بدل سے)

(۸۱) اس کا سمجھنا ذرا بہت مشکل ہے - (ذرا زائد ہے)

(۸۲) درفوں قریب قریب ایک ہی ہیں (درفوں قریب قریب ایک ہیں -

بلکہ یکساں ہیں)

(۸۳) ان اشعار میں عشق حقیقی کا اصل ترک دنیا، ترک آرزو پر فہایت

قرینے کے ساتھ روشنی قالی کٹی ہے (کیا معنی ہیں؟)

(۸۴) اثر تم میوی مدد کرو تو میرا دس معصیت بالکل دھل جائے، مدد

کیجئے (شتر گر بہ ہے)

(۸۵) اظہار معصیت محض اس لئے کرتے ہیں تا کہ وہ اپنی عبادت وغیرہ پر

تکید کر کے نہ بیٹھے جائیں (تا کہ غلط ہے کہ چاہیے)

(۸۶) بنگ سبب ہے اور محبت اس کا لازمی اثر (نتیجہ)

(۸۷) ایک زمانہ تھا کہ بنگ بنگاب سے بے نیاز تھا (تھی)

(۸۸) اس کی بدولت ہم دنیا سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں (دنیا کو)

(۸۹) بنگاب کے زیرِ تخت رہیں، (ماتحت)

(۹۰) بنگ کے سر بستہ ہائے راز کو انہوں نے منکشف کر دیا ہے

(راز ہائے سر بستہ)

(۹۱) 'ک' کے فیچے تین نقطے رکھنے سے وہ 'گ' ہو جاتا ہے (وہ زائد ہے)

(۹۲) 'ر' کے فیچے تین نقطے رکھنے سے وہ 'ز' ہو جاتا ہے (ز ہو جاتی ہے)

(۹۳) کہیں سنہ ۱۸۷۰ ع میں جرمن ایک متحد قوم بن پائے -

(۹۴) ان گدھوں کی طرح 'لاطینی' حروف سے نہ پوچھنا چاہئے کہ جرمن

زبان کیوں کر بولی جائے، بلکہ گھر میں بیٹھنے والی ماؤں سے 'سڑک پر

کھیلنے والے بچوں سے' بازار میں پورے والے لوگوں سے (خدا جانے

کیا مفہوم ہے)

(۹۵) سولہویں صدی کی 'ادبی پیداوار' سوائے مذہبی کتبوں

وغیرہ کے اور کچھ نہ تھی -

(۹۶) (Plays) 'کھیل تراشا' کی (Spirit) 'روح' سے خالی ہیں -

(۹۷) اس کا سب سے پہلا ناول ایک آوارہ گرد کی خود نوشتہ سوانح

عمری کے طور پر (عنوان سے) شائع ہوا -

(۹۸) اس کی غنائی شاعری موسیقی سے خالی ہے (خاص انگریزی

انداز بیان ہے)

(۹۹) ایک گروہ اس کا مخالف تھا، جو اس کی واقعیت پسندانہ کو مغرب

اخلاق سمجھتا تھا (واقعیت پسندانہ کیا ؟)

(۱۰۰) وہ ان پڑھوں کے پیچھے افسانیت کے عین کو دیکھتا ہے

(عین کیا معنی ؟)

(۱۰۱) اس کی سعی سے ملک کے نظام و فسق میں کوئی دیر پا خارجی نتائج

حاصل نہیں ہوئے -

(۱۰۲) تمدن کے نہو نے اور کلاسیکی روح کے مجسمے ملے -

(۱۰۳) جرمنی کی اسٹیج پر کوبیلوں کا قبضہ تھا - (فرنگی اردو ہے) -

مندرجہ بالا سطور میں ترجمے اور تالیف کے جو نمونے ہدیۂ ناظرین نئے

کئے ہیں وہ ان جوانان ادب کے زور طبع کے نتائج ہیں، جو شہرت اور ناموری کے پروں پر اُڑے چلے جاتے ہیں۔ اور انگریزی افشا و ادب کی اعانت و امداد سے سلطنتِ اردو کو اپنی قلمرو میں شامل کر رہے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ان نمونوں پر اردو کا اطلاق ہو سکتا ہے، کیا کوئی مبصر اور ماهر زبان ان پر اردو کا انہام عائد کر سکتا ہے؟ کیا کوئی بہہ سکتا ہے کہ یہ اردو روزِ مرے کے نمونے ہیں؟ کیا کوئی شخص لکھ سکتا ہے کہ ان میں اور انگریزی میں بچہ فرق ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہمارے نزدیک تو یہ اچھی خاصی انگریزی ہے، جو انگریزی داں حضرات کے قلموں سے تپک پڑی ہے۔ سیدھی سادی اردو لکھنی اور دنی اور لکھنؤ کے روزِ مرے کی پیروی کر فی انہیں لوگوں کا کام ہے جو شہرت اور ناموری کے میدان میں پیچھے رہنا چاہتے ہیں۔

زندگی کے ہر شعبے میں دو قسم کے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو ترقی کرنا اور اُگے بڑھنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ دوسرے وہ بزرگ ہیں جو روایاتِ قدیم سے انحراف کرنا اور کسی نامپروردہ راستے میں قدم رکھنا خلاتِ ایمان تصور فرماتے ہیں۔ اس امر میں سو شش و شبہ کی گنجائش نہیں کہ لکیر کا فقیر رہنا اور رسم و رواجِ قدیم کی ہندشوں سے آزاد نہ ہونا گناہِ کبیرہ ہے۔ لیکن جدت طرازی اور اختراعِ پندی کے شوق میں مسلحہ حدود و قیود کو نظر انداز کرنا اور قدیم نمونوں کو توڑ پھوڑ کر رکھدینا کونسی دانائی اور دہائی کی ترقی ہے۔ ہمارے نزدیک جدت طرازی اور حدود شکنی صرف انہی بزرگوں کا حصہ ہے جو سالہا سال غور و فکر کی داد دیتے ہیں اور مدتِ العمر کی متواتر اور لگاتار کدو کا دھ کے بعد اپنی ذات میں وہ قابلیت پیدا کر لیتے ہیں جو آئے بڑھنے اور جدت دیکھنے کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ دنیا عالمِ اسباب ہے یہاں یکساں اسباب سے یکساں

قتائج نکلنے ہیں۔ نومشق اور خام مذاق حضرات نہ کہی ترقی کر سکیے ہیں، نہ قیامت تک کر سکیں گے۔ دو آن مل اور بے جور لفظوں کو پاس پاس رکھ دینا اور اس کو جدت اور ندرت قرار دینا اُفیی لوگوں کا کام ہے، جو ذوق سلیم سے بے بہرہ ہیں۔ جب تک قدامت پرستی اور جدت پسندی ایک جگہ جمع نہیں ہوتیں اس وقت تک اصلی اور حقیقی معنی میں ترقی نہیں ہوتی۔ ہمارے نزدیک اس دور میں اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ ایک محکمہ قائم کیا جائے اور اس کا نام ”محکمہ احتساب ادب“ رکھا جائے۔ اور اس کو یہ خدمت سپرد کی جائے کہ پہلے ہر مضمون پر نقادانہ نظر ڈال لے اور اس کے بعد اس کو شائع ہونے کی اجازت دے: ورنہ وہ وقت دور نہیں ہے کہ اُردو اُردو نہ رہے گی، اچھی خاصی انگریزی بن جائے گی۔

اس مقام پر ہمارے نام نہاد جدت پسند حضرات کی طرف سے یہ اعتراض ہوگا کہ ”ہر زبان کی یہی حالت ہے اور ہر زبان کو کم و بیش یہی مدارج طے کرنے پڑے ہیں۔ کوئی زبان اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ ہر سلف اور ہر قوم کے فوجوان اپنی زبان کی خدمت اپنے دوش ہمت پر لیتے ہیں، اس میں طرح طرح کے فہونے جمع کرتے ہیں اور اس طرح اپنی زبان کو سرمایہ دار بناتے ہیں۔“ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ عمل یوں ہی جاری رہا ہے اور یوں ہی رہے گا۔ مگر محکمہ احتساب بھی ہمیشہ قائم ہوتا آیا ہے اور ہمیشہ قائم ہوتا رہے گا۔ انگریزی اس قدر وسیع اور سرمایہ دار زبان ہے کہ اس کی تقلید جزو ایہان سمجھی جاتی ہے مگر اس کے باوجود بھی ”احتساب“ کا یہ عالم ہے کہ بال کی کھال نکالی جاتی ہے اور لفظ لفظ کی قدر و قیمت معین کی جاتی ہے۔ ’نگار‘ ہندوستان میں نہایت مقتدر رسالہ ہے۔ اُس کے مدیر ہمدان ہیں۔ اطراف و جوارب سے استفسارات کی بھرمار ہوتی ہے۔ اور وہ ہمدان فاضل اُن سب کا جواب دیتے ہیں۔ اسی مقتدر رسالے کے

کسی نمبر میں ایک دفعہ ایک قدامت پرست بزرگ نے جناب مدیر سے ذہنیت کے متعلق کچھ سوال کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ”یہ لفظ Mentality کا صحیح ترجمہ ہے، اس لئے آپ کو بھی اپنی ذہنیت میں تبدیلی کرنی چاہئے۔“ مگر فاضل ہمہ داں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ انگریزی Mentality کے خلاف اس سے کہیں زیادہ جہاد کیا جاتا ہے، جس قدر اردو میں ذہنیت کے خلاف روا رکھا جاتا ہے۔ اگر جناب مفتی ادب کی نظر میں یہ نکتہ ہوتا تو اس فضول اور بیکار لفظ کی حمایت سے پرہیز کرتے۔ اس کے علاوہ ہم اپنے جدت پسند حضرات سے یہ دریافت کرتے ہیں کہ اگر اردو کی جگہ فرنگی اردو نے لے لی تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ ہمارے نزدیک اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس اردو کو صورت وہی بزرگ سمجھ سکیں گے جن کی آنکھیں انگریزی علم ادب کے مطالعے سے روشن ہیں اور جن کی نظر میں وہ انداز بیان پہلے سے موجود ہے جس کی تقلید مقصود ہے۔ لیکن جو لوگ اس نعمت عظمیٰ سے بے بہرہ ہیں، وہ محروم رہ جائیں گے۔ اور جب یہ لوگ محروم رہے تو جناب کی جدت طرازیوں اور معنی آفرینیاں کس کام آئیں گی۔ کیا جناب کے سامنے وہ بزرگ زانویٰ ادب تہ فرمائیں گے جو انگریزی تعلیم اور انگریزی اندازِ بیاں دونوں سے واقف ہیں؟ کیا یہ حضرات جناب کی سعی و کوشش کے محتاج ہیں۔ یا ان بزرگوں کو آپ کی ادانت و امداد کی ضرورت ہے؟ اگر آپ کا یہ خیال ہے تو غلط اور سراسر غلط ہے۔ جس قدر جلد آپ اس کو نکال تالین گے ملک و قوم اور زبان و ادب پر آپ اسی قدر احسان فرمائیں گے۔ ہمارے نزدیک جو لوگ آپ کی خدمت کے محتاج اور آپ کی امداد کے خواہاں ہیں، وہ وہی لوگ ہیں جو آپ کی زبان سمجھنے سے قاصر ہیں۔ کیا ہندوستان کے طول و عرض میں کوئی اردو داں شخص ایسا ہے جو ”اچھے دفاتر“ کا مطالب سمجھ سکے اور ”بدفصیب الفاظ“ اور ”قابل افسوس عبارت“ کی کنہ تک پہنچ جائے؟ اگر کوئی شخص ان انوکھی اور فرالی ترکیبوں کو سمجھ سکتا ہے تو وہ وہی شخص ہے جس کی آنکھیں ”ادبیات انگریزی“ سے روشن ہیں۔ ہمارے

نزدیک ”Soldier of fortune“ کا ترجمہ ”خوش نصیب سپاہی“ کرنا اور اس کو دیانت اور امانت قرار دینا دیانت اور امانت کا منہ چڑانا ہے —

اس مقام پر ایک اعتراض اور بھی ہوسکتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک زمانہ تھا کہ عربی فارسی وغیرہ سے اردو میں ترجمہ کیا جاتا تھا - اس وقت جو لوگ مشرقی زبانوں سے اردو میں ترجمہ کرتے تھے وہ عربی اور فارسی ترکیبیں اسی کثرت سے برتتے تھے جس قدر اس دور میں انگریزی ترکیبیں برتتے تھیں - مثلاً چہرہ نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں

ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو - میں ’مرزا غالب‘

اس شعر میں ”چہرہ نہ رشک نے“ خاص فارسی ترکیب ہے - جو ”رشک نہ گذاشت“ کا لفظی ترجمہ ہے - اس کے جواب میں ہم معترض حضرات کی خدمت میں یہ عرض کرتے ہیں کہ فارسی اور انگریزی میں کسی قدر فرق ہے، اگر وہ فرق نظر میں ہوتا تو یہ اعتراض نہ کیا جاتا - وہ فرق یہ ہے کہ جس وقت فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا جاتا تھا، اس وقت ہماری زبان فارسی تھی یا کم از کم تعلیم یافتہ گھرانوں میں بے تکلف سمجھی جاتی تھی - اس لئے اردو میں فارسی کی تقلید غیر مانوس اور ناقابل فہم نہ تھی بلکہ نلام میں ایک خاص لطف پیدا کردیتی تھی اور سامنے والے کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ ہماری ہی چیز ہے - جو مختلف لمبوسوں میں ہمارے سامنے جلوہ گر ہے، لیکن اس زمانے میں انگریزی ہماری زبان نہیں ہے اور نہ کوئی خاندان ایسا نظر آتا ہے جس میں انگریزی مادری زبان کی حیثیت سے بولی جاتی ہو اور اگر کوئی ایک آدھ خاندان ایسا ہے بھی تو اُس کو اُردو اور ترقی اُردو دونوں سے کچھ سروکار نہیں - اس لئے ہم بلا تلافی کہہ سکتے ہیں کہ فارسی سے ترجمہ کرتے وقت ہماری الفاظ پرستی نہیہ کئی، لیکن انگریزی سے ترجمہ کرتے وقت نہیں نہیہ سکتی - مثال کے طور پر ہم ایک انگریزی نظم پیش کرتے ہیں جس کا پہلا ٹکڑا یاں رہ گیا ہے ”The poem hangs on the berry bush“

اس کا ترجمہ ایک صاحب کمال بزرگ ان الفاظ میں فرماتے ہیں کہ ”نظم“ بیرونی کی جہازی“ پر لگتی ہے۔“ ہم جناب مترجم کی خدمت میں نہایت ادب و انکسار سے التماس کرتے ہیں کہ آپ تمام ہندوستان کا سفر کریں اور اس سرے سے اس سرے تک چکر لگائیں اور اردو داں حضرات سے دریافت فرمائیں کہ ”بیرونی کی جہازی“ کے کیا معنی ہیں: اس کے جواب میں ہر شخص یہی کہے گا کہ بیرونی ایک درخت ہے جس میں بیروں لگتے ہوں۔ آپ کو ایک شخص بھی ایسا نہ ملے گا جو اس کا مفہوم وہی سمجھتا ہو جو جناب کے ذہن میں ہے۔ اب معذور ہو کر جناب فرمائیں گے کہ صاحب وہ ”بیرونی کا درخت“ ہے، یہ ”بیرونی کی جہازی“ ہے، ان دونوں میں فرق ہے، وہ ہندوستانی ”بیرونی“ ہے یہ انگریزی ”بیرونی“ ہے۔ اس کے جواب میں وہ عرض کرے گا کہ جناب یہ تو معلوم نہیں کہ انگریزی ”بیرونی“ کسے کہتے ہیں اور اس کے معنی کیا ہیں، لیکن ”بیرونی کی جہازی“ کے جو معنی ہمارے ذہن میں آتے ہیں وہ تو ہندوستانی ہیں انگریزی نہیں، ہم جاہل اور ناخواندہ لوگ انگریزی کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ اس کے جواب میں جناب فرمائیں گے کہ حضرت درخت اور جہازی میں بہت فرق ہے، آپ دونوں کو ایک کیوں سمجھتے ہیں۔ اب وہ کہے گا کہ حضور فوق تو ضرور ہے، مگر میں نے اپنے دل میں سمجھ لیا تھا کہ آپ کسی ایسے علاقے کے باشندے ہیں جہاں درخت و جہازی کہتے ہوں گے۔ بہر کیف ”بیرونی کی جہازی“ سے ہم جو کچھ سمجھ سکتے ہیں وہ تو یہی ہمارا بیرونی کا درخت ہے، باقی آپ جانیں اور آپ کی ”بیرونی کی جہازی“ جانے۔ اس جواب سے کبیدہ خاطر ہو کر جناب فرمائیں گے کہ اچھا ”Berry bush“ کا ترجمہ کیا کیا جائے۔ اس کے جواب میں ہم جناب سے عرض کریں گے کہ بیرونی کو نکال دیجئے، ”جہازی“ رہنے دیجئے، کام چل جائے گا۔ اگر ادب و انشا کی شان دکھانی منظور ہے تو ”اشجار و نہاتات“ وغیرہ الفاظ موجود ہیں، ان سے کام لیجئے، لیکن اردو داں پہلک کو اندھیرے میں خہ رہنے دیجئے اس لئے کہ اس نظم میں ”بیرونی“ کی کوئی خصوصیت نہیں، جو

چیز مقصود بالذات ہے وہ سرسبز اور ہرا ہرا درخت ہے، کوئی خاص درخت نہیں کہ خواہی نہ خواہی اس کا اظہار کیا جائے۔ خدا جانے وزن اور قافیہ کی کیا کیا مجبوریاں ہوں گی جن کے باعث شاعر کو "Berry bush" لکھنا پڑا ہوگا، اگر یہ مجبوریاں نہ ہوتیں تو آپ دیکھ لیتے کہ شاعر صرف "bush" لکھتا۔ "Berry bush" ہرگز نہ لکھتا۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ شاعر کی مجبوریوں کی تقلید کریں اور اردو داں حضرات سے ایسا لفظ و شناس کراڈیں جس کا مفہوم وہ غلط سمجھنے پر مجبور ہیں۔ اس کے علاوہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ لفظ "Berry" نہایت اہم اور ضروری لفظ ہے اور اس کے بغیر کسی طرح کام نہیں چل سکتا تو ہم عرض کریں گے کہ جذبات انگیزی اور شعر آفرینی میں لفظ "Berry" (بیری) کو جو کچھ دخل ہے وہ انگریزی میں ہے اردو میں نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہندوستان میں بیری کو واقعات حیات سے اگر کوئی تعلق ہے تو وہ یاس خیز اور غم انگیز ہے، یعنی اس کے پتے گرم پانی میں تالے جاتے ہیں اور ان سے سردے کو غسل دیا جاتا ہے۔ اگر اس درخت کو جذبات مسرت و انبساط سے کوئی واسطہ ہوتا تو ادب اردو میں کہیں تو ذکر آتا۔ ہمارے نزدیک اس نظم کا مفہوم یہ ہے کہ تلامیذ الرحمن حضرات کی شعر ہیں نگاہیں جب کسی تر و تازہ اور سرسبز فوہال کی فازک فازک پتییوں اور نرم نرم پنکھڑیوں پر پڑتی ہیں تو ان میں شعر و قصائد کے دفتر کے دفتر مضربانی ہیں۔ یعنی جوانان چہن کے خدا داد اور طرب انگیز حسن کو دیکھ کر عاشق مزاج شاعر کے دل میں شعر گوئی اور شعر خوانی کے جذبات موجزن ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب شکسپیر کسی بازار میں سے گذرتا ہے تو وہ بازار بازار نہیں رہتا بلکہ تھیٹر بن جاتا ہے۔ یعنی ملک الشعراء انگلستان کی فطرت شناس نگاہیں بازاروں اور تجارت گاہوں میں فطرت انسانی کے ایسے ایسے اسرار و معارف دیکھ لیتی ہیں جو سطح بین لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ یہ خدائے سخن ان کو لیتا ہے اور انہیں غیر فانی اور لازوال تراموں کی تصنیف میں صرف کرتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہاں بھی شکسپیر کی کوئی قید نہیں ہے۔

اس لئے کہ یہاں یہ لفظ حقیقت میں اسم معرفہ نہیں ہے بلکہ نکرہ ہے اور اس سے اعلیٰ درجے کا تراما نویس شاعر مراد ہے۔ یعنی جب کسی اعلیٰ درجے کے تراما نویس شاعر کا گذر بازاروں اور تجارت گاہوں میں ہوتا ہے تو اس کی فطرت شناس نگاہیں فطرت انسانی کے گہرے اسرار و معارف تک پہنچ جاتی ہیں اور وہ ان کو تراما نویسی میں صرف کرتا ہے، حالانکہ بازاروں اور تجارت گاہوں کو شعر گوئی اور مضامین آفرینی سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ چیزیں تو شاعرانہ جذبات کے حق میں ہم قاتل ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو شاعر کا منشا وہی ہے جو 'عرفی' کے اس شعر سے پایا جاتا ہے:

ہر کس نہ شناسندہ راز است و گرفتہ

این ہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

اب ہم فضل متوجم سے دریافت کرتے ہیں کہ جناب کے توجہ سے پڑھنے والوں کے دلوں پر یہی اثر ہوتا ہے کہ نہیں۔ اگر نہیں ہوتا تو کیا جناب کامیاب ہیں اور جناب کی سعی مشکور ہے؟ کیا ملکہ و قوم پر جناب کا کوئی احسان ہے یا زبان و ادب پر جناب کی کوئی عنایت ہے؟

اگر یہ کہا جائے کہ جامعہ عثمانیہ کے طالبان اگر یزی جانتے ہیں، اس لئے ان کے سامنے فرنگی اردو کے نمونے پیش کرنے میں کیا مضائقہ ہے؟ تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ ترجمے کی کیا ضرورت ہے۔ انگریزی میں علوم کی تعلیم کیوں نہیں دی جاتی؟ اور برطانیہ ہندوستان کی اور یونیورسٹیوں کی تقاضا کیوں نہیں جاتی؟ آخر کوئی تو خوبی ہے کہ رسم قدیم سے انحراف کیا گیا اور اردو کو ذریعہ تعلیم قرار دیا گیا ہے ہمارے نزدیک اردو سے انحراف کرنا اور اس کی جگہ 'فرنگی اردو' سے کام لینا اس مقصد کو فوت کرنا ہے، جس کے لئے جامعہ عثمانیہ عالم رجوت میں جلوہ گر ہے۔

اصول تراجم

اب ہم اپنی ناقص عقل و رائے کے مطابق چند اصول ملک و قوم کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اپنے الوالعزم نو جوانوں سے درخواست کرتے ہیں کہ ان پر غور کریں اور یہ دیکھیں کہ وہ اصول مذاق سلیم کے معیار پر پورے اُترتے ہیں کہ نہیں۔ اگر انہیں اپنے لئے مفید اور کارآمد پائیں تو ان پر کار بند ہوں، ورنہ اپنے لئے کچھ اور اصول مقرر کریں اور ان سے شمع ہدایت کا کام لیں۔ تا کہ تو جیسے کی تنگ و تاریک گھاٹیوں میں سر ٹکراتے نہ پھریں۔

(۱) اسمائے معروفہ

اسمائے معروفہ کی دو قسمیں ہیں (۱) اسمائے اشخاص (۲) اسمائے مقامات۔ اسمائے اشخاص کے متعلق یہ اصول ہے کہ اصل زبان کے تلفظ کا اتباع نہ کیا جائے بلکہ قطع و برید کر کے اس کو اپنی زبان کے سانچے میں ڈھال لیا جائے۔ مثلاً Gallon سے جالینوس - 'Soeretes' سے سقراط 'Aristotles' سے ارسطو اور 'Plato' سے افلاطون بنانا انہی بزرگوں کا کام تھا، جنہیں 'ہر بار ادب' سے ذوق سلیم عطا ہوا تھا۔ ورنہ ہمارے زمانے کے فوہر اور خام مذاق حضرات تو 'Ptolmy' کو پتالامی لکھتے ہیں اور اس پر فخر و مباہات کی بنیادیں اُٹھاتے ہیں۔ حالانکہ اب سے صدیوں پہلے بزرگان عرب اس کو 'بطليموس' لکھ گئے ہیں۔ ہمارے نو خیز علمائے ادب کے علم و فضل کا یہ عالم ہے کہ اُن کو یہ بھی معلوم نہیں کہ انگریزی میں اس کا صحیح تلفظ پتالامی ہے یا پتالامی، اگر یہ 'علم برداران ادب' صرف اتنی زحمت گوارا فرماتے کہ کسی تکشتری کو کھول کر دیکھ لیتے تو وہ کم از کم اپنی انگریزی دانہ کا پردہ نہ کھلنے دیتے۔

اسی طرح انگریزی میں Herschel ایک لفظ ہے، جس کا تلفظ ہرغل ہے، مگر

ہلدادگان تقلید کا مذاق گوارا نہیں کرتا کہ زبان کے کسی حوت کو بیکار رہنے دے اس لئے وہ اسکو 'ہر سچل' بنالیتے ہیں۔ چنانچہ 'شارلمین' کو چار میمن بنانا اور 'لین ٹین' کو 'لین ٹیگنی' دکھانا انہی کی شان تبصر کے شایاں اور انہی کی ہمت کے لائق ہے جو محض سرمائے کی بدولت 'سلطنت افشا و ادب' کو فتح کرنا چاہتے ہیں۔ جن بزرگوں نے 'Pharaoh' کی جگہ فرعون تراشا تھا ان کا مذاق قابل تقلید تھا، مگر ہمارا مبلغ علم بھی کچھ کم لائق تعریف نہیں ہے کہ انگریزی تلفظ اردو میں برتنا جزو ایمان سمجھتے ہیں اور فرعون کی جگہ پھیروما اور 'موسیٰ' کی جگہ 'موزیز' لکھنا اپنے لئے ذریعہ نجات خیال کرتے ہیں۔

ہمارے نزدیکی اس زمانے کے مترجم اور مؤلف حضرات کا یہ فرض ہو نا چاہئے کہ انگریزی اسمائے اشخاص کو لیں، اس کا صحیح تلفظ معلوم کریں اور یہ دیکھیں کہ ہماری زبان کی نزاکت اس کی متحمل ہو سکتی ہے کہ نہیں۔ اگر ہو سکتی ہے تو اس کو اصلی صورت میں لے لیں، ورنہ قطع و برید میں سرسو تکلف نہ کریں۔ مثلاً بلتن، پوپ گری، جانسن، ٹینی سن، ولیم، واسن، کارلائل، گرین، میکائے، چرچل، ساٹھن، ہکسلے، ریڈنگ، ہلیے وغیرہ ایسے اسم ہیں کہ اردو میں آنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، ان کے متعلق کسی قسم کی کہ و کاوش کی ضرورت نہیں، ان کو بے تکلف ان کی اصلی صورت میں لے سکتے ہیں۔

(۲) اس کے بعد ایسے اسمائے اشخاص کا نمبر ہے جو حروت کے اعتبار سے ثقیل ہیں، مگر تلفظ کے لحاظ سے ثقیل نہیں ہیں، اس لئے لازم ہے کہ اردو میں ان کو اس انداز سے لیا جائے کہ ثقل دور ہو جائے، مثلاً Vaghan (واگھن) نہایت ثقیل ہے مگر 'وان' ثقیل نہیں ہے اور یہی صحیح ہے۔ اسی طرح Pugh کا تلفظ 'پگہ' نہیں ہے بلکہ 'پیو' ہے۔ اس لئے اگر 'وان' اور 'پیو' کو لیا جائے تو ثقل بھی دور ہو جاتا ہے اور مترجم کا دامن سہو و خطا سے بھی

پاک ہو جاتا ہے۔ ریلے، برلے، لیسنر، کلاسٹر، ہیجٹ وغیرہ بھی اسی قسم کے اسماء اشخاص ہیں کہ حروف کے اعتبار سے ثقیل اور تلفظ کے اعتبار سے لطیف ہیں۔

(۳) اس کے بعد ایسے اسماء اشخاص کو لیجئے جن کے املا و تلفظ میں کچھ فرق نہیں، مگر ہماری زبان کی نزاکت ان کے ثقل کے تعادل سے عاجز ہے۔ مثلاً Aristotle اس کا تلفظ انگریزی میں بھی یہی ہے جو اس کے حروف سے ظاہر ہے۔ اس میں جتنے حروف ہیں سب ضروری ہیں۔ فہ کوئی زائد ہے نہ ساقط از آواز۔ مگر اردو میں آنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ یہاں تک کہ قدمائے عرب نے بھی اس میں تصرف کیا اور اسے ارسطاطالیس بنالیا جو کم ہوتے ہوئے صرف ارسطو رہ گیا۔ اب یہ اس قابل ہے کہ اردو میں بے تکلف برتا جائے اسی طرح Socrates (ساک۔ ری۔ تیز) کا ثقل ناقابل برداشت تھا۔ مگر مذاق سلیم کا خدا بنالیا کرے، سقراط، بناکر ہم پر اور ہماری زبان پر احسان کر دیا۔ اسی طرح Daniel کا صحیح تلفظ (تے۔ فی۔ ال) تھا جو ذرا سے تصرف سے دانیاں بن گیا۔ قدمائے عرب نے جوزت، جوزف اور جیکب کو یوسف، یونس اور یعقوب بنالیا تھا، مگر وہ بحال ما کہ اپنی شے غیروں سے لیتے ہیں اور اس انداز سے لیتے ہیں کہ انہی کا عطیہ معلوم ہوتا ہے۔

اس باب میں ہمارے زمانے کے مترجم اور مؤلف حضرات کا فرض ہے کہ اپنے اجتہاد سے کام لیں اور قطع و برید کر کے الفاظ کو اس قدر لطیف کر لیں کہ ہماری زبان پر بار نہ ہوں۔ مثلاً لیبالت، یا لیہولت ثقیل ہے، لیہال بنالیں، ثقل دور ہو جائے گا، لفظ زبانوں پر پھسلنے لگیا اور اس انداز میں آجائیکا کہ گویا خالص اردو زبان کا لفظ ہے۔ اسی طرح لب فتر کو لب فز بنالیں، کہ ثقل سے خجاست ملے۔

اس مقام پر یہ احتمال ہے کہ کہیں یورپ نواز حضرات اُنی طرف سے یہ اعتراض نہ ہو کہ جرمنی اور فرانسیسی وغیرہ کی اکثر کتابوں کے ترجمے انگریزی میں شائع ہوتے ہیں، اُن میں اسماء اشخاص میں کسی قسم کا تصرف روا نہیں رکھا جاتا، بلکہ اُن کو بے کم و کاست اُسی طرح ہدیۂ ناظرین کر دیا جاتا ہے، جس طرح اصلی زبانوں میں لکھ جاتے ہیں۔ اس کے جواب میں ہم اُن حضرات کی خدمت میں یہ عرض کرتے ہیں کہ اُن زبانوں میں اور اُردو میں ایک کوفہ فرق ہے۔ وہ سب زبانیں روسی حروف میں لکھی جاتی ہیں، ان کا رسم خط ایک ہے، اس کے برعکس اُردو کا رسم خط ان سے مختلف ہے، وہاں ایک زبان کی تقلید دوسری میں ممکن ہے، یہاں ممکن نہیں ہے۔ اُردو، فارسی، اور عربی کا رسم خط قریب قریب ایک ہے، اس لئے کہ یہ سب کی سب زبانیں عبرانی حروف میں لکھی جاتی ہیں۔ جب عربی یا فارسی کی کسی کتاب کا ترجمہ اُردو میں کیا جاتا ہے تو اسماء اشخاص کے باب میں کوئی خاص دقت پیش نہیں آتی، جس طرح وہ عربی فارسی وغیرہ میں لکھ جاتے ہیں، اُسی طرح اُردو میں حوالہ قائم کر دیے جاتے ہیں۔ مثلاً عبدالرحمن اور عبدالرحیم وغیرہ اُردو میں بجنسہ اُسی طرح لکھ جاتے ہیں جس طرح عربی میں لکھ جاتے ہیں لیکن انہی کو روسی حروف میں لکھئے اور 'ا' کو ساقت نہ کیجئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ اُسی طرح فارسی کے الفاظ 'خود' و 'خویش' وغیرہ کو لیجئے اور راو معدولہ کو قائم رکھنے کی کوشش کیجئے، ایک آن واحد میں آپ کے علم و فضل کی قلعی کھل جائیگی۔

(ب) اسماء مقامات

(الف) ہندوستان کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ 'روزیتا' کیا ہے اور 'تیبیتا' کہاں ہے۔ مگر یہ کوئی نہیں جانتا کہ 'رشید' کیا ہے اور 'دمیات' کس کو کہتے ہیں۔ حالانکہ 'روزیتا' اور 'تیبیتا' انہی دونوں کی خرابی ہے۔

جب کوئی یورپین بزرگ 'مصر' کا جغرافیہ لکھنے بیٹھے ہونگے تو 'رشید' پر ان کی نظر پڑی ہوگی، اس کو انہوں نے اپنی زبان کی نزاکت پر ایک گوفہ ہار محسوس کیا ہوگا اور اسے 'رشیت' یا 'رشیت' بنا لیا ہوگا اس کے بعد رزیت اور روزیت ہوا ہوگا، اس کے بعد روزیتا ہو گیا ہوگا، جو اب رائج ہے۔ یہی مصیبت 'دمیاط' پر نازل ہوئی ہوگی کہ بالآخر تیجیتا ہو کر رہ گیا۔ جب کوئی ہندوستانی بزرگ (ہندو یا مسلمان) جغرافیہ لکھنے بیٹھے ہونگے تو ان کے سامنے ضرور کوئی انگریزی تصنیف ہوگی، اس میں دیکھا ہوگا کہ Rosetta لکھا ہے، اٹھایا اور 'روزیتا' لکھ دیا۔ اگر یہ بزرگ درسی سعی و کوشش سے کام لیتے اور مصر کا نقشہ اٹھا کر دیکھنے کی زحمت گزارا فرماتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ دریائے نیل کے کنارے پر روزیتا نہیں ہے، رشید ہے۔ اسی طرح تیجیتا نہیں بلکہ 'دمیاط' ہے۔ مگر اتنی زحمت کون اٹھائے۔ یہ تو اسمائے معروفہ ہیں، ان میں کد و کارہن لغو اور تحقیق و تہتقیق لایعنی ہے۔ مگر یہی پر مکی ساری اور کام چلا لیا، مگر کیا یہ بزرگ تصنیف و تالیف کی اہم ذمہ داریوں سے سبک دوش ہو گئے؟ کیا یہ حضرات اپنے فرض منصبی سے عہدہ برا ہو سکے، کیا عاوم و فزون پر ان کا کوئی احسان ہے، کیا ہماری زبان ان کی مہنوں منت ہے؟ نہیں نہیں، مرکز نہیں۔ بلکہ آئندہ نسلوں کی سہولت پسندی اور بد مذافی کو، تمام تر ذمہ داری انہی ناقص التعليم مصنفوں اور انہی غیر ذمہ دار مؤلفوں کی گردن پر ہے۔

اسی طرح عربی دال حضرات جانتے ہیں کہ 'اسود' کے معنی سیاہ نام کے ہیں، اسی سے لفظ سودان بنا ہے، جو ملک حبش کا دوسرا نام ہے۔ انگریزی میں دال کی آواز کہاں کہ صحیح تلفظ ادا کرتی، اس لئے سوتان ہو گیا۔ انگریزی سے اردو میں آیا، مگر قتل ساتھ لایا۔ اس وقت اردو کے کسی اخبار یا کسی رسالے کو

آٹھا کر دیکھئے 'سوتان'، ملیکا - 'سودان' کا کہیں ذکر نہ آے گا۔ کیا اسی کا نام تحقیق ہے؟ کیا اسی کو اجتہاد کہتے ہیں؟ کیا نام نہاد مؤلفوں اور مترجموں کا یہی فرض ہے کہ انگریزی کی عاسیانہ اور سوقیانہ تقلید کریں اور جو کچھ وہاں پائیں وہی اپنے ہاں لے آئیں؟

گزشتہ جنگ عظیم میں 'کنٹارہ' اس قدر مشہور ہو گیا تھا کہ ہندوستان کا کوئی اخبار اس سے خالی نہ تھا۔ اس کی صورت اس قدر مسخ ہو گئی ہے کہ عربی سے اسے کوئی نسبت نہیں معلوم ہوتی۔ دماغ معرہ حیرت تھا کہ اس میں (ت) کہاں سے آگئی۔ اتفاق حسنہ سے ارض مقدس جانا ہوا تو ایک اسٹیشن پر جلی حروف میں لکھا دیکھا "قنطرة الخیر" اب سمجھ میں آیا کہ 'کنٹارہ' اسی قنطرہ کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ انگریزی میں حروف (ق) و (ط) کی آواز کہاں کہ صحیح تلفظ ادا کرتی، مجبوراً Kantara لکھنا پڑا۔ جب ہمارے اخبار نویس حضرات کی صحت پسند نگاہیں اس پر پڑیں تو (K) اور (ت) کو موجود پایا۔ اب کیا شے مانع تھی کہ وہ اس کو کنٹارہ نہ بنالیتے اور ان کے روز افزوں مشاغل انہیں اتنی اجازت کہاں دیتے ہیں کہ کم و بیش تحقیق کر لیتے کہ اصل زبان میں وہ لفظ کیا ہوگا جو انگریزی میں کنٹارہ کی صورت میں جلوہ گر ہے۔ بعینہ یہی افتاد لفظ 'قط' پر پڑی کہ رفتہ رفتہ کوٹ ہو کر رہ گیا ہے۔

اب تک تو ہم نے ان اسماء مقامات پر ایک نظر ڈالی ہے جو کسی زمانے میں ہمارے تھے، مگر اب غیروں کے قبضے میں ہیں اور غیروں کی وساطت سے ہم تک پہنچے ہیں۔ اب ہم ایسے اسماء مقامات پر غور کرتے ہیں جو غیروں کے ہیں اور غیروں کی وساطت سے ہم تک پہنچے ہیں۔ اگرچہ توقع تو نہیں ہے کہ ہمارے تقلید پرست حضرات اس باب میں کسی قسم کے تصرف کی تکلیف گوارا فرمائیں گے، اس لئے کہ جب خود اپنے گھر کے الفاظ کے متعلق ان کی سرسہ مہر کا یہ عالم ہے تو غیروں کے الفاظ کے متعلق کیا کچھ نہ ہوگا۔

(ب) جن بزرگوں کی آنکھیں عربی ادب سے روشن ہیں اور جن کے مطالعے میں مصری اخبار رہتے ہیں، وہ جانتے کہ Mar-seilles کا فصیح تلفظ کیا ہے اور Brussels کو کیا لکھتے ہیں، مگر ہمارے ابلے وطن اُن کو جب لکھتے ہیں، مارسلیز اور برسلز لکھتے ہیں؛ مارسیل اور بروسیل کے پاس نہیں پھٹکتے، اس لئے کہ یہ جاہلوں اور نا اہلوں کا شیوہ ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ اردو میں آنے اور زبانوں پر پھسلنے کی صلاحیت کن میں ہے اور کس کے ثقل سے زبان کی فراکت اُبا کرتی ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے صورت پرست حضرات اس حقیقت کو پس پشت قال دیتے ہیں کہ خواہ کتنی ہی کوشش کی جائے مگر اردو اُن حضرات ان کا صحیح تلفظ کبھی ادا نہ کریں گے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہماری زبان ان کا صحیح تلفظ ضبط تحریر میں لانے سے قاصر ہے، بلکہ یہ الفاظ اپنی اصلی صورت میں کچھ اس قدر ثقیل واقع ہوئے ہیں کہ ہمارے گلے کی ساخت انہیں مشکل سے گوارا کرتی ہے۔ جن لوگوں کو انگریزی میں شدہ بدہ ہے وہ تو اس کا صحیح تلفظ ادا کرنا سیکھ جاتے ہیں، باقی حضرات کو ایک گونہ تکلف ہوگا۔ وہ ان کے صحیح اعراب پر غور نہ کریں گے بلکہ اپنے انداز میں مارسلیز اور برسلز کہنے لگیں گے۔ اس لئے صورت پسند اشخاص کی یہ وحش رائگاں جائے گی کہ اسے مقامات میں کوئی حرج ایسا نہ رہنے پائے کہ اردو میں نہ آجائے۔ بڑھتے بڑھتے یہ لے یہاں تک ترقی کر گئی ہے کہ ہندوستان کے حدود کے اندر بھی اپنے الفاظ اپنے انداز میں نہیں لکھے جاتے، بلکہ انگریزی سے مستعار لئے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں جہلم ایک مشہور دریا ہے، اس کے کنارے پر ایک خوبصورت شہر ہے، صاحب بہادر کی نوک قلم نے اس کو Ghelum لکھ دیا؛ اب کیا تھا، ہمارے صورت پرست حضرات کو ایک موقع مل گیا، وہ بھی جہلم لکھنے اور بولنے لگے۔ اسی طرح مچھلی پتہ سے مسولی پتہ اور

منہموری سے مسوری بن گیا۔ یہی افتد سپاٹو پر پڑی ہوئی کہ ہوتے ہوتے
 'سو بیٹھو' ہو کر رہ گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ دہلی اس صورت سے اب
 تک محفوظ ہے۔ اگر چند روز یہی حال رہا تو وہ وقت دور نہیں کہ یہ
 عروس البلاں بھی تیلہی ہو جائے گی۔ اور تو اور جب تک حیدرآباد میں
 قدم نہ رکھا تھا، اس وقت تک یہ نہ معلوم تھا کہ تلفگی بڑی کوئی زبان ہے۔
 Telugo کو دیکھا تھا، اسی کو جانتے تھے، یہ خبر نہ تھی کہ تلوگو تلفگی
 کی آفت رسیدہ صورت ہے۔

آج کل بعض اصحاب کو خاص سنسکرت الفاظ کے احیا کا شوق دامنگیر ہے۔
 مگر ہم ان کی خدمت میں نہایت ہی ادب و احترام سے التجاس کرتے ہیں کہ
 اردو اور سنسکرت میں فرق ہے، سنسکرت ماں ہے اردو اس کی بیٹی ہے،
 سنسکرت ایک ضعیف اور سن رسیدہ خاتون ہے، اردو ایک نو خیز و نہال ہے،
 مگر اس کے باوجود بھی ماں ماں ہے، بیٹی بیٹی ہے، آج کل بیٹی کا وجود
 ماں کے وجود پر مبنی نہیں ہے، یہ بیٹی کے ارتقا اور اس کے نشو و نما کا دور
 ہے، ماں کی ترقی کا زمانہ گذر چکا ہے، اس زمانے میں بیٹی کو اختیار ہے کہ
 جس طرف چاہے قدم اٹھائے اور جو رستہ چاہے اپنے لئے اختیار کرے۔ سنسکرت میں
 اس الفاظ کا تلفظ یہی ہو گا جو ہمارے بعض اہل وطن لکھتے اور استعمال کرتے
 ہیں، مگر اردو میں جن الفاظ نے دھل دھلا کر خض صورت اختیار کر لی ہے وہ
 یونہی رہنی چاہئے، اس میں کسی قسم کا قصرت نہ ہونا چاہیے۔ ایسے بیشمار لفظ
 ہیں جو سنسکرت سے آئے ہیں، مگر اردو میں اس طرح نہیں بولے جاتے جس طرح خاص
 سنسکرت میں بولے جاتے تھے، ایسے الفاظ کو آج کل خالص اردو الفاظ سمجھنا چاہیے،
 سنسکرت نہ سمجھنا چاہئے۔ فہرست ملاحظہ ہو :

(۱) ہندی الفاظ : گور (گرہ) کھڑا (گرت) اُجلا (اُجل) آدھا (آردھ) اندھیرا
 (اندھکار) آسرا (آشورے) آنکھ (انھی) آگے (اگر) انگلی (اگرد) پانی

(پانچویں) برہمن (براہمنز) اور تمام اعداء جو اردو میں رائج ہیں -

اسی طرح عربی کے اکثر الفاظ ہیں کہ اردو میں غلط طور پر استعمال کئے

جاتے ہیں، عربی دال حضرات اُن کو دیکھ کر فک بھرن چڑھاتے ہیں اور

ہم پر علم کی کمی کا الزام لگاتے ہیں - ہم ان کی خدمت میں بھی وہی

التماس کرتے ہیں، جو برادران وطن کی خدمت میں کر چکے ہیں کہ جس

صورت میں وہ مستعمل ہیں اسی میں رہنے دیں، ان میں تصرف نہ

فرمائیں، اس لئے کہ وہ اردو الفاظ ہیں عربی نہیں ہیں۔ مثالیں ملاحظہ ہوں :

(۲) عربی الفاظ: غش (غشی) مسلمان (مسلم) محافہ (محفظہ) زیاتی

(زیادت) سلامتی (سلامت) ہدیہ (ہدیہ) مغیلان (ام غیلان)

مدارا (مدارات) وغیرہ۔

(۳) عربی الفاظ جو فارسی میں غلط طور پر مروج ہیں :

صم و بکم (اصم و ابکم)، حور (حوراء)، ابدال (بدیل)، فضولی (فضول)،

حضور (حضور)، قرآن (قرآن)، مشاطہ (مشاطہ)، مواسا (مواصات)،

مفاجا (مفاجات) وغیرہ۔

(۴) غیر زبانوں کے الفاظ جو انگریزی میں غلط طور پر برتے جاتے ہیں :

سیپاہی	Sepoy	سیپاہے	خلیفہ	Caliph	کلیف
ترجمان	Dragoman	ترے گو میں	امیر البحر	Admiral	ایڈمرل
تعریف	Tarif	تے رت	مخزن	Magazine	مگزین
فردوس (پردیس)	Paradise	پے - رے - تائز	قطن	Cotton	کاٹن
کاروان	Caravan	کے - رے - ون	شغال	Jackal	جے کال
داس پتی	Despot	دیس - پات	شکر	Sugar	شوگر
منارہ	Minaret	مناریت	عثمان	Ottoman	آٹومن
			قروزی	Grimson	کرمزن

سائیس	Syee	سائیس	مے - تان	Maidan	میدان
چٹ	Chit	چٹھی	چیرول	Cheerool	چیریل

(۵) انگریزی الفاظ جو اردو میں غلط ہوئے جاتے ہیں :

لات، جرنیل، کرنیل، کپتان، لفتین، سارجن، پلٹن، رفل، کانچی ہوز،
 کارتوس، توس، اردای، تپتی، گارد، میم، اجیتن، جنوری، فروری، مارچ،
 اپریل، مئی، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، دسمبر، فراش بین، رس بھری،
 پلٹس، پنسل، پنشن، اسٹیشن، انڈرینس، مڈل، کھیٹی، پتلون، برجس،
 واسکت، کرکت، تواہد، بسکت، کوفین، کوکین، دریس، سائن، بوتل،
 دراز، بگل یا بکل، لال تین، پوتاس، تھیٹر، سندری، پکت، مسکوت، سکٹر،
 کھان افسر —

(۶) غیر ملکی مقامات جن میں ہم تصرف کرتے ہیں : روس، روم، امریکہ، افریقہ،
 لندن، قرطبہ، اشبیلیہ، قبرس، غرناطہ، قسطنطنیہ، ادرنہ، انگورہ،
 درہ دانیال —

(۷) غیر ملکی اشخاص کے نام : جن میں تصرف کیا گیا ہے : ارسطو، افلاطون، فلاطون،
 سکندر، اسکندر، بطلمیوس، قیصر، بقرط، سقراط، جالینوس، طامس،
 فرادریق، طالیس، فیلقوس، پلاطس، مرقس، مریم، متی، وغیرہ —

الفاظ سازی اور ازالہ ثقل کے لئے ”وضع اصطلاحات“ بہترین تصنیف ہے،
 جو اُسنادی حضرت مولانا سلیم مرحوم کی مساعی جھیلہ کے ذریعے عالم وجود
 میں آئی ہے، اس کی تقلید کیجئے، ذوق سلیم خود بخود پیدا ہو جائیگا —

(ج) ہمارے نزدیک اُس شخص کا مذاق قابل پرستش تھا، جس نے انگلینڈ کے لئے
 ’انگلستان‘ تراشا تھا۔ یہ لفظ اس قابل تھا کہ اس کی تقلید کی جاتی
 اور جن ملکوں کے اخیر میں ’لینڈ‘ ہے اُن سب کا ترجمہ ”ستان“ سے کیا جاتا،
 مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس کی تقلید نہ کی گئی اور اس نے

وزن پر اور اور الفاظ نہ بنائے گئے ، خیر اب یہی کچھ نہیں گیا ، اگر ارباب ذوق چاہیں تو یورپ کے اکثر ثقیل الفاظ کو لطیف بنا کر اپنی زبان اور ادب پر احسان کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ اسکاٹ لینڈ کے باشندے 'اسکاچ' کہلاتے ہیں ، اس سے 'اسکاچستان' بنالیں ، اسی طرح 'پولینڈ' کا نام 'پولستان' اور ہالینڈ کا 'ہالستان' رکھ لیں۔ سوئٹزر لینڈ بذات خود جس قدر خوبصورت اور خوش وضع ملک ہے ، نام اسی قدر ثقیل اور بدنام ہے ، اگر اس سے "سوئستان" بنالیا جائے تو کیا مضائقہ ہے ، اس لئے کہ وہاں کے باشندوں اور اُس ملک کی ساختہ چیزوں کو سوئس کہتے ہیں —

اسہائے فکر

اسہائے فکر کے متعلق کچھ زیادہ کد و کاش کی ضرورت نہیں ، لغت کی کتابیں اور الفاظ کی فرہنگیں موجود ہیں ، اکثر الفاظ کا ترجمہ ہو چکا ہے ، جو باقی ہیں ان کے لئے نئے نئے لفظ تراشے جا رہے ہیں ، الفاظ تراشی اور اصطلاح سازوں کے اصول منضبط ہو چکے ہیں۔ ان کی مدد سے ماوشہا سب لوگ اپنی اپنی ضرورت کے مطابق الفاظ تراش سکتے ہیں۔ رستے کے نشیب و فراز دور ہو چکے ہیں ، اب صرف ہمت مردانہ کی ضرورت ہے کہ اس مہوار اور سیدھے رستے میں گام زن ہو اور منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ آج کل مترجم حضرات کا فرض صرف اس قدر ہے کہ کسی مستند لغت کی اوراق گردانی کی تکلیف گوارا فرمائیں اور لفظ کے مقابلے میں لفظ رکھ دیں ، اس سے زیادہ سعی و کوشش کی ضرورت نہیں۔ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ جوہر قابلیت موجود ہو اور جو صاحب تالیف و ترجمہ پر اپنی ہمت صرف فرمائیں وہ افگریزی اور اردو دونوں زبانوں کے ماہر ہوں ، اور فرہنگ و لغات میں سے وہی لفظ انتخاب کریں جو سیاق کے

لحاظ سے سوزوں اور سباق کے اعتبار سے مناسب ہو۔ اگر اس جوہر میں کمی ہو تو لازم ہے کہ یہ حضرات اپنی زبان و قلم کو اُردو کی خدمت سے روک لیں اور کسی اور مفید اور کار آمد شعبے کی طرف توجہ مبذول کریں، جو ان کی شان کے شایان اور ان کے مرتبے کے لائق ہو، ورنہ اُن بزرگوں کی مساعی جہیلہ کا ستیاناس ہو جائیگا جنہوں نے سالہا سال کی کد و کاوش اور مدت العمر کے غور و فکر کے بعد ایسے پاکیزہ اور لطیف الفاظ تراشے ہیں، جیسے شہ پارے، اور اخبار پارے، عادلہ اور مقلندہ، حزنیدہ اور طربیدہ وغیرہ، اس لئے کہ استفادے کا یہ اصول اعظم ہے کہ مستفید اور مستفاد دونوں قریب السطح ہوں، یعنی شاگرد کا دماغ اس حد تک نشو و نما پاچکا ہو کہ وہ استاد کے اسرار و نکات کی گُذہ تک پہنچ سکے اور ان اسرار و معارف کو اپنے اندر جذب کر لے، جو استاد اس کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اگر استاد ہمارے گرم پرواز ہوگا اور شاگرد خردنگ تو نتیجہ جو کچھ نکلے گا وہ ظاہر ہے۔ یہی بات ہے کہ اکثر نو مشق اور خام مذاق بزرگ زادے اُن الفاظ و اصطلاحات کو تھپیک طور پر استعمال بھی نہیں کر سکتے جو بزرگان ادب کی جاناکہ کوششوں کے طفیل ہم تک پہنچے ہیں۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ انگریزی میں ایک لفظ Line ہے، اردو میں اسے لائن بھی کہتے ہیں اور امین ابی بول جاتے ہیں۔

ڈاکٹر فیلن کی دکشنری میں اس کے معنی حسب ذیل ہیں :

(۱) رسی، تور، دھاگہ (۲) لکیر، خط، دھاری، ریکھا، جدول، کشش

(۳) [ریاضی] خط، لکیر، ریکھا (۴) حد، مینڈ

(۵) چھری، شکن، خط و خال، مکھہ ریکھا

Though on his brow were graven lines austere (Byron)

اگرچہ اس کے چہرے پر چھریاں پڑ گئی تھیں۔

(۶) قطار، صف، پنگتی آلی بات، لنگ۔

Unite thy forces and attack their lines

اپنی فوج فراہم کر کے ان کی صف پر حملہ کرو

- (۷) (فن طباعت) سطر - (۸) (رقعہ، پرچہ، ۹) (اصطلاح شاعری) 'صرم' 'سطر' پد
 (۱۰) (تہنگ - طور - طریقہ - راستہ - پیشہ - (۱۱) (فسل - سلسلہ - 'بذساولی' -
 خاندان - گھرانہ) (۱۲) (جغرافیہ) خط ارضی - مثل خط استوا وغیرہ -
 (۱۳) (جریب - (۱۴) (فوجی اصطلاح) پیدل - (۱۵) (نائی - خندق - مورچہ -
 (۱۶) (انچ کا بارہواں حصہ - سوت - (۱۷) (اصطلاح موسیقی) پردہ -
 (۱۸) (ریلوے کی اصطلاح) لوہے کی پٹری - ایک سڑک (۱۹) نقشہ خاکہ
 (۲۰) (مثنیات) سیدھ - درست - (۲۱) تاک - سلسلہ - تہنگ -

تم کیا کام کرتے ہو - What line are you in

صف جنگ Line of Battle

خط حسن، روپ دیکھا Line of beauty

سطر Line of writing

رات دن کی برابر لکیریں Equinoctial lines

خط نصف النہار Meridian line

جنگی جہاز Ships of lines

(نوٹ: خط کشیدہ الفاظ اردو میں مستعمل نہیں ہیں)

ایک معمولی سی دیکھنری میں ایک لفظ کے اس قدر مرادفات موجود

ہیں۔ اب اس امر کا انحصار مترجم کے عام و فضل پر ہے کہ ان میں سے وہی

لفظ انتخاب کرے جو سیاق و سباق کے اعتبار سے بہترین ہو۔ دنیا میں ایسی

کوئی قوت نہیں جو غلط انتخاب کے وقت مترجم کا کام روک لے اور اس کو

صراط مستقیم سے منحرف نہ ہونے دے۔ اگر کوئی شخص 'صف' کی جگہ 'سطر'

منتخب کر لے تو اس کا کیا علاج۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ 'فگریزی

میں ایک فقرہ ہے کہ Milton stands in the front line of poets اور کوئی صاحب کمال اور با مذاق بزرگ اس کا ترجمہ اس طرح فرمائیں کہ ملتن شاعروں کی پہلی سطر میں کہتا ہے، تو اُن کے ذوق و کمال کی نسبت کیا رائے قائم جائے گی؟ حالانکہ اسی قسم کی لغزشیں ہمیں جن پر 'روح تنقید' کے فوہور اور نامور مصنف ناز کرتے ہیں اور اسی قبیل کی فروگزاشتیں ہیں، جن پر آپ فخر و مباہات کی بنیادیں اُٹھاتے ہیں۔

(۲) اس کے بعد ایسے اسماء فکر کا نمبر ہے جن کا ترجمہ اب تک اردو میں نہیں ہوا ہے۔ ایسے الفاظ نے متعلق انجمن ترقی اردو اور جامعہ عثمانیہ کی سرگرم کوششوں سے توقع ہے کہ وہ اس کمی کو جلد از جلد پورا کر دے گی، لیکن جب تک یہ کمی پوری نہ ہو اس وقت تک 'وضع اصطلاحات' بہترین رہبر اور کامل تربی رہنما ہے۔ اس کے اصول کی تقلید کریں اور ذوق سلیم کے موافق الفاظ تراش لیں۔ جب کسی لفظ کا صحیح مفہوم معلوم ہو جاتا ہے تو لفظ تراشی اور اصطلاح سازی کا کام بہت آسان ہو جاتا ہے۔ مشکل صرف اس وقت تک ہوتا ہے جس وقت تک دماغ اس کے صحیح مفہوم سے خالی ہوتا ہے اور چشم و گوہ اس سے آشنا نہیں ہوتے۔ مثلاً دوران مطالعہ میں ایک لفظ (Telepathy) فظو پڑا، پہلے یہ لفظ نہ آنکھوں نے دیکھا تھا، نہ کانوں نے سنا تھا، اس کے مفہوم سے دماغ آشنا ہوتا تو کیوں کر اور معنی معلوم ہوتے تو کیسے؟ بہر کیف دکشوری اُٹھائی، اوراق گردانی کی تکلیف گوارا کی، دماغ پر زور دیا، غور اور توجہ سے مطالعہ کیا، یہاں تک کہ دماغ اس کے صحیح مفہوم کی کنہ تک پہنچ گیا، اسی وقت اس کے لئے مندرجہ ذیل الفاظ تراش لئے :

- (۱) قلبی پیغام رسانی (۲) قلبی خبر رسانی (۳) دماغی پیغام رسانی
- (۴) دماغی خبر رسانی (۵) ذہنی پیغام رسانی (۶) ذہنی خبر رسانی
- (۷) غیبی پیغام رسانی (۸) غیبی خبر رسانی —

اسی طرح پڑھتے پڑھتے ایک اور لفظ [Subjective mind] فطر سے گذرا، یہ پرانا لفظ ہے، بچپن سے پڑھتے چلے آئے ہیں، لفظی معنی معلوم ہیں، مگر اصطلاح کے معنی سمجھنے سے دماغ قاصر ہے، تکشوری دیکھی، پیاس نہ بچھی، احباب و آشنا سے دریافت کیا، تسلی نہ ہوئی۔ مجبوراً اس خاص صنف کی کتابیں شروع کیں، وہاں اس کی تعریف یہ دیکھی کہ (Subjective mind) حصول معلومات کے لئے Objective mind کا مستحاج نہیں ہے۔ اس کے ذرائع معلومات لاتعداد و لانهی ہیں۔ اب کیا نیا، ایک نکتہ ہاتھ آگیا Subjective mind کا ترجمہ 'نفس باطن' اور Objective mind کا 'نفس ظاہر' کر دیا اور کام چلا لیا۔ بالکل یہی کیفیت لفظ Suggestion کی ہوئی، اس کے لئے لفظ تحریک بذالیا۔

جب گردش تقدیر سے حیدرآباد (دکن) جا نا ہوا تو مولانا (سلیم) مرحوم سے ذکر آیا، آپ نے ویسٹر آٹھائی، اشتقاق معلوم کیا اور سابقوں اور لاحقوں کی مدد سے Telepathy کے لئے 'دور پہنچ' دور پہنچنے، دور بیہاری اور بالآخر دور تشخیصی، دور تعلقی فرمایا اور نفس باطن اور نفس ظاہر کی جگہ نفسی شعوری اور نفس زیر شعوری تجویز کئے، اس لئے کہ اس صورت میں انگریزی سے تعلق قائم رہتا ہے اور 'ظاہر و باطن' کی پیروی سے اس میں فرق آجاتا ہے۔ اور اسی اصول پر آپ نے وضع اصطلاحات میں بہت زور دیا ہے۔ ہمارے نزدیک مولانا مرحوم کے 'سبقلاحی' اصول کی تقلید اس وقت ہوئی چاہئے جب روزمرہ کے معمولی اور سیدھے سادے لفظوں سے کام نہ چلے، اور غیر معروف اور نا مانوس لفظ اس وقت برتے جائیں، جب معروف اور مانوس الفاظ نہ ملیں۔ دیرینہ تعلقات اور شب و روز کی صحبتوں کے باوجود بھی 'نزدیکنا' اور 'بعیدنا' کاٹتے کھاتے ہیں۔۔۔

Subjective 'کاموسوی' ، Objective 'کامعروضی' اور Suggestion •

اتقیر

کا اثر آدمی کی ترجمہ کیا ہے۔

اس امر میں سر مو شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ مولانا مرحوم علم کے پتلے اور ادب کے مجسمے تھے۔ ان کا دماغ معلومات کا خزانہ تھا۔ الفاظ تراشی اور اصطلاح سازی میں آپ کو خاص ملکہ تھا۔ اور یہی ملکہ تھا کہ بڑھتے بڑھتے 'مانٹے' کی حد تک پہنچ گیا تھا جس کا نتیجہ 'قریبنا' اور 'اطفانا' جیسے ثقیل اور غیر ضروری الفاظ میں نظر آتا تھا، لیکن اس علم و کمال اس قدر معلومات کے باوجود بھی آپ افسانہ تھے۔ آپ کا دماغ محدود تھا، آپ کا دل محدود تھا، آپ کے قوا محدود تھے، غرض آپ کے قبضہ قدرت میں جو کچھ تھا، وہ سب محدود تھا۔ اندریں حالات ایک شخص واحد سے یہ کیوں کر توقع ہو سکتی ہے کہ دنیا کے تمام علوم و فنون پر اس کا احاطہ ہو۔ جو کچھ ہو، اس کی نظر میں ہو، کوئی بات اس سے پوشیدہ اور کوئی شے اس سے چھپی نہ ہو۔ وہ ہر عام کا مطالعہ بطور خود کرے اور ہر فن کی اصطلاحوں کو سمجھے اور ان کے ایسے الفاظ تراشے۔ یہ تو ناممکن ہے اور سرا سورا ناممکن، نہ آج تک کسی سے ہوسکا ہے نہ کہو ہو سکے گا۔ اس لئے بہترین طریقہ وہی ہے جو مولانا مرحوم نے ایجاد فرمایا ہے۔ یعنی کشموری کھول کے ٹیکہ لیں اور سبقی اصطلاحیں گھڑ لیں۔ لیکن ضرورت تو اس امر کی ہے کہ ہماری قوم میں ایک سلیم نہیں سیکڑوں سلیم ہوں، بلکہ ہر شخص سلیم ہو کہ پہلے بطور خود غور و فکر کی داد ہے، پھر مولانا مرحوم کے اصول سے مدد لے۔

(۳) اس کے بعد ان اسماء نکرہ پر غور کرنا ہے جو اردو میں آچکے ہیں۔ مثلاً: بوت۔ کالر۔ تانڈی۔ استشین۔ اسکول۔ کالج۔ سگریٹ۔ سگار۔ سوتا وغیرہ۔ ان کے متعلق کسی قسم کی کد و کارش کی ضرورت نہیں۔ جس طرح یہ الفاظ اردو میں بولے جاتے ہیں، اسی طرح استعمال ہونے چاہئیں۔ اس حالت میں انہیں اردو کے الفاظ سمجھنا چاہیے غیر نہ سمجھنا چاہیے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ موٹر کے لئے عربی میں سیارہ اور ہوائی

جہاز کے لئے طیارہ وضع کئے گئے ہیں۔ لفظ خرب ہیں مگر اردو میں رائج نہیں ہیں۔ اس لئے موٹر کے استعمال میں مضائقہ نہیں۔ ہوائی جہاز ہمارے گھر کا لفظ ہے، اس کا تو کیا کہنا! ان کو چھوڑنا اور سیارہ اور طیارہ استعمال کرنا اردو کو عربی کا جامہ پہنانا اور اپنی چیز چھوڑ کر اغیار کے آگے ہاتھ پھیلانا ہے۔ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ اس قبیل کے الفاظ میں انگریزی قافظ کی تقلید جائز نہیں، ان کو اسی صورت میں ہرگز لازم ہے جس صورت میں وہ اردو میں آئے ہیں۔

مقام حیرت ہے کہ ایک طرف تو ہمارے انگریزی دان حضرات اس امر کے داندادہ ہیں کہ انگریزی الفاظ کا صحیح تلفظ کم و کاست محفوظ رکھا جائے اور دوسری طرف صراط مستقیم سے اس قدر منحرف ہیں کہ ’رستوران‘ کو ’رستوران‘ بناتے ہیں اور اس طرح اپنی لیاقت و قابلیت کی داد دیتے ہیں۔ اگر یہ بزرگوار ذرا بھی تحقیق و تدقیق سے کام لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ فرانسیسی لفظ ہے، جہاں ’ت‘ کا نام اور ثقل کا نشان نہیں۔ اس لحاظ سے اس کا تلفظ ’رستوران‘ ہونا چاہیے تھا، مگر حرت اخیر بھی سقط الصوت ہے، اس لئے یہ لفظ ’رستوران‘ رہ گیا۔ اسی طرح یہ لفظ عربی، مصری وغیرہ میں لکھا جاتا ہے اور اسی طرح اہل زبان حضرات کی زبان سے سنا گیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ انگریزی میں (ن) اور (ت) کیوں قائم ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ انگریزی میں نہ ’ت‘ ہے نہ ’ن‘ غلط، انگریز کریں کو کیا کریں اور بولیں تو کس طرح بولیں، معیوراً انہیں ’رستوران‘ کہنا پڑا۔

ہمارے گلے سے یہ دونوں آرازیں ادا ہو سکتی ہیں، اس واسطے ہمارے لئے کونسی مجبوری ہے، ہم آسانی سے ’رستوران‘ کہہ سکتے ہیں۔ کیا وجد ہے کہ ہم انگریزی مجبوریوں کی بھی تقلید کریں اور اس پر اپنی طرف سے بھرپور اضافہ بھی فرمائیں۔ اسی طرح انگریزی میں ایک لفظ Seignior آتا ہے، یہ لاطینی

زبان کا لفظ ہے ، اس کا صحیح تلفظ سینیر ہے ، مگر اکثر اخباروں اور رسالوں میں سکندر دیکھا جاتا ہے ، خدا جانے ہمارے فاضل مترجموں اور بے بدل مؤلفوں کو یہ تلفظ کہاں سے معلوم ہو گیا ۔ خرافات یونانی میں (Atlas) کو ہودار دیوتا کا نام ہے ۔ اسی مناسبت سے مجموعہٴ خرافات کو بھی (Atlas) کہنے لگے ہیں ۔ قدمائے عرب اس کو اطلس لکھتے چلے آئے ہیں ، مگر ہمارے عام و فضل نے اس کو بھی اتلس بنا لیا ہے ۔

(۴) اسمائے نکرہ کے متعلق یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ بعض اوقات اسمائے معرفہ ، اسمائے نکرہ کے طور پر برتے جاتے ہیں اور ان سے وہی معنی سراں لگے جاتے ہیں جو اسمائے نکرہ کی ذات میں مضمر ہوتے ہیں ۔ اس صورت میں اسمائے معرفہ نہیں ہوتے بلکہ حقیقت میں اسمائے صفات ہوتے ہیں ۔ مثلاً ملائکہ انگلستان کا ہومر ہے ، یہاں ہومر سے اعلیٰ درجے کا رزم نگار شاعر سراں ہے ۔ یا مولانا حالی مرحوم ہندوستان کے سعدی ہیں ۔ اس میں سعدی کے معنی ہیں ، وہ تمام اوصاف و صفات جن میں مولانا موصوف سعدی سے مشابہ تھے ۔

اس کی دو صورتیں ہیں ۔ صورت اول تو یہ ہے کہ مشبہ بہ اس قدر مشہور و معروف ہو کہ اردو دال حضرات اس سے واقف ہو چکے ہوں اور اپنے زمانہٴ حیات میں جو کچھ اس نے کیا ہے اس سے کم و بیش ہمارے کان آشنا ہوں ۔ ایسے اسمائے معرفہ کو لیٹے اور مشبہ بہ کے طور پر برتنے میں کچھ مضائقہ نہیں ، اگر کم و بیش شرح کردی جائے تو بہتر ہے ، ورنہ کچھ ضرورت نہیں ، جاننے والے جان لیں گے اور پڑھنے والوں کے دل و دماغ پر اس کا وہی اثر مرتب ہو جائے گا جو مترجم اور مؤلف حضرات کرنا چاہتے ہیں ۔ صورت ثانی یہ ہے کہ مشبہ بہ غیر معروف اور فامافوس ہے ۔ نہ ہم اس کی ذات و صفات سے واقف ہیں ، نہ ہمارے کان اس کے کارناموں سے آشنا ہیں ، نہ ہم نے اس کے متعلق

کچھ پڑھا ہے، نہ کسی نے اس کے متعلق کچھ لکھا ہے۔ اس صورت میں شروع اور تفصیل لازم ہے، اس کے بغیر ترجمہ ترجمہ نہ رہے گا، بلکہ مہمل اور بے معنی الفاظ کا گورکھ دھندابن جائے گا۔ مثلاً مولانا حالی ہندوستان کے کار دوشی تھے۔ یہاں کار دوشی محتاج تشریح ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور صورت ہے، وہ یہ ہے کہ بعض اوقات مشبہ بہ بالکل اجنبی اور غیر مانوس ہوتا ہے، اس صورت میں تصرف کی زیادہ ضرورت پیش آتی ہے۔ مثلاً *To out Zola Zola* کے یہ معنی ہونگے، 'زولائیت میں زولا کو مات کر دینا'، زولائیت میں زولا سے سمقت لے جانا، وغیرہ۔ لیکن سرائیہ پیدا ہوتا ہے کہ زولائیت اور زولا کے معنی کیا ہیں، اس لئے ان کی شرح کو فی چاہئے اور ذیلی نوت میں یہ بیان کرنا چاہئے کہ *Zola* (زولا) ایک فرانسیسی ناول نگار ہے جو سنہ ۱۸۴۰ء میں پیدا ہوا تھا، اس ہی یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ جب لکھنے بیٹھتا ہے تو جائز و ناجائز کا خیال نہیں رکھتا، جو چاہتا ہے لکھ جاتا ہے اور جو کچھ دماغ میں آتا ہے، حوالہ قرطاس کر دیتا ہے، اس کو اس امر سے کچھ سروکار نہیں کہ پبلک نے اس دماغ پر اس کا کیا اثر ہوگا اور پڑھنے والے اس سے کیا نتیجہ نکالیں گے۔ یہ واقعات زندگی کو نیتا ہے اور ان کی عرباں اور پوست کندہ تصویر پبلک کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ اس کے نزدیک مہیاں صداقت یہی ہے کہ جو واقعہ پیش آئے، بے کم و کاست بیان کر دیا جائے اور گفتنی اور ناگفتنی باتوں میں کوئی امتیاز نہ کیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے ناول خلل اخلاق اور حیا سوز مضامین کا مجموعہ ہو کر رہ گئے اور وہ مدعا فوت ہو گیا، جس کے لئے یہ مفید اور کار آمد شے عالم وجود میں جلوہ گر ہوئی تھی۔

اس قدر تشریح کرنے سے پڑھنے والوں کو معلوم ہوگا کہ زولا کے معنی ہیں "حیا سوز ناول نگار" اور زولائیت سے مراد ہے "خلل اخلاق تصنیف و تالیف"۔ اب ان کی سمجھ میں اس فقرے کے معنی بھی آجائیں گے کہ فلاں شخص نے زولائیت میں زولا کو مات کر دیا ہے، یعنی فلاں شخص فحش نویسی میں ہڑے سے ہڑے فحش نویس سے ہڑا گیا ہے، یا اس نے

کوکائیت میں کو کا پنڈت کو نیہا دکھا دیا ہے -

Collective Nouns اسمائے مجموعہ

خدا کا شکر ہے کہ آج تک ایسی کوئی لغزش نظر سے نہیں گذری، جو اس باب میں ہمارے مترجم حضرات سے ظہور میں آئی ہو۔ بظاہر اس کا سبب یہ ہے کہ اس باب میں انگریزی اور اردو دونوں ہم آہنگ ہیں، دونوں میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے، یہاں انگریزی کی عامیانه تقلید بھی قبضہ جاتی ہے۔ مگر اسی کی ایک شق ہے جسے Noun of multitude کہتے ہیں۔ اس میں المبتدہ ہمارے مترجموں سے لغزش ہو جاتی ہے۔ مثلاً انگریزی میں لفظ کمیٹی مفرد بھی ہے اور جمع بھی۔ جب مفرد ہے تو Collective اسم مجموعہ کہلاتا ہے اور جب جمع ہے تو Noun of multitude نام پاتا ہے۔ مگر اردو میں یہ لفظ ہمیشہ مفرد بولا جاتا ہے۔ کبھی جمع کے طور پر نہیں برتا جاتا۔ یہی باعث ہے کہ ہماری گریہ میں کوئی اصطلاح ایسی نہیں ہے جو Noun of multitude کا مفہوم ادا کر سکے اور یہی باعث ہے کہ ہم نے اس کا ترجمہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ جب لفظ کمیٹی مفرد ہوتا ہے تو اس طرح برتا جاتا ہے کہ The Committee is sitting یعنی کمیٹی اجلاس کر رہی ہے۔ یا کمیٹی کا اجلاس ہو رہا ہے وغیرہ۔

اور جب جمع ہوتا ہے تو یوں کہتے ہیں: The Committee is divided in their opinion: یعنی ارکان کمیٹی کی رائے میں اختلاف تھا، کمیٹی کے ممبر مختلف الرائے تھے۔ مگر یہ کبھی نہیں کہہ سکتے کہ کمیٹی اپنی رائے میں مختلف تھی، یا پولیس میرے پیچھے بڑگئے ہیں، یا پارلیمنٹ اجلاس کر رہے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ اس صورت میں ہم مجبور ہیں کہ ترجمے میں تصریح سے کام لیں اور لفظ 'ارکان' اپنی طرف سے بڑھائیں۔

اس باب میں کسی مبسوط بحث کی ضرورت نہیں، جو جو اصول اسماء نکرہ کے متعلق عرض کئے گئے ہیں، وہی یہاں بھی قابل اطلاق ہیں۔ ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ الفاظ کو اُردو میں اس انداز سے برتا جائے کہ ان کا وجود ہماری زبان کی نزاکت پر بار نہ ہو اور اس کا ثقل اس حد تک دور کیا جائے کہ خاص اُردو الفاظ معلوم ہوں، مثلاً انگریزی میں ایک لفظ Tin ہے، اُردو میں اسے تین بولنے لگے ہیں۔ اس لئے اسے تین ہی لکھنا چاہئے، تین نہ لکھنا چاہئے۔ اسی طرح Canister (کن - اسٹر) کو اُردو میں اسٹر بنا لیا ہے، اس صورت میں اسے خاص اُردو زبان کا لفظ سمجھنا چاہئے۔

اسماء مادہ کا استعمال زیادہ تر علوم طبیعی، صنعت و حرفت اور تجارت میں ہوتا ہے۔ اس لئے ان علوم و فنون کے متروحم حضرات کا فرض ہے کہ اپنے گوشہ عزالت سے باہر آنے کی تکلیف اٹھائیں، صنعتی کارخانوں اور تجارتی کوٹھیوں میں جائیں اور یہ معلوم کریں کہ ہمارے ہندوستانی صنایع اور مزدور خاص عامی الفاظ کو کس طرح استعمال کرتے ہیں اور ہرے ہرے شافدار لفظوں کو، زمرہ کی سیدھی سادی اور بے تکلف زبان میں کیوں کر برتتے ہیں، ان حضرات کو چاہئے کہ اُن الفاظ کو لیں، اُن میں اپنے مذاق کے موافق کم و بیش تصریح کریں اور اُردو میں بے تکلف بولنے لگیں۔ یہ اُردو زبان کی ساخت اور ترکیب کے لحاظ سے بہترین الفاظ ثابت ہونگے۔

اس باب میں یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ اکثر چھوٹے چھوٹے اور خوبصورت الفاظ انہی صناعتوں، مزدوروں اور تاجروں کے دماغ کا اختراع ہیں۔ اس باب میں ہماری زبان ماہران علوم کی شرمندہ احسان نہیں ہے۔ مثلاً 'فلے فل' کو فلاپس اور 'لین ٹرن' کو لال تین بنانا انہی کے دماغوں کا کام ہے، جو غرور عام سے

عاری ہوں۔ انگریزی میں ایک کپڑے کا نام سیٹن ہے، عام لوگوں نے سائن اور اور دلی والوں نے فرمہ بنا لیا۔ اسی طرح ہزاروں لفظ ہیں کہ بے علم اور ناخواندہ لوگوں نے زبان میں شامل کر دیے ہیں اور اس انداز سے شامل کر دئے ہیں کہ کہیں حریت گیری اور نکتہ چینی کی گنجائش نہیں۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ کام ایسے ہی لوگوں کا ہے جن کے دل و دماغ قیود علمی سے آزاد ہوں، خواہ یہ آزادی جہالت اور فساد کے باعث ہو، یا اس کا راز تبصر علمی میں مضمر ہو۔ یعنی یا تو اسان نوشت و خواند سے بالکل بے بہرہ ہو، یا اس کا علم و کمال اس حد تک ترقی کر گیا ہو، جہاں جہالت اور تعلیم دونوں ایک نقطے پر جمع ہو جاتی ہیں۔ جو لوگ ان دونوں حالتوں کے بین بین نظر آتے ہیں، وہ تعصب اور پاس داری کا شکار ہوتے ہیں، ان سے نہ آج تک کوئی جدت ظہور میں آئی ہے نہ آئندہ آنے کی توقع ہے۔

اس مقام پر یہ عرض کرنا غالباً بے جا نہ ہو گا کہ ہمارے زمانے کے لغت نویس اور فرهنگ نگار حضرات کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ صدھوں، تاجروں، پیشہ وروں اور مزدوروں تک رسائی حاصل کریں اور ان کے پیشوں اور صنعتوں کی جزئیات معلوم کریں۔ اگر یہ علم دوست حضرات یہ تکلیف گوارا فرمائیں گے تو ان کو معلوم ہو گا کہ کسی پیشے میں کوئی جز ایسا نہیں ہے جس کے لئے کوئی نہ کوئی نام موجود نہ ہو۔ مثلاً کسی پڑھنے کے پاس جائیے اور میز، کرسی یا کوار، کڑی کے اجزا دریافت فرمائیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ سینکڑوں الفاظ ہیں جو وہ برتتا ہے اور جن سے روز مرہ کے کاروبار میں مدد لیتا ہے۔ اسی طرح درزی، تھار اور سنار وغیرہ کی دربار داری کیجئے اور نوعمر اور نادار زبان کو سرمایہ دار بنائیے۔ اگر یہ جدوجہد آپ اپنے دوش ہمت پر لینگے اور اصلی و حقیقی معنی میں کد و کاوش کی داد دینگے تو کسی معترض کی یہ مجال نہ ہوگی کہ آپ کی زبان کو بے مایہ اور غیر علمی زبان کہہ سکے۔ امید ہے کہ انجمن ترقی اردو کے

ذی علم اور فرض شناس ارکان اس بارعظیم کو اپنے دوش ہمت پر لینکے زبان اور معہبان
 زبان کو مہزون منت فرمائینگے۔ ہمارے نزدیک اس علم پرور اور اردو نواز انجمن
 کا سب سے زیادہ اہم فرض یہ ہے کہ وہ اردو میں کوئی ایسی کتاب تصنیف
 فرمائے جیسی انگریزی میں H. W. Fowler کی Dictionary of Modern
 English Usage ہے۔

اس لئے کہ یہ کام اس قدر اہم اور مہتمم بالشان ہے کہ کسی شخص واحد
 کی مساعی جہیلہ سے اس کی انجام دہی ممکن نہیں۔ اس کے لئے لازم ہے کہ پرستاران
 اردو میں سے بہترین دل و دماغ اس طوط توجہ فرمائیں اور ہر لفظ اور ہر
 معاورے کی تحقیق و تدقیق میں سعی و کوشش کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ
 کریں اور اس طرح اپنے نوجوان اور نومشقی انشا پر دازوں کی ہدایت و رہنمائی کا
 سامان بہم پہنچائیں۔ اور اس تیرہ و تار رستے میں شمع ہدایت روشن کریں،
 تاکہ علمی اور ادبی کام کرنے والے حضرات اندھیرے میں سر ٹکراتے نہ پھر میں
 بلکہ اس شمع ہدایت کی روشنی میں منزل مقصود تک پہنچ جائیں۔ اگر انجمن مذکور
 کی قوجہ سے کوئی ایسی تصنیف عالم وجود میں آگئی تو ہماری زبان رھتی دنیا
 تک اس کا احسان نہ بھولیں گی، بلکہ قیامت تک اس کی توصیف و ثنائے راگ گائیں گی۔
 مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ انگریزی میں ایک لفظ ہے 'Any'
 بچہ بچہ جانتا ہے کہ اردو میں اس کا مرادف 'کوئی' ہے۔ مگر یہ دونوں لفظ
 ایک دوسرے پر بالکل منطبق نہیں ہوتے۔ بلکہ ایک مقام ایسا بھی آجاتا ہے
 جہاں ان کی حدیں الگ ہو جاتی ہیں، یعنی انگریزی میں لفظ 'Any' واحد اور
 جمع دونوں میں برتا جاسکتا ہے، مگر اردو میں لفظ 'کوئی' صرف واحد کے لئے
 مخصوص ہے جمع میں نہیں آسکتا۔ مثلاً انگریزی میں آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ
 Have you got any books on history آپ کے پاس تاریخ کی 'کوئی' کتابیں ہیں۔ بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ 'کیا آپ کے

پاس تاریخ کی 'کوئی' کتاب ہے 'یا آپ کے پاس تاریخ کی 'کچھ کتابیں ہیں؟'۔
اگر ہمارے نوجوان اردو نواز حضرات کو یہ نکتہ معلوم ہوتا تو ان کے قلم سے یہ
فقہ نہ نکلتا کہ "اس انتخاب میں قدیم طرز کے اشعار میں نے درج نہیں کئے ہیں
اگر کوئی ملیں تو مجھے معاف کیجئے"۔ یہاں ہونا چاہئے "اگر کوئی
ملے تو مجھے معاف کیجئے"۔

اسی طرح قدار اور مستحق میں ایک خاص فرق ہے جو نظر انداز نہ
ہونا چاہئے ہم اپنے والدین کے ترکے کے حق دار اور بزرگان قوم کی ہمدردی کے مستحق ہیں۔
— (۲) ناخواندہ اور عوام الناس کی عملی خدمت کے نہونے —

اگر ہمارے اردو پرور حضرات اپنے کاشانہ عزالت سے نکل کر باہر تشریف
لائینگے اور کسی فوج کی بارکوں میں جانے کی تکلیف گوارا فرمائینگے تو ان کو
معلوم ہو گا کہ معمولی اور ناخواندہ سپاہی Officer Commanding کو کہاں افسر
اور Adjutant کو اجیتن کہتے ہیں، اسی طرح Barrack کو 'بارک' اور
Suppers & Miners کو 'سفرمینا' بولتے ہیں۔ جن بزرگوں کی آنکھیں ہر بی
اور فارسی سے روشن ہیں، ان کو معلوم ہو گا کہ عربی اور فارسی اخباروں میں
'مانورہ' اور 'موزہ' جیسے خوبصورت اور لطیف الفاظ لکھے جاتے ہیں۔
ہمارے نزدیک یہ الفاظ اسی قدر سبک اور خوشگوار ہیں جس قدر Manoeuvre
اور Museum ثقیل اور نگوار ہیں۔

تذکیر و تافیت

اردو میں صرف دو جنسیں ہیں، ایک 'مذکر' دوسری 'مؤنث'۔ ہمارے یہاں
ایسی کوئی جنس نہیں جسے 'مؤنث' کہا جائے اور جس سے مردہ اور بے
جان چیزوں کے اظہار میں مدد لی جائے۔ اس کے نہ ہونے سے اردو میں اس قدر
دقتیں اور دشواریاں پیدا ہو گئی ہیں کہ ان سے صہدہ برا ہونا قوت بشری سے

بالا تر ہے۔ اس باب میں اس قدر اختلاف ہیں کہ انھاد و اتفاق کسی طرح ممکن نہیں۔ ابک لفظ ہے کہ دلی میں مذکر اور لکھنؤ میں مؤنث بولا جاتا ہے۔ دوسرا ہے کہ لکھنؤ میں مذکر اور دلی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے۔ یہ دونوں زبان کے مرکز ہیں، دور افتادہ لوگ حیران ہیں کہ کسی کی تقلید کریں اور کسی نہ کریں۔ ہمارے نزدیک اس باب میں ان دونوں کا فرض ہے کہ وسیع النظری اور کشادہ دلی سے کام لیں اور ایک دوسرے کو حق بہ جانب سمجھیں۔ اس وقت ہندوستان کے طول و عرض میں ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جس کا مذاق مسالہ طور پر قابل تقلید ہو اور جس کے سامنے تمام ادیب اور افشا پرداز حضرات سر تسلیم خم کر دیں اور اس کے اجتہاد سے منعوت نہ ہوں۔ ایسے بزرگوں میں سب سے اخیر مولانا، حالی، مرحوم و مغفور تھے، چنانچہ آپ کا ارادہ بھی تھا کہ اس صنف پر قلم اٹھائیں اور اپنے خیالات حوالہ قرطاس فرمائیں، مگر افسوس ہے کہ عمر نے وفانہ کی، ورنہ خدا جانے اس باب میں کیا کیا نکات و معارف عالم وجود میں جلوہ گر ہوتے، جن کو مرحوم اپنے ساتھ قبر میں لے گئے۔ اندریں حالات، مترجم اور مؤلف حضرات کا فرض ہے کہ وہ حتی الامکان دلی یا لکھنؤ میں سے کسی کی تقلید کریں اور اتنی احتیاط برتیں کہ جن الفاظ کی تذکیر و تانیث متفق علیہ ہے، اُن میں انگریزی کی تقلید کر کے اپنی زبان میں غلطیوں کا اضافہ نہ فرمائیں۔ مثلاً انگریزی میں Ship مؤنث ہے، اردو میں جہاز مذکر ہے۔ اس لئے ترجمے میں انگریزی کی تقلید نہ کرنی چاہئے، بلکہ اردو کی پیروی روا رکھنی چاہئے۔ اس کے متعلق افعال و صفات جس قدر ہیں وہ سب مذکر ہوں، کسی حالت میں بھی مؤنث نہ ہوں۔ بجائے کیفیت لفظ Moon کی ہے کہ انگریزی میں مؤنث اور اردو میں مذکر ہے۔ یہاں بھی اردو کی تقلید لازم ہے۔

جافوروں میں تذکیر و تانیث اصلی ہوتی ہے اور نر کے مقابلے میں مادہ اور

مادہ کے مقابل نہ موجود ہو تا ہے ۔ مگر اردو میں کبھی معض نہ بولا جاتا ہے ، مادہ نہیں بولا جاتا اور کبھی مادہ بولا جاتا ہے نہ حذف کر دیا جاتا ہے ۔ مثلاً چیل-مؤنٹ ہے اور کوا مذکر ؛ چیل اور کوی مستعمل نہیں ہیں ۔ اسی طرح اردو میں ٹومری مؤنٹ ہے مگر انگریزی میں Fox مذکر ہے ؛ ایسے موقع پر اردو کی تقلید کر نی چاہئے خواہ مخواہ اور بے ضرورت لومڑ نہ تراشنا چاہئے ۔

بسا اوقات فصحاء انگلستان مردہ اور بے جان چیزوں سے اس طرح خطاب کرتے ہیں کہ گویا وہ زندہ اور صاحب حیات ہستیاں ہیں ۔ اور اس حالت میں انہیں 'مضت' نہیں رہنے دیتے ۔ بلکہ حسب موقع مذکر یا مؤنٹ بنا لیتے ہیں ۔ مثلاً اے موت ! اے خواب ! یہ انداز بیان بعض اوقات اردو کے خلاف ہوتا ہے ۔ اس حالت میں بھی اردو کی تقلید فرض ہے ، مثلاً انگریزی میں موت مذکر ہے ، اس کے افعال و صفات سب مذکر آئیں گے ، مگر اردو میں موت مؤنٹ ہے ، اس کے متعلقات بھی مؤنٹ ہوں گے ۔ اسی طرح 'خواب' اور اس کے متعلقات مذکر اور 'نیند' اور اس کے متعلقات مؤنٹ ہوں گے ۔

Number (واحد و جمع)

اردو میں دو قسم کی جمعیں مستعمل ہیں (۱) فاعلی اور (۲) غیر فاعلی یا مغیری ۔

(۱) جمع فاعلی وہ ہے جس کے بعد حروف مغیرہ میں سے کوئی حرف نہیں ہوتا ۔
(۲) جمع غیر فاعلی یا جمع مغیری وہ ہے جس کے اخیر میں حروف مغیرہ میں سے کوئی حرف ہوتا ہے ۔

(نوٹ حروف مغیرہ ہیں : میں ، ہے ، تک ، (تلک) پر ، پہ ، کا ، کے کی ، کو ، وغیرہ)

— (جمع فاعلی بنائے کے طریقے) —

جمع فاعلی بنائے سے پہلے (۱) یہ دیکھنا لازم ہے کہ وہ لفظ مذکر ہے یا مؤنث

جس کی جمع بذانی مقصود ہے —

(۲) اگر وہ لفظ مذکر ہے تو یہ دیکھنا فرض ہے کہ اس کے اخیر میں الف ہے کہ نہیں۔

(۱) اگر الف ہے تو ساقط ہو جائے گا اور اس کی جگہ یاے مجهول (ے) کا اضافہ

کر دیا جائے گا۔ مثلاً 'لڑکا'، 'لڑکے'، 'بیٹا'، 'بیٹے' —

(۲) اگر اخیر میں الف نہیں ہے بلکہ کوئی اور حرف ہے تو وہ لفظ اپنی اصلی

صورت پر قائم رہے گا، اس میں کوئی تصرف نہ کیا جائے گا۔ مثلاً: 'گھر'، 'مکان'،

'پتھر'، 'درخت'، 'آلو'، 'صندوق' وغیرہ وغیرہ۔

نوٹ: اس قبیل کے الفاظ واحد اور جمع میں یکساں رہتے ہیں، 'اُن' میں

کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہی باعث ہے کہ ان میں کم و بیش ابہام ضرور ہوتا ہے۔

مگر یہ ابہام صرف الفاظ تک محدود رہتا ہے، فقرات میں باقی نہیں رہتا۔ اس میں

کچھ شک نہیں کہ 'مکان' کے لفظ سے بادی الفظ میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ واحد ہے یا

جمع، مگر اسی کوفقرے میں استعمال کیجئے پھر دیکھیے کہ ابہام باقی رہتا ہے کہ

نہیں۔ مثلاً 'مکان بنا'، اس فقرے میں 'مکان' واحد ہے۔ اور 'مکان بنے' اس

میں جمع، اس ابہام کا ازالہ کبھی افعال و صفات کے ذریعے ہوتا ہے اور کبھی

اعداد و ضمائر کے ذریعے۔ مثلاً ایک مکان واحد ہے، دو مکان جمع؛ اچھا گھر

واحد اور اچھے مکان جمع، آپ کا مکان واحد اور آپ کے مکان جمع —

اس باب میں ہمارے نو مشق اور خام مذاق حضرات عربی اور فارسی کی

کورانہ تقلید کیا کرتے ہیں اور انہوں کی جمع 'ان'، 'یا'، 'ین' سے لاتے ہیں۔

مثلاً آپ فرماتے ہیں: انتظامیہ کمیٹی کے دس ممبران موجود تھے، یا قدیم مورخین،

لکھتے ہیں۔ یہاں جمع کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ہم آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ

انتظامیہ کمیٹی کے دس ممبر موجود تھے، اور قدیم مورخ لکھتے ہیں —

ہمارے نزدیک اب وقت آ گیا ہے کہ اس قسم کی ترکیبوں کے خلاف صدارت احتجاج بلند کی جائے اور اردو کو اس انہاز کے فضول اور غیر ضروری تصرف سے آزاد کیا جائے۔ ایک دفعہ ایک نو عمر صاحبزادے نے ایک فقرہ لکھا کہ استعین پر پندہ 'صنادیق' پڑے تھے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ 'صنادیق' کی کیا ضرورت ہے کیا 'صندوق' کافی نہیں ہے۔ فرماتے لگے کہ انگریزی میں Boxes جمع ہے 'اس کے مقابلے میں اردو میں بھی 'صنادیق' چاہیے ' صندوق نہ چاہیے اس لئے کہ جمع کے مقابلے میں واحد لانا دیانت اور امانت کا منہ کالا کرنا ہے؛ (ب) اگر وہ لفظ مؤنث ہے (جس کی جمع بنانی مقصود ہے) تو (ا) یہ دیکھنا لازم ہے کہ اس کے اخیر میں یاے معروف (ی) ہے کہ نہیں، اگر (ی) ہے تو جمع 'ان' سے بنیگی مثلاً بیٹی سے بیٹیاں، لڑکی سے لڑکیاں۔

اس صنف میں بھی قدرے حزم و احتیاط کی ضرورت ہے۔ بعض حضرات ایسے الفاظ کی جمع اکثر 'یں' سے آرا جاتے ہیں۔ مثلاً (۱) کر۔ییں لاؤ، اور 'جو تھیں' پنہو۔

اس مقام پر یہ کہنا بیجا نہ ہو گا کہ بعض الفاظ ایسے ہیں کہ صورت میں مؤنث اور حقیقت میں مذکر ہیں۔ یعنی ان کے اخیر میں یاے معروف موجود ہے مگر وہ مؤنث نہیں ہیں مذکر ہیں۔ مثلاً موتی، پانی، گھی، دھڑی، ہاتھی، جی، منشی، آدمی، قاضی وغیرہ وغیرہ۔ ان الفاظ کی جمع (اُن) نہ آئی چاہیے۔ بلکہ جمع کی صورت میں بھی ان کو ان کی اصلی حالت پر چھوڑ دینا چاہیے۔ مثلاً ہاتھی آیا، ہاتھی آئے وغیرہ۔ موتی کی جگہ 'موتیاں' لکھنا سرا سر غلط ہے۔

(۳) اگر اُس لفظ کے اخیر میں 'ی' نہیں ہے (جس کی جمع بنانی مقصود ہے) تو 'یں' کا اضافہ کیا جائے گا۔ مثلاً میز کی جمع میزیں اور عورت کی جمع 'عورتیں' ہوگی۔

جمع غیر فاعلی

جمع کی دوسری صورت جمع غیر فاعلی یا جمع مفعولی ہے۔ اس کی علامت ہمیشہ (وں) ہوتی ہے۔ مثلاً گھر کی جمع 'گھروں' مکان کی 'مکانوں' دکان کی 'دکانوں' لڑکی کی 'لڑکیوں' اور میز کی میزوں آئے گی۔ اتنی بات ضرور ہے کہ جب واحد مذکور کے اخیر میں الف ہو گا تو گر جائے گا۔ مثلاً 'اڑکا' سے 'اڑکوں' بیٹیاں سے 'بیٹیوں' وغیرہ۔

اس قسم کے الفاظ کی جمع اکثر 'حضرات'، 'ان' سے لاتے ہیں، مثلاً آپ فرماتے ہیں کہ یہ مقدمہ تین 'جہان' کے اجلاس میں پیش ہو گا۔ ہمارے نزدیک وہ بزرگ بھی حق بہ جانب نہیں ہیں جو 'وں' کی جگہ 'یں' سے جمع مفعول بنا جاتے ہیں۔ مثلاً مورخین نے لکھا ہے اور مدبرین کا قول ہے۔ اگر مورخین اور مدبرین کی جگہ مورخوں اور مدبروں کہا جائے تو زیادہ واضح اور زیادہ فصیح ہو گا۔ ہمارے نزدیک یہ امر نہایت اہم اور ضروری ہے کہ جمع بنانے کے عربی اور فارسی انداز صرف عربی اور فارسی ترکیبوں تک محدود رکھے جائیں۔ خالص اردو ترکیبوں میں نہ برتے جائیں۔ مثلاً شاعرانہ انداز اور شعرائے فارس نہایت عمدہ ترکیبیں ہیں۔ مگر ہندوستان کے شاعرانہ اور فارس کے شعراء ثقیل اور ناکوار ہیں۔

ان کے علاوہ جمع بنانے کے اور بھی اکثر قاعدے ہیں کہ عربی میں رائج ہیں مگر ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ اس لئے نظر انداز کئے جاتے ہیں۔ لیکن مترجم اور مؤلف حضرات سے اس قدر انتباہ کی جاتی ہے کہ یہ دیکھ لیں کہ عربی کی جو جمع اردو میں استعمال کرنی مقصود ہے، وہ اردو میں رائج ہے کہ نہیں۔ اگر رائج ہے تو اس کے استعمال میں کچھ مضائقہ نہیں، اگر رائج نہیں تو یہ دیکھنا فرض ہے کہ وہ اردو میں رائج ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے

کہ نہیں۔ اگر اس کی ذات میں یہ صلاحیت مضمر پائیں تو بے تکلف لے آئیں ورنہ پڑھیز فرمائیں۔ مثلاً تام کی جمع 'تیجان' اور زار کی جمع 'نیران' ہے۔ مگر یہ نہ اردو میں آئی ہیں نہ آنے کی صلاحیت رکھتی ہیں، ان سے حدز لازم ہے۔

انگریزی میں اکثر الفاظ ہیں کہ جمع میں ہوتے جاتے ہیں لیکن اردو میں ان کے مرادفات الفاظ واحد کے طور پر مستعمل ہیں، اس صورت میں بھی اردو کی پابندی لازم ہے، انگریزی کی تقلید ضروری نہیں ہے۔ مثلاً Siessors جمع ہے اور قینچی واحد، اسی طرح Trousers جمع ہے اور پاجامہ واحد۔

بعض اوقات انگریزی الفاظ واحد اور جمع مختلف معنوں میں استعمال ہوتے ہیں، یعنی کسی لفظ کے واحد میں جو معنی ہوتے ہیں وہ جمع میں باقی نہیں رہتے بلکہ اس سے بالکل مختلف ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں مترجم حضرات کا فرض ہے کہ سیاق و سباق سے بصیرت حاصل کریں اور جمع کے وہی معنی لیں جو انگریزی میں لگتے جاتے ہیں۔ واحد پر قیاس کر کے سہو و خطا کا ارتکاب نہ فرمائیں۔ مثلاً Good کے معنی ہیں: اچھا اور عمدہ وغیرہ۔ مگر Goods میں کہیں عہدگی کا شائبہ تک نہیں، اس کے معنی ہیں: مال و اسباب۔ اسی طرح Return کے معنی ہیں: 'واپسی' اور Returns کے معنی: اعداد و شمار۔ اس لئے Returning Officer کا ترجمہ ہونا چاہیے: افسر انتخاب۔ مگر ہمارے اخباری مترجم حضرات کرتے ہیں: افسر واپسی۔

مزید الفاظ کی فہرست

واحد		جمع
Advice	" نصیحت	Advices " اطلاع
Force	" قوت	Forces " فوج
Vapour	" بخار	Vapours " خلل دماغ

Vesper	"	شام	Vespers	"	مناجات شام
Arm	"	بازو	Arms	"	اسلحہ

اس سے زیادہ حزم و احتیاط کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے، جہاں واحد کے صرت ایک معنی ہوتے ہیں اور جمع کے ایک سے زیادہ۔ ان میں سے پہلے معنی واحد سے مشتق ہوتے ہیں، مگر دوسرے مشتق نہیں ہوتے۔ فہرست ملاحظہ ہو :

واحد	معنی	جمع	معنی قریب
Effect	اثر	Effects	(۱) اثرات (۲) اثر قہ
Pain	تکلیف	Pains	(۱) تکلیف (۲) مصائب یعنی حزم و احتیاط
Custom	رسم و رواج	Customs	(۱) رسم و رواج (۲) محصول درآمد
Number	عدد	Numbers	(۱) اعداد (۲) نظم
Part	حصہ	Parts	(۱) حصے (۲) قابلیت
Manner	طریقہ	Manners	(۱) طریقے (۲) اوضاع و اطوار
Premise	قضیہ	Premises	(۱) قصایا قصے (۲) عمارات
Spectacle	نظارہ	Spectacles	(۱) نظارے (۲) چشمہ، عینک

بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جن کے معنی واحد میں بھی ایک سے زیادہ ہوتے ہیں اور جمع میں بھی - مثلاً :

1. Letter (۱) حرف (۲) خط Letters (۳) ادب
2. Ground (۱) زمین (۲) سبب Grounds (۳) تلچھٹ

انگریزی میں بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جن کے واحد میں دو معنی ہوتے

ہیں مگر جمع میں صرت ایک رہ جاتے ہیں، مثلاً واحد میں Horse کے معنی ہیں

(۱) گھوڑا (۲) سوار - جمع میں سوار گر جاتے ہیں، گھوڑے رہ جاتے ہیں -

فہرست ملاحظہ ہو :

واحد

جمع

1. Horse	(۱) گھوڑا	(۲) رحالہ	Horses	(۱) گھوڑے
2. Foot	پاؤں (۱)	(۲) بیدل فوج	Feet	(۱) پاؤں
3. Practice	مشق (۱)	۶ 'کلم' ہمیشہ	Practices	(۱) مشقیں
4. People	قوم (۱)	لوگ (۲)	Peoples	(۱) اقوام - قومیں
5. Powder	سفر (۱)	بارود (۲)	Powders	(۱) سفوت
6. Light	روشنی (۱)	چراغ (۲)	Lights	(۱) چراغ
7. Wood	لکڑی (۱)	جنگل (۲)	Woods	(۱) جنگل

نوٹ! لفظ Compass کے واحد میں دو معنی ہیں (۱) حلقہ (۲) قطب نما

اور جمع میں صرف ایک یعنی پر کار۔ انگریزی میں بعض الفاظ صورتاً جمع ہوتے ہیں مگر معنیاً واحد۔ ایسے الفاظ میں معنی کی تقلید لازم ہوتی ہے، صورت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ مثلاً Summons کا ترجمہ سہن یا طلبی نامہ ہونا چاہئے۔ یہی حال Riches اور Alms کا ہے۔ ان کا ترجمہ دولت اور خیرات ہونا چاہئے اسی قبیل کا ایک لفظ ہے 'Eaves' اس کا ترجمہ انگریزی انداز بیان کا متحمل ہو سکتا ہے، اس لئے اس کا ترجمہ 'اولتھیاں' کرنا معاویہ اور روز مرہ کے خلاف نہ ہو گا۔

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے، اس کا تعلق بعض لفظوں بلکہ چند اسموں سے ہے۔ اگر کوئی صاحب ذوق و فرصت بزرگ اس طرف توجہ فرمائیں تو دیگر اصناف کلام پر بھی اسی طرح نظر ڈال سکتے ہیں۔ اور اپنے الوالعزم زوجانوں کی رہنمائی کے لئے شمع ہدایت روشن کر سکتے ہیں۔ ہم تو صرف نعو کے متعلق ایک اصول بیان کر کے اس کو ختم کرتے ہیں۔

انتہی بات ہر تعلیم یافتہ شخص جانتا ہے کہ انگریزی انداز بیان کی دو صورتیں ہیں۔ ایک Direct اور دوسری Indirect مگر ہمارے اکثر تعلیم یافتہ

حضرات اس نکتے سے بے خبر ہیں کہ اردو میں صرف ایک انداز بیان ہے اور وہ Direct ہے Indirect کا کہیں نام نہیں۔ اس لئے مترجم اور مؤلف حضرات سے درخواست کی جاتی ہے کہ جب کہیں Indirect انداز بیان پائیں اس کا لفظ بہ لفظ ترجمہ نہ فرمائیں بلکہ پہلے اس میں تبدیلی کر لیں پھر کام آتوائیں۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:

Indirect	Direct	ترجمہ
Akber says that he is ill	Akber says " I am ill".	اکبر کہتا ہے کہ میں بیمار ہوں
Akber said that he was ill	Akber said " I am ill "	اکبر نے کہا کہ میں بیمار ہوں
Hamid told me that I was ill.	Hamid said to me "I am ill"	حامد نے مجھ سے کہا کہ میں بیمار ہوں
Hamid said that he was ill	Hamid said " I am ill "	حامد نے کہا کہ میں بیمار ہوں۔
Hamid told him that he (zahid) was ill.	Hamid said to him (zahid) " you are ill"	حامد نے زاہد سے کہا کہ تم بیمار ہو۔
Hamid told me that I was ill.	Hamid said to me "you are ill"	حامد نے مجھ سے کہا کہ تم بیمار ہو
Abid said that he did not know that man.	Abid said "I do not know this man"	عابد نے کہا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا
Abid said that there was no need to go just then	Abid said " There is no need to go just now"	عابد نے کہا کہ ابھی جانے کی ضرورت نہیں ہے
Abid said that this book was his.	Abid said "This book is mine".	عابد نے کہا کہ یہ کتاب میری ہے۔
Abid asked me why I did not go home	Abid asked me why do you not go home"	عابد نے مجھ سے پوچھا کہ تم گھر کیوں نہیں گئے
Abid asked him whether the mangoes were ripe	Abid said to him "are the mangoes ripe"	عابد نے اس سے پوچھا کہ آم پکے ہیں (کہ نہیں)
The master demanded of the boys what they meant by such conduct"	The master said to the boys "what do you mean by such conduct"	ماسٹر نے لڑکوں سے پوچھا کہ اس روپے تمہارا مدعا کیا ہے۔
He enquired of him where he was going	He said to him " where are you going"	اس نے اس سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو
He told him not to talk nonsense.	He said to him " Do not talk nonsense".	اس نے اس سے کہا کہ بیہودہ نہ بکو۔

Indirect

Direct

ترجمہ

He requested me to lend him my pen } He said to me " Lend your pen please " } اس نے مجھ سے کہا کہ لکھنے کی پین سے ذرا اپنا قلم دیدیجئے

He cried out what a disaster it was } He said " Good heavens! what a disaster " } اس نے کہا تو بے کیا مصیبت ہے۔

Struck with awe he cried out what a disaster it was } " " " " " " " " " " " "

He exclaimed that he wished he could see them } He said "O that I could see them" } اس نے کہا کہ کاش میں ان کو دیکھ سکتا

The captive prayed that Heaven might hear his cry } The captive said " May Heaven hear my cry " } قیدی نے کہا کہ کاش خدا میری فریاد سن لے

The captive prayed Heaven to hear his cry. } " " " " " " " " " " " "

حافظ عبدالرحمن خان 'احسان'

صہمام الدولہ شہامت جنگ دہلوی

[تاریخ پیدائش : سنہ ۱۱۸۳ ہجری | تاریخ انتقال : سنہ ۱۲۶۷ ہجری]

از

(جناب مرزا فرحت الدہ بھگ صاحب بی - اے دہلوی)

بیس یا بائیس برس ہوئے جب شیکسپیئر کی کسی کتاب میں پڑھا تھا :

for affection

Master of passion; sways it to the mood,

Of what it likes or loathes.

یعنی ”جذبات انسانی وجہان طبیعت کے تابع ہیں - طبیعت اپنے حسب
دلخواہ ان جذبات کو نفرت یا رغبت جدر چاہے پھیر دیتی ہے۔“ - ”اس
مقولے کا عہلی ثبوت حافظ عبدالرحمن خان 'احسان' کے حالات لکھنے میں مجھے
اچھی طرح مل گیا - مدتوں سے ان کے دیوان دیکھنے کا شوق تھا - ذوق سے پہلے
یہی لال قلعہ میں استاد تھے اور استاد بنے کیسے کہ جگت استاد - بدشاہ ان کے شاگرد،
ولی عہد ان کے شاگرد، سارے شہزادے اور سلاطین زادے ان کے شاگرد - شاہ نصیر
سے ان کے مقابلے ہوئے، ذوق سے ان کے مقابلے ہوئے، لیکن یہ ایک سے بھی نہ دیے -
مرتے دم تک اسی دم خم سے مقابلے پر تھے رہے - خیر سنئے، مجھے ان کے دیوان کی
تلاش تھی - دیوان کہیاب کیا نایاب ہے - لالہ سریرام صاحب دہلوی کے پاس ایک
فسخہ تھا - اس تک پہنچ مشکل تھی - تھوڑے تھوڑے معلوم ہوا کہ ایک

قلعی دیوان نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانے میں ہے۔ کسی نہ کسی طرح وہاں پہنچا۔ دیوان مانگا۔ یہ کسی کو کوئی قلعی کتاب نہیں دیتے اور دینی بھی نہ چاہئے۔ کیونکہ ان کے ہاں کی ہزاروں کتابیں نصیب دشمنان ہو چکی ہیں۔ خدا معلوم مجھ پر کیا عنایت تھی کہ مانگتے ہی دیوان دے دیا۔ گھر پر لایا۔ نقل کر والی۔ مگر بجائے بڑھنے کے جوہں ٹھاندا ہو کر رہ گیا۔ ہر قسم کے صنائع لفظی اور خاص کو رعایت لفظی سے مجھے کچھ لہی بغض ہے۔ ان کا سارے کا سارا دیوان اسی سے بھرا پڑا ہے۔ نقل تو کر لی مگر دل چھوٹ گیا۔ یہ نقل یوں ہی ایک سال تک پڑی رہی۔ اب ایک دفعہ ہی خیال آیا کہ جب نقل کرنے کی محنت اٹھائی ہے تو لاؤ اس پر ایک مضمون ہی لکھ دو۔ مضمون کی چھتیاں ہیں۔ لکینے بیٹھے گیا ہوں۔ اگر خدا نے پورا کر دیا تو شاید چھپ جائے۔ نہیں تو جہاں دیوان کی نقل کھتے میں پڑی ہے وہیں یہ ادھورا مضمون بھی پڑا رہے گا۔

حالات لکھنے سے پہلے میں ان دیوانوں کا کچھ ذکر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں جن کو میں نے خود دیکھا ہے یا جن کا 'احسان' کے حالات کی تلاش میں مجھے پتہ چلا ہے۔ ایک نسخہ تو وہ ہے جو نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانے میں ہے اور دوسرا نسخہ 'احسان' کے نواسے آغا حیدر حسن پروفیسر اردو نظام کالج حیدرآباد کے پاس ہے۔ یہ دونوں نسخے تو میرے دیکھے ہوئے اور اچھی طرح دیکھے ہوئے ہیں۔ تیسرا نسخہ لالہ سریرام صاحب دہلوی کے پاس اور چوتھا لندن کے انڈیا آفس کے کتب خانہ میں ہے۔ تیسرے نسخے کا حال خاندانہ جاوید میں لالہ صاحب نے لکھا ہے اور چوتھے نسخے کا ذکر جیمس فار بلوم ہارٹ نے اپنی فہرست کتب لندن میں کیا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ شہزادہ معزالدین 'ثابت' نے جو دیوان مرتب کیا تھا یا تو وہی نواب سالار جنگ بہادر کے ہاں ہے یا اس کی نقل ہے۔ کیونکہ جو دیباچہ ثابت نے دیوان کے شروع میں لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب عالم نے صرف انہی غزلوں کو ایک جگہ جمع کیا تھا جو ان کی فرمائشی تھیں یا جو 'احسان' نے

مشاعروں میں پڑھی توہی اور اس طرح اس دیوان کی شکل کلیات کی نہ تھی بلکہ یہ صرف غزلوں کا مجموعہ تھا۔ نواب سالار جنگ بہادر کے ہاں جو دیوان ہے، اس میں صرف غزائیں ہی غزائیں ہیں۔ دیوان کی ظاہری حالت بتا رہی ہے کہ کسی شاہی کتب خانے کا ہے۔ نہایت نفیس کشمیری کاغذ ہے، کل ۱۰۱ ورق ہیں اور ہر صفحے میں ۱۱ سطریں۔ صفحوں پر سنہری اور شنگرفی جدول ہے۔ خط نستعلیق ہے، پختہ ضرور ہے مگر کچھ زیادہ خوب صورت نہیں۔ البتہ غلطیاں بہت کم ہیں۔ قلم اوسط درجے کا ہے۔ نہ بہت موٹا نہ بہت باریک۔ اگر کسی سطر میں کوئی مصرع پورا نہیں آیا ہے تو بقیہ حصہ حاشیے پر لکھ دیا ہے۔ کات چندان بالکل نہیں ہے ورق کے نمبر قطعہ کے لئے ”ق“ اور تخصیص سرخی سے دیے ہیں۔ بہر حال خط ایسا ہے کہ پڑھنے میں دشواری نہیں ہوتی۔ البتہ بعض جگہ لفظوں کو ملا کر لکھنے کی وجہ سے ذرا نکالنے میں دقت ہوتی ہے۔ یہ دیوان ”احسان“ کی زندگی میں مرتب ہوا تھا۔ اس لئے ہر ردیف کے بعد خالی صفحہ چھوڑ دیے گئے ہیں تاکہ اگر کوئی اور غزل مل جائے تو بڑھانے میں دقت نہ ہو۔

بقیہ جو تین نسخے ہیں وہ دیوان نہیں کلیات ہیں۔ ان میں اردو غزلوں کے علاوہ فارسی غزلیں بھی ہیں، تاریخیں ہیں، قصیدے ہیں، مضمون ہیں، مسدس ہیں، مثنویاں ہیں، قطعے ہیں، ہجو ہیں، غرض سب کچھ ہے۔ آغا حیدر حسن صاحب والے کلیات میں شروع کے پہلے کچھ صفحے غائب ہیں، باقی ساری کتب مکمل ہے۔ یہ نسخہ بڑی تقطیع پر ہے اور اس کے ۲۳، ۲۳ سطروں کے ۱۰۲ ورق ہیں۔ اس کا خط بھی معمولی ہے اور کاغذ بھی معمولی، مگر صحت کا بہت خیال رکھا گیا ہے۔ ہر غزل وغیرہ کے شروع میں اس کی بحر سرخی سے دی ہے۔ اس مضمون کی ترتیب میں مجھے اس نسخے سے بہت مدد ملی۔

آغا صاحب نے بڑی خوشی سے مجھے یہ نسخہ دیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ جب تک چاہو اپنے پاس رکھو۔ اس کے علاوہ ”احسان“ کے حالات زیادہ تر مجھے ان

ہی سے معلوم ہوئے۔ ان کے ہستے جاکر دیکھو بالکل عہر و عیار کی زنجیل یا مداری کا تھیلا معلوم ہوتے ہیں۔ جو چیز مانگو انہی بستانوں میں سے نکل آتی ہے۔ آغا صاحب نے اپنے نانا نواب احمد حسن خاں سے پوچھ پوچھ کر 'احسان' کے حالات لکھ لئے ہیں۔ وہ کاغذات بھی انہوں نے مجھے دیئے اور کیوں نہ دیتے، مفت میں ان کے پڑ نانا کا حال ایک بھلا مانس لکھ رہا تھا۔ خیر میں ان کا شکریہ ادا کروں، یہ میرا ادا کریں۔ اور آپ سب پڑھنے والے ان کا اور میرا دونوں کا شکریہ ادا کریں۔ چلو عوض معاوض گلہ ندارد —

میرا جہاں تک خیال ہے، اسی کلیات کی ایک نقل لالہ سریرام صاحب کے پاس ہے اور دوسری لندن میں۔ کیوں کہ لالہ صاحب نے جو حال کلیات 'احسان' کے متعلق خفیانہ جاوید میں اور جیمس فلربلوم ہارت نے اپنی فہرست کتب میں دیا ہے، وہ حرت بحرت آغا صاحب والے نسخے سے ملتا ہے۔ لندن والے نسخے کی تاریخ تحریر یکم جمادی الثانی ۱۲۵۷ ہجری ہے۔ لالہ صاحب نے اپنے نسخے کی تاریخ درج نہیں کی اور آغا صاحب والے نسخے میں یہ حصہ جھینگڑ چات کئے ہیں۔ لیکن حالات کے لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ دونوں نسخے بھی اسی تاریخ یا اس کے زمانہ قریب میں مرتب ہوئے ہیں۔ جیمس فلربلوم ہارت نے لکھا ہے کہ لندن والے دیوان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں ایک قصیدہ کسی دوسرے شخص کا بھی ہے۔ لیکن تخلص چھوٹ گیا ہے، اس لئے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ قصیدہ کس کا ہے۔ آغا صاحب والے دیوان سے یہ چیستان حل ہو جاتی ہے —

اس قصیدے کا ابتدائی حصہ نقل کئے دیتا ہوں —

مسند منقبت حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ

وسلم شاگرد مصنف دیوان ہذا محمد قادر بخش 'موزوں' —

السلام اے پیشواے اولین و آخرین السلام اے بادشاہ اتقیا و مرسلین

الصلوة والسلام اے ہادی راہ یقین تم کو کہتے ہیں یہی سب حاصل عرش بریں

الصلاة والسلام يا شفيع المذنبين

الصلاة والسلام اے رحمۃ للعالمین

یہ مرزا قادر بخش 'موزوں' دہلی کے سلاطین زادے اور مرزا قادر بخش 'صابر' کے سالے تھے۔ 'احسان' کے شاگرد تھے اور اُستاد کی ان کے حال پر خاص نظر تھی۔ ان واقعات کو میں اُنندہ درج کرونگا۔ یہاں صرف یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح مرزا معزالدین 'ثابت' نے اُستاد کا دیوان مرتب کیا، اسی طرح مرزا قادر بخش 'موزوں' نے ان کا کلیات ترتیب دیا۔ ورنہ اس قصیدے کو اس کلیات میں آنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ چونکہ اُستاد کا حال دیباچے کی شکل میں مرزا معزالدین 'ثابت' لکھ چکے تھے اس لئے 'موزوں' نے یہ دیباچہ بھی اس کلیات میں شریک کر دیا (والہ اعلم بالصواب) اور آخر میں 'ولو اسام علی المبتلاص بد' مقتول کی تقریظ لگا دی۔

'ثابت' کا مرتب کیا ہوا جو دیوان ہے، اس میں عزلیں اس حید سے شروع ہوتی ہیں:

یددو جو بحر ہیں ییاں کون فاخدا میرا خدا ہی دونوں جہاں ہیں ہے فاخدا میرا
لالہ سریرام صاحب والے نسخے کا حال معلوم نہیں۔ اغا صاحب والے نسخے کے پہلے چند صفحے غائب ہیں۔ البتہ لندن والے نسخے میں اس حید سے پہلے تین شعر اور دیے ہیں۔

یہی وظیفۂ مجنون دشت (بدشت؟) عشق رہا فدا ہوں اس یہ کہ اسری بعبدہ لہلا
گرا جوشام کو دست فلک سے سافر بہر (سے؟) نشے میں عشق کے ہے چور گنبد میفا
جبہن عرش معلیٰ ہے سجده ساز (گا؟) نہاں اس آستان پہ سبحان ربی الاعلیٰ
تینوں نسخوں کے شروع میں شہزادہ معزالدین 'ثابت' کا لکھا ہوا دیباچہ ہے۔ جس میں پہلے لوگوں کی طرح صرف لفاظی ہی نہیں کی بلکہ اُستاد 'احسان' کا بہت کچھ حال بھی لکھا ہے۔ دیباچے کی زبان فارسی ہے، مگر ایسی فارسی ہے کہ

اس کو ایرانی شاہ فارس کہنے میں تامل کریں۔ کیا اچھا ہوتا کہ صاحب عالم یہ دیباچہ اُردو میں لکھ دیتے۔ کم سے کم یہ تو فائدہ ہوتا کہ مجھے ترجمہ کرنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑتی۔ خیر۔ جب پڑی ہے تو اُٹھائیں گے۔ لیجئے دیباچہ ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں :

* (دیباچے کا ترجمہ) اس رحمن کا احسان ہے جس نے ہر ایک عید و من کو اپنی رحمت خاص سے ایمان کی دولت عطا فرمائی اور زبان کو جو صرف ایک کوشش کا کثرت ہو، نئی کی موت دیکر سخن سلجھ لایا۔ مصراع: ”حکیمے سخن بر زبان آفرین۔“ اپنی قدرت کاملہ سے دونوں عالم دی ہستی کی بنیاد ڈھو۔ در شعاعی زبان کی شہینہ کو شہد کے ساتھ ملایا۔ دونوں جہان کی ابتدا کا مطلع، انتہا کا مقطع اور وسعت کا قصیدہ اس کی صنعت مختصر ہے۔

انسان کی پندرہویں انگلیوں کا خمیس، آنکھ اور کان کی دینے، انصاف کے قطعات اور کل مخلوقات (یعنی جن وانس) کی مثالوں اس سے منسوب ہے۔۔

اے سائنہ تو پھر ما احسان تو ہست بر سرما
رحمے کہ زہ ہوں نباشم از حکم تو گہ ہوں نباشم
ثابت حمدت چہ ساردا انشا ہستی تو معز دین و دنیا
صد شکر کہ ذات مصطفیٰ را آن سرور چہ انبیا را
یہ تمبر ما بدارا نمودی رحمے بر عا صیاں نمودی

ایسا پھمبہر جس نے ہم عاصیوں کو شفاعت کا مؤدہ سنایا اور اپنی عنایت کا دستِ خوان ہر طرف بچھایا، شفیع، مطاع، نبی، کریم۔۔
ایسا صادق کہ جناب فیض مآب حضرت صدیق کو یہ قرار بنایا۔ ایسا عادل کہ حضرت عمر کو ایک مدت تک اپنی تربیت سے نوازا۔ ایسا جامع کہ حالات کے حضرت عثمان کی ذات بابرکات کو جامع قرار آن کہا۔ ایسا امہر کہ امیر المؤمنین حضرت علی کو ولی کا رتبہ بخشا۔۔

ایسا محسن کہ اس کے طفیل سے حضرت حسنین کے اہل رحمت کا سایہ ہمارے سروں پر ہے، ایسا قادر کہ اس کی عنایت سے شیخ الارض و السموات شہخ عبدالقادر جیلانی (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

احسان آن رحمن کہ ہر یک عہد موسیٰ خود را از رحمت خاص خود دولت
 ایمان بخشیدہ۔ زبان را کہ پارہ گوشت است قوت نطق دادہ و سخن سنج گردانیدہ
 مصرعہ: 'حکیمے سخن ہر زبان آفرین' - از قدرت کاملہ خود بنائے ہستی دو عالم
 ریختہ۔ و شیرینی لسان شعرا را باشہد آمیختہ۔ مطلع ہدایت و قطع نہایت و قصیدہ طول

(بقیہ ہر صفحہ گذشتہ)

رنج و تکلیف میں ہمارے دستکھڑ ہوئے۔ ایسا آقا کہ عبدالرحمن کے نام کو پسند فرمایا
 اور یہی نام رکھنے کا حکم دیا۔ اللہم صل علی محمد آل محمد و اصحابہ و اتباعہ
 و بارک و سلم —

اسیاد بہ عاصی عزلت گزین مرزا معز الدین ابن شاد عالم بادشاہ غازی انارالد
 برہانہ کہ 'ثابت' تخلص رکھتا ہے اور محبت کے دستے میں ثابت قدم ہے۔ عرض کرتا ہے
 کہ مجھے ناکارہ کو بچپن سے فرسی اور اردو شعر کہنے کا شوق تھا چاہتا تھا کہ کسی ایسے استاد سے
 اصلاح لوں جسکی استاد کی مسلم ہو۔ اسی تلاش میں والد ساجد مغفرت کی مجلس خاص
 میں جایا کرتا تھا۔ مجلس خاص سے مراد یہ ہے کہ جلاسی دیوان خاص میں حاضر ہو کر مجرا
 بجالاتے اور چلتے جاتے اور حضرت ظل سبحانی خاصہ تذول فرماتے کے بعد سونے کے لئے
 یہ دیوان خاص میں تشریف لاتے۔ چونکہ اعلیٰ حضرت سمدراج کو شعر کہنے کا بڑا شوق
 تھا اس لئے اس وقت ہر روز کوئی مطلع یا رباعی یا غزل فی البدیہہ فرماتے چلا نچہ
 حضرت صاحب عالم و عالمیاں برادر صاحب قبلہ یعنی مرزا محمد امجد بہنش بہادر
 عرف مرزا نیلی صاحب دام اقبالہ کے استاد حافظ عبدالرحمن خان 'احسان' ہمیشہ حاضر
 رہتے۔ اعلیٰ حضرت اہی ان کو استاد کہتے اور ان کے حال پر بہت عزائم رکھتے تھے۔
 استاد مذکور فارسی اور اردو غزلیں فی البدیہہ کہتے اور اپنی شہر میں کلامی سے بادشاہ
 جم جاہ کو خرش کرتے تھے۔

ایک دن بادشاہ سلامت نے میرے سامنے فرمایا کہ حافظ جھو میں نے ریختہ کا ایک
 مصرعہ کہا ہے دوسرا مصرعہ فی البدیہہ لکائیے۔ خود میرے خیال میں نہیں آتا۔ کہا جو
 حکم فرمایا۔ مصرعہ: "صبح بھی بوسہ تو دیتا مجھے اے ماہ نہیں" خان مذکور نے
 دوسرا مصرعہ فوراً عرض کیا۔ "نامناسب ہے یہاں وقت سحر گاہ نہیں"

(بقیہ ہر صفحہ آئندہ)

دو جہاں صنعت مختصر اوست - مخمس پنج انگشت انسان و رباعی چشم و کمر و
قطعہاے اعضا و معنوی کل مخلوقات منسوب بدوست -

اے ساختہ تو پیکر ما احسان تو هست ہر سر ما
رحمے کہ زرہ بروں قیاشم از حکم تو کہ بروں فیاشم

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

بادشاہ سلامت نے ہمسکر فرمایا: اب فزل پوری کردو۔ استاد مذکور نے دھن بوتہ کر فزل
اتنی جلدی پوری کردی گویا اپنی کہی ہوئی فزل یاد تھی۔ مجلس میں ابو محمد خان
داورقہ خاصہ اور نور علی خان داورقہ توشک خانہ وغیرہ موجود تھے، سب نے تعریف
کی۔ لیکن میں نے استاد کے کہے ہوئے مصرعہ پر اعتراض کیا اور کہا کہ یہ تو وقت سعد
ہونا چاہئے یا سعد گاہ۔ وقت اور سعد گاہ دونوں کے یہیں ایک ہی معنی ہیں اس لئے
”وقت سعد گاہ“ بے معنی ہے۔ استاد نے ہمسکر فرمایا: شاید حضرت علم شعر سے
ناواقف تھیں۔ اور یہ بات شعرائے کامل کی صحبت کے بغیر حاصل ہونا مشکل ہے۔ یہاں
تک کہ یہ گفتگو بادشاہ سلامت نے بھی سداقت فرمائی اور مجھے عامی سے کہا کہ حافظ
چھو اپنے وقت کے استاد ہوں، انہوں نے یہ لفظ بغیر سند نہ کہا ہوگا۔ میں نے عرض کی
کہ یہ فارسی لفظ ہے، جب تک کسی ایرانی مسلم الثبوت استاد نے نہ کہا ہو اس پر
بہدوسا نہ ہوں، ہو سکتا۔ حافظ چو نے کسی قدر تامل کے بعد مرزا محمد علی صاحب تبریزی
کا یہ شعر سند میں پڑھا:

آدمی پیر چو شک حبس جوان می گردد خواب در وقت سعد گاہ گراں می گردد
بادشاہ سلامت نے فرمایا: ہم نہ کہتے تھے کہ انہوں نے غلط نہ کہا ہوگا۔ میں نے
کہا قبلہ عالم یہ خود شاعر ہیں، خود ہی کہہ کر شعر پڑھا دیا ہوگا، صاحب کا دیوان دیکھ
لوں تو یقین آئے۔ بادشاہ سلامت اس پر کسی قدر خفا ہوئے اور فرمایا: جواب جاملان
باشد خموشی۔ قصہ مختصر دوسرے دن استاد نے اساتذہ کے یہ شعر ”وقت سعد گاہ“
کی سند میں لائے پڑھے:

حواتی گھلائی کا شعر: فغان بلبل و وقت سعد گاہ حواتی و دل نال و شب ہا
علی نقی کمرہ کا شعر: وقت سعد گاہ ز خوں دعا بر سپہ قصہ شمع خون زم
اشرف قزوینی کا شعر: دلہن وقت سحر گاہ بدرخانہ رسید ہمچو صبح شفق آلودہ رخس سرخ و سفید
ایک روز اعلیٰ حضرت نے فارسی کا ایک مصرعہ فرمایا تھا، استاد نے فی البدیہہ
(بقیہ ہر صفحہ آئندہ)

قربتِ حیدت چہ سازد افشا ہستی تو معز دین و دنیا
صد شکر کہ ذاتِ مصطفیٰ را آن سرور جملہ انبیاء را
پیغمبرے مابداں نہودی رحمتے بر عاصیاں نہودی
پیغمبرے کہ ما عاصیاں را صلاے شفاہت دادہ و خوان عنایت بر ہو کران فہادہ -
مصرعہ : شفیع مطاع نبی کریم -

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

دوسرا مصرعہ لگا کر اس کو مطلع کردیا (مصرعہ) :

نکردم عشق کسی مرگز چو من عاشق سخن شکن کشتم

میں اس وقت موجود تھا، چپکے سے ان کے کان میں کہا کہ عاشق کی اضافت کو کیوں حذف کردیا - فرمایا : میں نے صحیح کہا ہے اور مرزا صائب کے یہ تہن شعر پڑھے :

۱ - سر نمی پیچد بقرک سر ز تیغ آیدار این قدر کس چوں قلم عاشق سخن باشد چورا

۲ - چوں سووتا ہستم نم از زندگی در پوکت دستگیری کن سے آشامان عاشق بدہ را

۳ - عالمے روشن بچشمش زود می گردد سیاه ہو کہ چوں پروانہ بیدرد عاشق صحبت است

مہن نے بہت تعریف کی اور کہا کہ شاعری اسی کو سزاوار ہے جو اساتذہ کے کلام

کا اس قدر پیرو ہو۔ سن کر فرمایا ”اگرچہ مہن نے خود کہا ہے اور ’صائب‘ جیسے زبردست

شاعر کی سند موجود ہے لیکن میرے نزدیک بغیر اضافت کے اس طرح کے اشعار فصاحت کے

رتبے سے گرجتے ہیں۔“ ایک روز بادشاہ سلامت نے یہ مصرعہ کہا ”خدایا ندام سوا تو کسے را“

اور استاد سے پوچھا کہ ”سوا تو“ کا لفظ یہاں صحیح ہے یا نہیں۔ دوسروں نے کہا

”سوائے تو“ چاہئے۔ بادشاہ سلامت نے کہا : میں ان سے پوچھتا ہوں۔ سن کر عرض کی کہ

پیرو و مرشد صحیح ہے اور شافی نکلو کا یہ شعر پڑھا :

من جان ندہم بکس سوا تو تو دل ندہی بکس سوا من

اور مجھ سے کہا : یہ بھی اگرچہ صحیح ہے لیکن میرے خیال میں فصاحت سے

دور ہے۔ اور یہ بھی ظاہر کیا کہ جہاں ”ہا“ مستغنی ہوتی ہے وہاں شعرا اکثر تک

اضافت کرتے ہیں، چنانچہ محسن تاثیر نے کہا ہے (بہت) :

مسکن شوخے بود ہر پا رہ دل در سیلہ ام خانہ ام چوں کہفداں ماواے چندہیں خانہ اسف

الغرض استاد مذکور حضور پر نور کے سامنے ایسے مضبوط اور سوہو شعر فی الہدیہ

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

مادقے کہ جناب فیض مآب صدیق رابارفار ساختہ ، عادلے کہ حضرت مہر را
 عمرے بہ تر بیت خوہ بنواختہ - جامعے کہ ذات بابراکات عثمان راجاج قرآن کردہ
 امیرے کہ امیرالہؤمنین حضرت علی را رقبۂ ولی بخشیدہ -
 حسنے کہ از طغیاش ابرر حمت حسنین بر فرق ماسایہ فگن - قادرے کہ

(ہقہہ حاشیہ گذشتہ)

کہتے تھے کہ سخن فہموں کا دل خوش ہو جاتا تھا - یہاں تک کہ ان کے خرمین
 مصعب سے خوشہ چھلی کر کے میں نے ظاہر کیا کہ مہرا دل چاہتا ہے کہ اردو اور فارسی
 دونوں زبانوں میں شعر کہوں - فرمایا : فارسی اشعار سے عہدہ برا ہونا بہت مشکل
 ہے - ریختہ میں شعر کہا کھجئے - کوونکہ ریختہ کی اچھی فزل فارسی سے بہتر ہے -
 میں نے کہا : صحیح ارشاد ہوا جب ہی تو مہایت نے کہا ہے :

مہایت کہا ریختہ جب سے ہم نے رواج تھے گیا ہند سے فارسی کا

سن کر کہا کہ ریختہ گوئے لئے فارسی جاندا بہت ضروری ہے ، بغیر فارسی جانے غلطی ہو
 جاتی ہے اور غلطی کا علم نہیں ہوتا - القصہ اس مسلم النہوت استاد کی مصعب کی برکت سے
 ریختہ گوئی میں میرا یہ رتبہ ہو گیا ہے کہ اس فن شریف کے استاد بھی مدرے شعر پسند
 کرتے ہیں اور مہرے اکثر شاگرد جو مدرے بھائی اور بہندھے بھی ہیں ، ایسے شعر کہنے لگے
 ہیں کہ ان کی تعریف ہوتی ہے - اس گفتگو سے - ہی یہ فرض ہے کہ اس ناچھڑ بندے
 کے استاد حافظ عبدالرحمن خان احسان نے ریختہ کی بنیاد اس طرح ڈالی ہے کہ ان کے ریختہ
 کے سامنے کسی ریختہ گو کا کلام - جیہے پسند نہیں آتا اگر میں اس شیریں سخن کو
 خسرو اللہم فصاحت و بلاغت کہوں تو درست ہے اور چونکہ سخن سنجی کا ملک ان کے
 زیر نگیں ہے اس لئے اگر ان کو ملک الشعرا کہوں تو بجا ہے - اول تو ان کی عادت ہی
 ایسی واقع ہوئی ہے ، دوسرے یہ حضور والا کے یہاں حاضر رہتے اور ہرادر صاحب قبلہ
 مسدوح کی سرکار فیض آثر کے کاروبار میں لگے رہتے ہیں ، اس لئے بغیر کسی کی فرمایش
 کے فزل نہیں کہتے - میں نے ہر چند دیوان ریختہ کی تدوین کا سلسلہ چھوڑا لیکن کچھ
 نعوچہ نہ نکلا - (لاچار) اکثر اپنی فرمایش اور استاد موصوف کی مشامروں میں پڑھی

از عنایتش شیخ السموات والارض شیخ عبدالقادر جیلانی دستگیر رنج و معن - سرورے کہ نام عبدالرحمن را پسند فرموده و باین اسم نهادن امر فرموده - الہام صل علی محمد و علی آل محمد و اصحابہ و اتباعہ و بارک و سلم -

اما بعد عاصی عزالت گزین مرزا معزالدین ابن شاه عالم بادشاہ غازی انارالہ برہانہ کہ تخلص 'ثابت' دارد و در راہ اخلاص ثابت است، میگوید کہ این ہیچمدان را از صغر سننی شوق شعر فارسی و ریختہ کمال بود، و طالب اہل کمال بودم - میخواستم کہ اصلاح شعر از استادے بگیرم کہ استاد مسلم الثبوت باشد - چنانچہ در ہمیں تلاش در مجلس خاص والدہ ساجد مغفور خود حاضر میشدم و محفل خاص عبارت از آنست کہ معرائیان از دیوان خاص شرف مجرا در یافتہ میرفتند و حضرت ظل سبحانی خاصہ تناول فرمودہ بدیوان خاص باز برای استراست تشریف شریف ارزانی میفرمودند - و چون اعلیٰ حضرت مہدوح راشوق اشعار فرمودن بسیار بود، آنوقت ہر روز یا مطلع یا غزل یا رباعی فی البدیہہ - میفرمودند - چنانچہ حافظ عبدالرحمن خان 'احسان' استاد حضرت صاحب عالم و عالمیان برادر صاحب قبلہ مرزا محمد ایوب بخش بہادر عرف مرزا فیلی صاحب دام اقبالہ مدام حاضر بودقد و اعلیٰ حضرت ایشان را استاد میفرمودند و بغایت عنایت بہال ایشان - صورت میداشتند - استاد مسطور فی البدیہہ

(بقیہ حاشیہ بر صفہ گذشتہ)

ہوئی فزوں کو انگھا کر کے یہ دیوان مرقب کیا، تا کہ ہندوستان کے اس باغ سے جو فہرت بہشت ہے - سخی سلجوں کی طہیعت کی بلہاں گل مرد حاصل کریں -

بشر کے لئے جا می خورہ کلام کہ ہمدام احسان ہے وہ نیکدام

یکفہمت جا م پیر مغان با ملوک ملک عشق بتان

معتبر ہوا اس سے ہندوستان یہہ ہے بوستان لائق دوستان

جہاں دیکھو وہاں یاسمین سخن خیاں خیاں چمن در چمن

اے خدا اس گلزار رشک ارم کو حوادث زمانہ کی بدنامی سے مصئون و محفوظ

دیکھو - بصرمت اللہی وآلہ الامجاد -

غزلہاے فارسی و ریختہ سرانجام می نمود و بادشاہ جم جاہ را از شیریں زبانی خود مسرور
میں ساخت۔ روزے بادشاہ و رہروے می فرمودند کہ حافظ جیو مصرعہ ریختہ می گویم، مصرع
دیگر فی البدیہہ باید گفت کہ بخاطر ما بدولت نہی آید۔ عرض کرد کہ ہر چہ
حکم ارشاد فرمودند (مصرعہ) :

’صبح بھی بوسہ تو دیتا مجھے اے ماہ نہیں‘

خان مذکور بے قائل مصرعہ ثانی بہم رسانید، و آن این است (مصرعہ) :

’قا مناسب ہے میاں وقت سحر گاہ نہیں‘

بادشاہ تبسم نمودہ فرمودند ہمہ غزل باتہام رسانید۔ ہماں جا اُستاد مذکور غزل
آنچنان زود تر سرانجام نمودند کہ گویا کہ غزل گفتہ خود یاد ہوں۔ حاضران مجلس
ابو محمد خان داروغہ خاصہ و نور علی خان داروغہ توشکچی خانہ وغیرہ تعسین
کردند۔ مگر این ہیچمدان بر مصرعہ بہم رسانیدہ موسیٰ الیہ اعتراض نمود۔ گفتیم یا
”وقت سحر“ باید گفت یا ”سحر گاہ“ باید داشت، لفظ گاہ وقت کہ ہر دو
دریں جا یک معنی دارند بے معنی است۔۔۔ مشارالیدہ خندیدہ گفت: حضرت از علم
شعر خبر ندارند و آن بدون صحبت شاعر کامل بہم رسیدن بسیار دشوار است۔ قا
آنکہ این گفتگو بادشاہ مسہوم فرمودند و این عاصی را ارشاد ساختند کہ حافظ جیو
اُستاد وقت خود اند، بدون سند این لفظ نگفتہ باشند۔ بندہ عرض کرد کہ این
لفظ فارسی است قا آنکہ کسے اُستاد علم الہوت ولایت زانگفتہ باشد اعتبار ندارد۔
حافظ جیو بعد قائل این شعر مرزا محمد علی ’صائب‘ تبریزی در سند خواندند :

آدمی پیر چو شد حرم جوان می گردد خواب در وقت سحر گاہ گراں می گردد
بادشاہ تبسم فرمودہ فرمودند ”ما نہی فرمودیم کہ از ایشان خطا نخواہد
شد۔“ عرض کردم کہ ”قبلہ عالم ایشان شاعر اند خود تصنیف نمودہ خواندہ باشند،
اگر در دیوان مائب بہنم غلام را اعتبار آید۔“ بادشاہ قدرے برہم شدہ فرمودند۔
”مصرعہ: جواب جاہلان باشد خموشی۔“ القصہ اُستاد مذکور روز دیگر این

سه شعر اساتذہ در سند "وقت سحر کا" آوردہ خواندند۔ حیاتی گیلانی (شعر):

فغان بلبل و وقت سحر کا حیاتی و دل فالان و شہا

علی نقی کمر: وقت سحر کا زخیل دعا ہر سپہ غصہ شبیخون زخم
اشرف قزوینی: دلبرم وقت سحر کا بدر خانہ رسید همچو صبح شفق آلود رخس سرخ و سفید
روزے اعلیٰ حضرت مغفوری یک مصرعہ غزل فارسی طرح فرمودہ بودند۔

استاد مسطور این مصرع فی البدیہ در مطلع بہم رسانیدہ بود، مصرعہ:

"نکردم عشق کس ہرگز چو من عاشق سخن گشتم"

آن وقت حاضر بودم، آہستہ بگوش گفتم: "اضافت لفظ عاشق چو معذرت نہودند،
گفتہ "درست گفتہ ام" و این سه شعر مرزا صائب خواندند:

سرفہ پیچہ بترک سر ز تیغ آبدار این قدر کس چوں قام عاشق سخن باشد چو
چوں سبزو قاہست نم از زندگی در بیکرت دستگیری کن می آسمان عاشق بادہ را
عالیہ روشن بچشمش زود سی کرد سیاح ہر کہ چوں پروافہ بیدار عاشق صحبت است
بسیار تحسین نمودم و گفتم: شاعری کسے را سازار است کہ این قدر متبحر

کلام اساتذہ باشد شنیدہ گفتند اگرچہ من ہم گفتہ ام و سند همچو صائب شاعر
زبردست موجود است۔ لیکن نزدیک من بدون اضافت این چنین اشعار از رتبہ
فصاحت می افتند۔ یکروز بادشاہ این مصرعہ فرمودند (مصرعہ) "خدا یا نہارم
سوا تو کسے را" و از استاد پرسیدند کہ لفظ "سوا تو" ہم درست است یا نه
دیگران گفتند کہ لفظ "سواے تو" است۔ بادشاہ فرمودند "من از ایشان می پرسم۔
شنیدہ عرض کردند کہ پیر و مرشد درست است و این شعر شافی تکو خواندند:

"من جان نہدم بکس سوا تو" "تو دل نہدی بکس سوا من و" از سن گفتند، این

فیز اگرچہ درست است اما بخیال من بعید از فصاحت است و ظاہر ساختند، جائیکہ

"ہا" مختلف باشد شعرا اکثر فک اضافت نہودہ اند، چنانچہ محسنی تاثیر بیت

مسکن شوخے بزدر پارہ دل در سپنہ ام خانہ ام چوں کیف دل ماوے چلدین خانہ است

افترض استاد مذکور اشعار فی البدیہ بدون خطا بحضور پر نور حضور والا مضبوط و مربوط سر انجام میساختند کہ دل سخن فہم معظوظ می شد - تا آنکہ خوشہ چین خرمن صعبت ایشان شدہ ظاہر نہودم کہ دل من می خواہد کہ شعر فارسی و ریختہ ہر دو گفتہ باشم - گفتند کہ از عہدہ شعر فارسی بر آمدن خیلہ دشوار است، اشعار ریختہ فرمودہ باشند کہ غزل ریختہ اگر خوب باشد بہتر از فارسی است - گفتیم: ہجا است - ہدایت شاعر می گوید - (شعر):

‘ہدایت’ کہا ریختہ جب سے ہم نے رواج اٹھ گیا ہنہ سے فارسی کا

شنیدہ ظاہر نہودند کہ شاعر ریختہ گو را علم فارسی پر ضرور است، بدون علم فارسی خطا می سازد و از خطای خود مطلع نمی شود - آخر الامر از برکت صعبت آن استاد مسلم العہود در ریختہ گوئی پایہ بہم رسانیدم کہ اساتذہ این فن شریف شعر من پسند می نہایند و اکثر شاگردان من کہ برادر و بردار زادہ اند آن چنان ریختہ می گویند کہ قابل تحسین و آفرین اند - غرض این گفتگو آنکہ حافظ عبدالرحمن خان ‘احسان’ استاد این اضعف العباد بنائے ریختہ آن چنان ریختہ اند کہ روبروے ریختہ ایشان ریختہ کسے ریختہ کو پسند خاطر من نمی آید - این شیرینی سخن را اگر خسرو اقلیم فصاحت و بلاغت بگویم رواست - چون مہلکت سخن سنجی زیر نگین دارد اگر ملک الشعراء بگویم ہجاست - چون خورے ایشان چنان واقع شدہ کہ بدون تحریک معرکے غزل نمی گویند و نیز حاضر باشی در حضور والا و کاروبار سرکار فیض آثار برادر صاحب قہلہ مہدوم دارند - بران ہر چند کہ سلسلہ جنہاں تدوین دیوان ریختہ شدم صورت نہ بست - اکثر غزل ہاے فرمایشی طبع زاد استاد موصوف بہم رسانیدہ، تدوین آن نہودم کہ تا عنکلب طبع سخن سنجان از این بوستان ہندوستان کہ غیرت ریاض رضوان است گل مراد چنیہ —

بشہرینی جامی خوش کلام کہ ہمنام ‘احسان’ ہے وہ نیک نام
بکہفیت جام پیر مغان با منیت ملک عشق بتلی

مطر ہوا اس سے ہندوستان یہ ہے بوستان لائق بوستان
 جہر دیکھو واں یاسمین سخن خیاباں خیاباں چمن در چمن
 الہی این گلزار رشک ارم از صرصر حوادث روزگار مصئون و محفوظ بالہ
 بھرمات النبی و آلہ الامجاد —

حالات

حافظ عبدالرحمن خان کے آبا و اجداد کسی زمانے میں بشارا کے حاکم تھے۔ جب مغلوں نے ترکستان کو تاراج کرنا شروع کیا، اس وقت یہ خاندان ہٹ کر ہرات آگیا۔ مگر وہاں بھی اس کو چین نصیب نہ ہوا۔ آخر دو بھائیوں نے اپنے گھر بار کو خیر باد کہہ ہندوستان کا رخ کیا۔ اس زمانے میں خاندان تغلق دہلی میں حکمران تھا۔ ان دونوں بھائیوں کو دربار دہلی میں بڑی قدر و منزلت ہوئی۔ بڑے بھائی کو موسیٰ خاں اور چھوٹے کو عیسیٰ خاں خطاب ملا اور شاہی نوازشوں نے تھوڑے ہی دنوں میں وطن کی مصیبتوں کو ان کے دل سے جلا دیا۔ خدا معلوم کس نیک ساعت میں یہ خطاب ان بھائیوں کو ملے تھے وہ دہلی میں بیسویں خاندانوں میں بادشاہت بدل گئی۔ لیکن یہ خطاب اسی طرح بپ سے بیٹوں پر اترتے چلے آئے اور غدر کے بعد جب دہلی کی سلطنت ہی ختم ہو گئی اس وقت ان کا بھی سلسلہ ٹوٹا۔

یہ خاندان ثروت و اقتدار کے ساتھ علم و فضل میں بھی ہمیشہ مفتخر و ممتاز رہا ہے۔ اگر ایک طرف یہ لوگ دربار میں امرا کے طبقے میں کھڑے ہوتے تھے تو دوسری طرف خلوت خاص میں علما کے ساتھ بیٹھے نظر آتے تھے۔ سلطنتِ مغلیہ کے زمانے میں شاہزادوں اور شاہزادیوں کو کلام مجید پڑھانے کی خدمت اسی خاندان میں تھی۔ اور غدر تک قائم رہی یہی وجہ ہے کہ اس خاندان میں اُس سرے سے اس سرے تک حافظ ہی حافظ نظر آتے ہیں، محمد شاہ اور احمد شاہ کے زمانے میں یہ خدمت 'احسان' کے والد حافظ غلام رسول خاں کے سپرد تھی۔ ان کا خطاب موسیٰ خاں محب الدولہ بہادر تھا۔ ان کی شادی قہرالدین خاں وزیر محمد

شاہ بادشاہ کے فرزند بدرالدین خاں کی بیٹی سے ہوئی اور ان کے بطن سے سند ۱۱۸۳ھ میں حافظ عبدالرحمن خاں 'احسان' پیدا ہوئے۔ فادر گردی میں بدرالدین خاں اپنے قاضی کے حوض والے مکان میں شہید ہوئے۔ یہ مکان اس کے بعد ان کی بیٹی کے قبضے میں آیا اور ان سے حافظ 'احسان' کو تر کے میں ملا۔ اس وقت سے اب تک اس مکان پر اسی خاندان کا قبضہ ہے۔

بچپن ہی میں عبدالرحمن خاں 'احسان' نے کلام مجید حفظ کر لیا اور اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کی خدمت پر مقرر ہوئے۔ موسیٰ خاں صہمام الدولہ خطاب ملا اور شہزادوں کی تعلیم ان کے سپرد ہوئی۔ شاہ عالم ثانی اکبر شاہ اور بہادر شاہ ثانی کے زمانے میں جتنے شاہزادے اور شاہزادیاں حافظ قرآن تھیں، ان سب کو 'احسان' ہی نے کلام مجید حفظ کرایا تھا۔

تھول کے لحاظ سے یہ خاندان دہلی پور میں سب سے زیادہ امیر سمجھا جاتا تھا۔ اگر ایک طرف خان پور، سنگپور اور اوکیلے کی جاگیر کی آمدنی تھی تو دوسری طرف سکنی جائیداد کا کرایہ۔ اگر ایک جانب باغات تھے تو دوسری جانب حویلیاں۔ غرض بڑے اچھے امیروں کی طرح گذرتی تھی۔ سکنی جائیداد دو چار دوکانیں یا ۵ - ۶ مکانات نہیں تھے، اچھیری دروازے سے لگا کر وجنا بیگم کی حویلی تک، اور پپیل مہادیو سے میر جہلہ کے مدرسے تک سارے کا سارا بازار ان کا تھا۔ کھاری باؤلی کے بازار کا کوئی چوتھائی حصہ، سرکی والوں کی مجلسرا، میر جہلہ کا مدرسہ، حبش خاں کے پھانک کا شیش محل، باغ بدیع یارخاں، قاری کی کوٹیاں کی باغیچی، قلعے کے فیچے کا انگریزی باغ اور میر زوروا کی حویلی انہی کے قبضے میں تھیں۔ اس آمدنی کے ساتھ اگر قلعے کی تنخواہ کو ملا لیا جائے تو اس خاندان کی ثروت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ان کی مجلسرا کا ہر نجی پھانک ہندوستان کی صنعت کا ایک بہترین نمونہ تھا۔ افسوس ہے کہ وہ غدر میں تباہ ہو گیا۔ جائیداد بھی غدر کے بعد ایک ایک کر کے ٹھکا لے لگ گئی۔ انگوری باغ

کت کر میدان ہو گیا۔ باغ بدیع یار خاں یک کر پنجا پیوں کا کتہہ بنا اور قوت کر دہلی کا ریلوے اسٹیشن ہو گیا۔ کچھہ تو جائداد غدر کے بعد ضبط ہو گئی اور کچھہ ان کے ایک پوتے نے جوے میں ہار دی۔ اس خاندان میں اگر کوئی سب سے زیادہ قابل قدر چیز تھی تو وہ ان کا کتب خانہ تھا۔ وہ بھی غدر میں تباہ ہو گیا۔ پندرہ ہزار قلمی کتابوں میں سے ہر دو تین باقی رہ گئیں اور وہ بھی اس طرح کہ کسی نے لا پرواہی سے ان کتابوں کو دو چھتی میں ڈال دیا تھا۔ غدر کے بعد جب امن امان ہو گیا اور لوگ پھر آ کر دہلی میں بس گئے تو کسی ضرورت سے در چھتی دیکھی گئی اور یہ کتابیں وہاں سے نکلیں۔ قاعدہ تھا کہ بادشاہ کی سواری جب شہر میں سے گزرتی تو اسرا اپنے دروازوں پر نذرین لے کر کھڑے ہو جاتے اور وہیں بادشاہ سلامت کو نذرین دکھاتے۔ سارے شہر میں صرف حافظ عبدالرحمن خاں ہی تھے جن کو یہ نذر معاف تھی۔ ہاں ان کو نذر کی بجائے کوئی قلمی کتاب پیش کرنی پڑتی تھی۔ حافظ عبدالرحمن خاں 'احسان' کے دو بیٹے تھے۔ سیف الرحمن خاں اور عبدالعکیم خاں۔ سیف الرحمن خاں کو پہلے رشید الدولہ کا اور باپ کے اقتال کے بعد موسیٰ خاں کا خطاب ملا۔ اور عبدالعکیم خاں کو عیسیٰ خاں کا۔ یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ آغا حیدر حسن صاحب پروفیسر اردو نظام کالج، سیف الرحمن خاں کے اور محمد عظیم الدہ خاں مرحوم، عبدالعکیم خاں کے کنواسے ہیں۔ سیف الرحمن خاں کی شادی ذوالفقار الدولہ نجف خاں وزیر شاہ عالم ڈائی سے ہوئی۔ نجف خاں کے انتقال کے بعد انہوں نے اپنے سرے کی جائداد یعنی حویلی میر کڑوا اور مدرسہ میر جہلمہ پر قبضہ کر لیا اور یہ جائداد اس خاندان میں غدر کے زمانے تک رہی —

سیف الرحمن خاں کے تین لڑکے ہوئے۔ نواب احمد حسن خاں، مولوی عنایت الرحمن خاں (منجھلے آکا) اور مولوی احسان الرحمن خاں (چھوٹے آکا) نواب شمشیر الدولہ بہادر کی ایک لڑکی کی شادی نواب احمد حسن خاں سے اور دوسری لڑکی زینت محل

کی شادی بہادر شاہ ثانی سے ہوئی تھی - اس طرح نواب احمد حسن خاں اور بہادر شاہ ہمزلف تھے - حبش خاں کے پھاٹک میں جو شیش محل ہے، وہ بیوی ہی سے نواب احمد حسن خاں کو پہنچا تھا - مگر وہ انہوں نے جوے میں مرزا اسفندیار بیگ کے ہاتھ ہار دیا۔ غدر میں اس خاندان پر بڑی تباہی آئی۔ احمد حسن خاں قلعے کے تعلقات کی وجہ سے باغیوں سے مل گئے - ہر سرور کی گڑھی میں جو خزانہ تھا اس پر قبضہ کر کے دہلی لائے اور نصیرالدولہ خطاب پایا - لیکن جب باغیوں کو شکست ہوئی تو یہ اور ان کے والد سیف الرحمن خاں اور چلے گئے، مگر وہاں سے اپنے نوسو ساتھیوں کے ساتھ پگڑے ہوئے دہلی آئے ۶۰۰ کو تو فوراً صاحب نے گڑگاؤں میں ختم کر دیا، بقیہ کو دہلی میں پھانسیاں ہوئیں، مگر معلوم نہیں کہ یہ دونوں باپ بیٹے کیوں کر بیچ گئے - نواب موسیٰ خاں (سیف الرحمن خاں) کے انتقال کے بعد نواب احمد حسن خاں نے تمام خاندانی جائیداد جوے میں پھونک دی - آخر آخر میں ان کا ہاتھ بہت تنگ ہو گیا تھا، پھر بھی کسی نہ کسی طرح اپنی گزار گئے - ان کے سوتیلے دونوں بھائیوں نے نہ صرف اپنے حصے کی جائیداد کو محفوظ کیا، بلکہ اپنی کھائی سے اس میں بہت کچھ اضافہ کر کے اپنی حیثیت ایسی بنالی کہ دہلی میں اب بھی ان کے بیٹے اور پوتے رئیس مانے جاتے ہیں -

حافظ عبدالرحمن خاں 'احسان' شاہ عالم ثانی کے منجھلے بیٹے شاہزادہ مرزا فرخندہ بخت ایزد بخش عرت مرزا فیلی کی سرکار میں مختار کل تھے - اپنے دیوان میں انہوں نے صاحب عالم کی جا بجا تعریف کی ہے - چنانچہ لکھتے ہیں :

دورۃ التاج شہان فخر زماں ایزد بخش فخر ہے فخر قری مدح سرائی مجھ کو
جس گھڑی ہووے گھر ریز ترا ابر کرم ہاتھ پھیلا کے کہے خاتم طائی، مجھ کو
ہے یہی دولت عظمیٰ کہ سدا ہووے نصیب در دولت کی ترے ناصیہ سائی مجھ کو

ایک جگہ مرزا فہلی کے نام کی وجہ یوں بتاتے ہیں :

مہرزا فیلی ہے مقصود سپہر فیلی تجھکو سر سبز رکھے خالق علام مدام
 وجہ اس نام کے رکھنے کا یہ ہے تاکہ شہا فیلی چشم بد اعدا رہے یہ نام مدام
 ایک اور غزل میں بھی ان کی تعریف کی ہے، ذرا ردیف کو ملاحظہ فرمائیے
 بالکل نئی ہے اور آخری شعر کا قافیہ تو داد دینے کے قابل ہے :
 کہا جو میں نے نہ اہل زمین کو دے گردش یہ سن کے مجھکو اگا کہنے آسمان تم کون
 کہا یہ مینے کہ ہوں اس جناب کا استاد غلام جس کا یہ کہوے شاہاں کو ہاں تم کون
 طفیل صاحب عالم محمد ایزد بخش نہ کہہ سکے مجھے ہرگز فرشتہ خاں تم کون
 اس قطعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرزانیلی کے ہاں نوکر ہی نہیں تھے
 بلکہ صاحب عالم کے استاد بھی تھے -

مرزانیلی عصر میں اکبر شاہ ثانی سے صرف تین مہینے چھوٹے تھے۔ 'حسان' کا
 ایک طرف تو صاحب عالم سے تعلق تھا اور دوسری طرف برکت علی خاں 'برکت'
 خیرآبادی سے دوستی - ہوا یہ کہ ۱۸۲۰ء میں جنرل 'اختر لونی' دہلی کے رزیڈنٹ
 ہو کر آئے۔ برکت علی خاں ان کے پیشکار ہوئے۔ ان دونوں کی کچھ ایسی بغی
 کہ رزیڈنسی میں میاں 'برکت' کا طوطی بوائے اگا۔ بھلا ایسا اچھا موقعہ کہاں
 ملتا تھا۔ احسان نے مرزا فیلی کو ولی عہد بنانے کے لئے اپنی پوری قوت صرف کر دی،
 لیکن کچھ ایسا بل آکر پڑا کہ کامیابی نہ ہوئی اور ولیعہد بہادر کے دل میں
 فرق آگیا - پھر بھی جب اکبر شاہ دہلی کے تخت پر بیٹھے تو انہوں نے ظاہر داری
 بوتنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی - اور جب ۱۲۴۹ ہجری میں مرزا فیلی کا
 انتقال ہو گیا تو یہ 'احسان' سے بالکل صاف ہو گئے -

مرزانیلی کے مرنے کا 'احسان' کو بڑا قلق ہوا، ان کی وفات کی تاریخیں
 کہی ہیں، مگر افسوس ہے کہ ایک میں بھی درد نہیں ہے، لکھتے ہیں :
 شاہزادہ محمد ایزد بخش در جہاں بود ہمچو آب حیات

چوں سخاوت شعار بد گفتم ”ہی اجر عظیم“ سال وفات

جناب صاحب عالم معہد ایزد بخش کہ فکش خاطر آفاق شد کمال وفات
تو فوت گشتی واحسان حیات داد ترا ”بیاب بخشش ایزد“ بگفت سال وفات

۱۲۴۹ ہجری

احسان کا انتقال ۱۲۶۷ھ میں ہوا۔ گویا انہوں نے تین بادشاہوں یعنی شاہ عالم ثانی، اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ ثانی کا وصال دیکھا۔ ان تینوں بادشاہوں استاد رہے اور مرتے دم تک ان کی قدر و منزلت میں فرق نہیں آیا اور آخر وقت تک بادشاہ اور شہزادے ان کی تعظیم و توقیر کرتے رہے۔ قلعے میں جو واقعات ان پر گذرے ہیں ان کا پتہ کچھ کچھ ان کے اشعار سے ملتا ہے۔ شاہ عالم ثانی کے زمانے میں ان کی اچھی گزری۔ عید کی خوشی میں ایک قطعہ پیش کرتے ہیں:

درگاہ تری ہے عیدگاہ عالم عالم یہ کہے ہے اے پناہ عالم

عالم میں ہے رسم عید جب تک تب تک شاہ عالم ہی رہوے شاہ عالم

دلی والے شاہ عالم کی سلطنت کا حال ان چند الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں:

”بادشاہی شاہ عالم، از دلی تا پالم“۔ پالم دلی سے ۵، ۶ میل پر ایک

موضع ہے۔ اس فاصلے اور شاہ عالم کے لفظ کو ملا کر دیکھتے کیا لطف دیتا ہے:

واقعی یہ فقرہ کسی بڑے خوش مذاق شخص کے دماغ سے نکلا ہے۔

باز جسد سے درعدل شہ عالم ہے بچہ قاز بھی کرتا ہے یہاں باز سے رمز

نادر شاہ تخت طاؤس لے گیا تھا۔ کچھ دنوں تو یونہی کام چلا۔ آخر شاہ

عالم ثانی نے دوسرا تخت بنوایا۔ لکڑی کا تھا اس پر سنہری پتھر جڑے ہوئے تھے۔

تخت طاؤس سے شکل ملانے کی کچھ کوشش بھی کی گئی تھی۔ جواہرات کی جگہ

مہنا کاری سے کام نکالا تھا۔ بہر حال تخت تیار ہوا اور تخت طاؤس نام رکھا

گیا۔ غدر تک یہ تخت قلعے میں تھا۔ احسان نے اس تخت کی تاریخ کہی ہے:

چہ خوش ساختہ گشت تخت عصیب بامر تو اے شاہ فرخ نہاد
 چہ تختے کہ گشتہ فلک گرد او برو چشم از چشم انجم کشاد
 مزین چو طاؤس خلد ہرین موصع چو تخت کے و کیقباد
 بجز تخت جد تو شاہ جہان جہاں ثانی این ندارد بیاد
 تو باشی و ایی تاکہ باشد اثر ز آب و ز آتش ز خاک و ز باد
 خیر داد 'احسان' ز تاریخ او سریر شہنشاہ بادین و داد
 ۱۲۱۳ ہجری

شاہ عالم بادشاہ سے جو ان کے تعلقات تھے وہ آپ دیباچے میں پڑے چکے
 ہیں۔ بھلا ایسے قدر شناس بادشاہ کے مرنے کا کیا کچھ غم ان کو نہ ہوا ہوگا،
 ان کی وفات پر کیا ہی درد بھرا قطعہ لکھتے ہیں :

آفتاب فلک سلطنت عز و علا شاہ عالم کہ وہ تھا مخزن احسان میرا
 میں جو دربار معلیٰ میں نہ ہوتا کہتے کیا سبب ہے کہ نہیں آج جو احسان میرا
 اے فلک تو توروں اور نہ رہوے افسوس وہ سخن سنج، سخن فہم، سخن دل میرا
 مثل شب، گر ہوں سیہ پوش مجھے لائق ہے کہ جدا مجھ سے ہے وہ مہر درخشاں میرا
 وفات کی کیا اچھی تاریخ لکھی ہے :

ہزار و دوصد و بیست و دو بود آہ کہ ہر د کوس رحلت شاہ عالم
 چو در فردوس منزل کرد آن شاہ غمیں شد خلق و جانش گشت خرم
 بکش آہ و بگو تاریخ احسان کہ شد فردوس منزل شاہ عالم

۱۲۲۱ ہجری

اُن کی شاہ عالم کے زمانے میں کسی نہ کسی طرح گزرے گئی۔ اکبر شاہ ثانی
 کے زمانے میں کسی چغلاخور نے چغلی کھائی، احسان قلعے سے نکالے گئے، عرضی
 بھیجی، منظور ہوئی اور پھر ان کا قلعے میں وہی زور ہو گیا —
 ہوں شہ ہند کا استاد یہ ہے فخر مجھے شہرہ میرا تو شہا تا شہ ایران کیا

عرض غماز پذیرا ہوئی حق میں میوے
 حکم والا یہ ہوا قلعے میں 'احسان' نہو
 اے شہنشاہ جہاں قد رشناس احساں!
 شہر وہ کیا ہے کہ جس شہر میں 'احسان' نہو
 اس کے بعد بہادر شاہ کا زمانہ آیا، انہوں نے تخت نشینی کی تاریخ کہی:

خسرو خسروں بہادر شاہ گشت چوں بادشاہ ہندوستان
 سال تاریخ سلطنت گفتم خسرو عہد والی دوراں
 ۱۲۵۳ھ بمطابق

بادشاہ کو باری کا بخار آیا، اچھے ہوئے تو انہوں نے تہنیت کا قطعہ پیش کیا:

وہ خورشید چرخ شہی تو ہے شاہا کہ تیرے سبب سے ہے گھر گھر اوجالا
 بہت بار 'احسان' نے شاہا دعا کی کہ باری کی تپ کھوئے باری تعالا
 تو بارے درخت دعا میں لگا بار کہ اک بار اس بار غم سے نکالا
 سوا سو برس تک تو جیوے الہی ترا حکم جاری، ترا بول بالا
 کسی وجہ سے دربار بند ہو گیا تھا، تھوڑے ہی دنوں بعد مجبورے کی اجازت
 ہوئی، اس واقعے کو یوں لکھتے ہیں:
 'احسان' کو راہ قطب تو مکے کی راہ تھی ایک آرزو تو تیروری ہی مدت میں مل گئی
 صد شکر بادشاہ کا مجرا ہوا نصیب دولت جو لکھی تھی سرتی قسمت میں مل گئی

دعا دیتے ہیں اور پر دادا تک نام گنوا جاتے ہیں کہ کہیں کسی دوسرے

ابو ظفر کو نہ پہنچ جائے:

ابو ظفر بن اکبر بن شہ عالم! عروس عیش ہمیشہ ترے کنار میں ہو

ایک قصیدہ مدح میں لکھا ہے۔ اس کا ایک شعر نقل کرتا ہوں۔ داد دیجئے گا

کیا نیا مضمون ہے اور کس خوب صورتی سے بانڈھا ہے :

مصراب کا عالم ہے یہ اے قبلۂ عالم منہ تیری طرت اور ہے کعبے کی طرت پشت

سب کچھ تھا، مگر یہ زمانہ ان کے لئے بڑا سخت تھا۔ استاد ذوق کے قدم قلعے میں

آچکے تھے۔ خود بادشاہ اور شہزادوں کا گروہ کا گروہ ادھر سے ٹوٹ ادھر جا ملا تھا۔

ظاہر ان کی تعظیم و توقیر میں تو فرق نہ آیا۔ ہاں تنخواہ ملنے میں اوپر سویر

ہو جاتی تھی۔ بھلا یہ کب چوکنے والے تھے۔ ذرا تنخواہ ملنے میں دیر ہوئی اور

انہوں نے تر سے عرضی دی۔ جب اس سے کام نہ چلا تو غزلوں میں اس کا رونا رویا

ایک دفعہ کیا ہوا کہ بادشاہ مچھلی کے شکار کو گئے ہوئے تھے، یہ ساتھ تھے، تنخواہ

بند تھی، وہیں فی البدیہہ ایک قطعہ کہا اور تنخواہ رکھوائی۔

صید سامی و صید دل ، شاہا خوب ہے اور کچھ نہیں معیوب

جان ہو اور شکار مچھلی کا یعنی توبے کا ہے فکالفا خوب

قطب صاحب تھے جب حضور گئے وہ دو ماہا گیا ہے میرا توب

اس کو بھی حکم ہو فکال آے صبر کب تک دو میں نہیں ایوب

ایک مرتبہ یہ ہوا کہ تنخواہ کت گئی، انہوں نے قطعہ پیش کیا اور

رقم اٹھائی۔

اگر جنگل میں امت جائے جو کوئی کیا تعجب ہے مگر تحقیق ہو تو چور کی مشکل رہائی ہے

مری تنخواہ اوٹنی ان لٹیروں نے حویلی میں درہائی ہے بہادر شاہ غازی کی درہائی ہے

بہر حال سب کچھ کرتے، مگر تنخواہ نہ وقت پر ملتی تھی اور نہ ملی۔ اس کا

رونا اس طرح روتے ہیں :

بلند و قیں کیوں ہیں چہ رتے ہر چاند رات کو اس کا سبب جو پوچھو عیاں ہے نہاں نہیں

یعنی نہ اس طرح کا ہوجب تک کہ شور و شر ملخواہ اور وضع سے مامی یہاں نہیں

ایک جگہ شاعرانہ رنگ میں اسی مضمون کو ادا کرتے ہیں :

دوبہی ہوئے مجھے ایک ماہ میں اے ماہِ نہدو وضع یہ کیا ہے کہ نوکر رکھو 'تنخواہ نہ دو
تنخواہ نہ ملنے کی مصیبت کا جتنا انہوں نے رونا رویا ہے شاید ہی کسی نے
رویا ہوگا۔ بادشاہ کو عرضیاں دیں، شاہزادوں کو عرضیاں دیں، اُمرا کو عرضیاں دیں،
غرض پُرووی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا' خدا معلوم اس عرضیوں کی بہر مار سے
کوئی نتیجہ نکلتا ہو یا نہیں۔ اس زمانے میں تنخواہ کی تقسیم نواب ظفر الدولہ
اصغر علی خاں بہادر کے ہاتھ میں تھی، ان کو لکھتے ہیں :

صبا یہ کہد ظفر الدولہ سے بصد اعزاز کہ امر خیر میں تیری رہے قلم جاری
خلات وعدہ احسان زبوں ہے اے مشفق زباں سے اپنے کہا تھا مجھے کئی باری
کہ جب کہ آئینگی تنخواہ حسب حکم حضور دو ماہ وہ بھی، یہ تنخواہ لیجئے ساری
وہ شکر ہو نہ مبدل شکایقوں سے کہیں بدل نہوے وہ دلداری با دل آزاری
بسان آئینہ آئین اپنا رکھتا ہوں میں صاف کرہوں نہیں آتی مجھ کو مکاری
تو گل ہے گلشن دربار بادشاہی میں ولے چو غنچہ زباں درتہ زباں داری

اس کے بعد بہادر شاہ کے بیٹے مرزا شاہ رخ کو کچھ دنوں کے لئے وزارت کا کام
ملا۔ یہ تو احسان کے شاگرد ہی تھے، بھلا تنخواہ لینے میں ان سے مدد کیوں نہ
مانگتے۔ ادھر تنخواہ رکی اور ادھر انہوں نے عرضی دی۔ ایک عرضی بڑے بڑے کی ہے
وہ نقل کرتا ہوں :

صاحب عالم و حاجی و وزیر شاہِ ہند اس سے بھی تجھ کو زیادہ حشم و جاہ ملے
جس طرح مجھ سے تو ملتا ہے بہ لطف و اکرام دین میں تجھ سے اسی طرح سے اللہ ملے
حق تعالیٰ کی عنایت سے تجھے دنیا میں صحت و عیش ملے، مقصد دل خواہ ملے
چوبدار آپ نے بھیجا تھا دلانے تنخواہ کہ حویلی سے مہینہ مجھے ہر ماہ ملے
چوبداروں کی چھڑی سے نہیں تر تا مستار کیا کریں وہ بھی کہ جب ایسا ہی گہراہ ملے

اب دوفر اٹھوں، دوبانٹوں، در رہے ہوں حکم ایسا ہو تو شاید مجھے تنخواہ ملے
 اس پہ بھی جو وہ نہ دیوے اسے لوفدی کی طرح آج کل اس کی سزا اے مرے اللہ ملے
 ان سب عرضیوں میں سب سے زیادہ زور کی عرضی وہ ہے جو انہوں نے
 بہادر شاہ کی خدمت میں پیش کی تھی۔ یہ عرضی اس سبب سے بھی دلچسپ ہے
 کہ یہ احمد اللہ خان 'غالب' کی عرضی کا نقش اول ہے، وہی زمین ہے اور وہی طرز
 سوال - ہے تو بڑی ساری مگر پراطف ہونے کی وجہ سے پوری کی پوری
 لکھ دیتا ہوں :

اے ملک اے پناہ جہاں ملوک	اے فلک مرتبت، ملک کردار
تجہ سے آباد ہے جہاں آباد	اے جہاں کرم جہاں وقار
گر تو مہر فلک سے منہ موڑے	تیرے پاؤں پدوہ رکھے دستار
جو تخلص کو تیرے ورد کرے	نہ شکست اس کو ہو کہ ہو زنجہار
میری طبع غیور کچھ مطالب	نہ کسی سے کہے کم و بسیار
عرض احوال بادشاہوں سے	بادشاہا فہمیں ہے لیکن عار
قطب صاحب تھے قبل از این جو حضور	بزیارت، براے سیر و شکار
یہاں شکار اپنی ہو گئی تنخواہ	سیر ہی میں یہ گل کھلایکھا
کہا جس لالہ سے کہ لا تنخواہ	وہی لالہ ہوا گلے کا ہار
لالہ جی ایسے ہو گئے لے لوٹ	پوست کھینچو تو وہ نہ دیں زنجہار
بلکہ دھمکائیں اُلتا وہ سبھکو	کدرو ہوا ہے یہاں کاب مختار
سردیہ اہل علم ہے یکسر	لوٹ کی اب ہے گرمی بازار
اور مختار کا تھا یہ احوال	نہ تو اقرار تھا نہ کچھ انکار
اب تو اس کا پتہ نہیں ملتا	اب کی تنخواہ کا کیا تھا قول و قرار
میری تنخواہ کم بہت ہے مجھے	آج دس بیس اور کل ہیں ہزار

جب دو ماہہ ہی ات گیا میرا (ق) میرے نوکر بھی مجھ سے ہیں بیزار
 صبح کو میں کہوں کہ آنا تم شام کو آوے گھر سے خدمت گار
 آتے ہی کہوے کچھ تو دلو او بھوک کے مارے نکلے ہے آچار
 جب کہ پینس کو لے کے چلتے ہیں (ق) ہیں جو زرغل سے چار پانچ کھار
 ان کا معمول ہے کہ دوڑتے وقت منہ سے بھرتے ہیں اپنے کچھ ہنکار
 اپنی ہوں ہوں تو ساری بھول گئے یہی کہتے ہیں وہ پکار پکار
 وقنا ربنا عذاب الجوع وقنا ربنا عذاب النار
 جب یہ صورت بنی تو بنی سے قرض کے واسطے کہا ناچار
 کہ غریبوں کی بابت درں تنخواہ بنیا راضی ہوا بصد تکرار
 اکتے میں بول اتھی بنیں یہ کیوں گنواۓ ہے اپنا تو گھر بار
 مکھا، مور کڈھے، تیرو عقل کٹی قرض دینے کو تو ہوا تیار
 اس کی تنخواہ ہے حویلی میں اے اپونے اسے نہ دے تو ادھار
 میرے شاہاہیں تجھ سے درہ طاب (ق) بار مجرا و دولت دیدار
 یہ کھاروں بغیر ہے مشکل وہ کھاروں بغیر ہے دشوار
 ان کو تنخواہ درں کہاں سے میں آپ جب اس طرح کا ہوں ناچار
 دل سے احساں سے ہے تجھ رغبت دل احساں ہے تیرا شکر گزار
 تیرے احساں کو جو نہ دیکھ سکیں اُن بھیلیوں پہ ہو خدا کی سار
 نام احساں رہے نہ دفتر میں چاہتے ہیں کٹی یہ بد اطوار
 اور میں کیا کہوں غریب فواز میں غریب اور یہ غریب آزار
 بحر یہ اور ردیف و قافیہ اور اب غزل کے پڑھوں نئی اشعار

— (غزل) —

آتے ہی بس سنائی جانے کی تجھ کو خو ہے مجھے کڑھانے کی

یہاں ہمارے تو جاں سوکھے ہیں وہاں پڑی اسکو پان کھانے کی
 شوق سے مجھ سے یوں بگڑ بیٹھو ایک ٹھیرے نہ منہ بنانے کی
 قیس صحرائی اور دھوے عشق بات ہی توی جد ابن آنے کی
 وہ نہو، میں جیوں، جگہ نہ رہی آئینہ رو کو منہ نہ کھانے کی
 نام رکھوا نہ اپنا ہر جائی نہ قبا پہن چا رخانے کی
 زلف کو چڑرتے ہی کہنے لگے ہے یہی بات مار کھانے کی
 زندگی میں بایں تپاک اخلاص ق روز دہشت ہے روٹھ جانے کی
 بعد مرگ آہ تجھ سے کسکو امید جان من فاتحہ دلانے کی
 بیٹھ اے آہ بس خدا نہ کرے تجکو فرصت ہو سر اٹھانے کی
 مستعد ہدی ہوا وہ ہی ق جس سے کی ہم نے بارہا نیکی
 فیکیاں کر کے ہو ہدی حاصل ہت تری آخری زمانے کی
 یاد مسجد میں آئیگی 'احسان' کیفیت اُس شراب خانے کی

کہاؤں دروازہ دعا کو میں قافیے پہلے پڑھوے درکار
 جب تلک سہرو ماہ چرخ پہ ہوں جب تلک ہوں جہاں میں ایل و نہار
 دھربار چھاؤں جب تلک رہوے جب تلک چاندنی ہو اور شب تار
 جب تلک ہیں یہ آسمان وزمین جب تلک دشت ہووین اور کہسار
 جب تلک فصل گل ہے سال بسال جب تلک ہے جہاں میں نام بہار
 گل مقصد بہار پر ہو ترا اور نخل سراد لالے بار
 ابر نیساں کی طرح دنیا میں تیرا دربار ہو سدا دربار
 یعنی دنیا ہو اور بہادر شاہ بطغیل معبد مختار

آپ نے ملاحظہ کیا کہ اس قصیدے میں بھی کہیں کہیں رہایت لفظی کو برتا ہے۔

ایک جو روانی اس عرضی میں ہے اور جس طرح واقعات کو بیان کیا ہے وہ احسان

ہی جیسے استاد کا کام تھا۔ صرف یہ قصیدہ ان کی استاد کی سفارشات پر لکھا گیا ہے۔
 دلوں میں جو فرق پڑ گئے تھے، ان کا خیال کر کے بادشاہ اگر ذرا سی بھی
 عنایت فرماتے تو یہ خوش ہو جاتے اور چٹ قطعہ یا قصیدہ لکھ کر گزراں دیتے۔
 چنانچہ شاید بادشاہ نے کبھی یہ کہہ دیا ہوگا کہ ”ہم تمہیں جانتے ہیں، تم ہمیں
 کیا جانتے ہو“ یہ اسی پر خوش ہو گئے —

فرط الفت سے یہ فرمایا ظفر نے ’احسان‘ ہم تمہیں جانتے ہیں، تم ہمیں کیا جانتے ہو
 عرض کی میں نے کہ میں ذرا ہوں اور تم خورشید فخر ذرا ہے کہ ذراے کو ذرا جانتے ہو
 اور یہ اور عنایت ہے گدا پر اپنے کرچہ استاد ہو، شاگرد شہا جانتے ہو
 یہی وہ زمانہ تھا کہ اس غریب پر عرصہ تنگ ہو گیا تھا۔ بچارا (۸۰) برس
 کا بوڑھا مقابلے کے لئے کھڑا ہو تا، سخت سے سخت زمینوں میں دو دو اور تین
 تین غزلیں لکھ جاتا، مگر یار لوگ مشاعرے میں رنگ نہ جمنے دیتے، آخر
 کہاں تک، بدھے کو بھی جوش آ گیا اور تو کچھہ بن نہ پڑی، غزلوں ہی میں
 سب کو خوب لتاڑتا —

میں نے کہا مشاعرے میں چلئے گا، گاہ کہنے لگے کہ چلیے؟ ہمارے بلا چلے
 مضمون اپنے باندہ کہ گاہک ہو ایک خلق چوری کی جنس ہو تو وہ دوکان کیا چلے

کچھ شعر پہ میرے ہی نہ چشہک ہیں ہزاروں طعن اس پہ ہے کہ بلبل آمل نے کہا ہو
 دنیا میں نہ کس طرح سے مغرور ہوں احمق ہاں ان کی ہی جب شان میں لولا العمقا ہو
 ہے تر بیت بیہودہ گویاں مجھے منظور والہ اگر معجو کبھی عزم ہجا ہو
 گر میری غزل میں ہو خطا، کھدو ہدر سے جو منہ پر نہ کہوے تو وہ مادر بختا ہو

بس جینے سے جی لپٹا ہوا سیر کہ ’احسان‘ ہم بزم یہاں تویرے ہمارے سفہا ہم

یہ مجلس میں جاتے ، لوگ تعظیم نہ دیتے ، یہ شعر پڑھتے ، لوگ تعریف نہ کرتے ، آخر جل کر کہا :

یاد ہے اس رخ کی سبکو سبھ سے ناصح تو نہ بھٹا
بھٹنا ترک ادب ہے حافظ قرآن کے ساتھ
کب اُٹھے تعظیم کو منع ، اسے تم سو کہو
سی دیے اُس کے سر میں ہیں مسند ایوان کے ساتھ

اپنی غزل جو پڑھتے ہیں ، کہتے ہیں دوستان حضرت بغور سنئے کہ بسیار کرم ہے
جب میں پڑھوں ہوں شمر تو بیچے ہیں کچھریاں کیا ان دنوں میں پھوت کا بازار گرم ہے

سخن حضرت احسان پہ ، عدو سے کہدو پھر اگر ناک چڑھا ئی تو بچا کان فہین
زمانے کی بے قدری کا یوں رونا روتے ہیں :

جو پوچھا میں نے یہ صائب سے میرزا صاحب کہ میں ہوں بے ہودہ گو یا نہیں یہاں انصاف
کہا کہ تو ہے مدار سخن ولے ، احسان ” مدار چشم ازیں کو رہا طنان انصاف “

یقینی تو نہیں کہہ سکتا مگر بظاہر اس قصیدے میں استاد ذوق کی طرت
اشارہ ہے ، کیونکہ قلعے میں ان کو یا تو استاد کہا جا تا یا شیخ صاحب ، یہ میں مافتا
ہوں کہ استاد ذوق بڑے خلیق تھے مگر بعض وقت وہ اپنے خیال میں ایسے معو ہو
جاتے تھے کہ دنیا و مافیہا کی ان کو کچھ خبر نہ رہتی تھی ۔ چنانچہ ایک
دن چلم ہاتھ میں لئے اپنے کابلی دروازے کے مکان سے نکل قلعے چلے آئے ۔ مہکن
ہے کہ ، احسان کے ساتھ بے رخی کی ہو اور انہوں نے یہ واقعہ لکھ مارا ہو ، یہ ماننا
پڑیگا کہ قطعے الفاظ کسی واقعے کی طرت ضرور اشارہ کر رہے ہیں —

کل شیخ کے گھر میں ہی ملا دختر رز سے (ق) کچھ منہ سے نہ بولا مجھے سہماں سہجہکر
تعظیم نہ کی اس خر مغرور نے میری ہم شاعر و ہم حافظ قرآن سہجہکر

تقصیر نہیں اس کی یہ ہے اپنی حماقت کیوں آیا کدھے پاس میں افسان سمجھکر
 بڑھتے بڑھتے غصہ یہاں تک بڑھا کہ اپنے شاگردوں سے بھی بگڑ بیٹھے۔ کہتے ہیں:
 بیٹا نواب بن کر شاعری نہیں آتی، ”حلو خور دن را روے باید“ کچھ محنت بھی
 کرنی پڑتی ہے :

میں نے ’احسان‘ سے کہا خسرو شیریں سخاں دل سے تم رکھتے نہیں مجھ پہ عنایت شاید
 میں تو اصلاح کو لیتا ہوں بامید کہ ہو بزم شیریں سخاں میں مجھے ثروت شاید
 سن کے فرمائیے اگے ”میں تو ہوں حاضر لیکن عشق شیریں دہنی باید و محنت شاید“

اس زمانے میں جو کشمکش مرہٹوں اور ساطنت مغلیہ کے درمیان ہو رہی
 تھی، اس کا بھی پتہ ان کے اشعار سے چلتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شہر مرہٹہ
 گردی سے بالکل تباہ ہو گیا تھا، آسودگی نام کو نہیں رہی تھی، نفسانفسی کا عالم تھا۔
 اے اہل دل خدائی دل نے یہاں دکھائی دلی میں تہاجو دیکھا کوے بقیں میں دیکھا
 میں تو اس شعر کے یہی معنی سمجھتا ہوں کہ اہل دل! آج کل دلی کا یہ حال ہے
 کہ یہاں بتوں کی طرح ہر شخص دھوئے خدائی کرتا ہے اور تباہی و بربادی کے لحاظ
 سے دلی کو اگر کسی سے مشابہ کہا جاسکتا ہے تو وہ ”کوے بقیں“ ہے۔ ایک اور غزل ہے:
 ہصد کرشمہ وہ اکدم جو انجھن میں رہے نہ تاب نالہ ہو دل کو، نہ دم دسں میں رہے
 وہ زلف دیکھ کے زاہد تو ماؤں میں رہے جو کات جائے یہ ناگن تو سن کی سن میں رہے
 اس میں دہلی کا حال لکھتے ہیں :

یہ دلی مردم قابل کا بن تھا، اب لیکن یہ بن کٹی ہے کہ بن مانس ایسے بن میں رہے
 اور دہلی کی اشراں گردی کا رونا اس طرح روتے ہیں :

یہ دور آیا کہ مختاری کو دورے شہ دوراں کی، ہم بقال و بواب
 نہ ہر غرہ کو ہیں غرہ میں حایک بنے ہر سلخ کو قصاب نواب
 بس اب توبہ گناہوں کی کہ تو ہے الہ الہا لہیں غفار و تواب

قلعے کی قباہی کو پردے ہی پردے میں یوں ظاہر کرتے ہیں :

دکھایا زلف کا عالم تو بس میرا یہ عالم ہے اساس صبر برہم ہے ، بنائے عقل درہم ہے
نہیں ہے خرمی زیرِ نگین تاجداراں بھی اگر شاہ جہاں یواں ہے بوائے نامِ خرم ہے
اس شعر میں لطف یہ ہے کہ شاہجہاں بادشاہ کا نام خرم تھا۔

شاہ عالم ثانی کا زمانہ عجیب مصیبت کا زمانہ تھا ، سکھوں کا زور ہوا ،
پتھانوں کا زور ہوا ، مرہٹوں کا زور ہوا ، انگریزوں کا زور ہوا - غرض آئے دن کے
حملوں سے دہلی کے انجر پنجر تھیلے ہو گئے ، امیر ات التا کر فقیر ہو گئے ، حویلیاں
توٹ پھوٹ کر کھنڈر ہو گئیں ، شہر پناہ سے باہر جانا گویا دنیا سے جانا تھا - اس
زمانے میں امیرالامرا ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خاں بہادر غالب جنگ وزیر تھے -
یہ ایران کے شاہزادے تھے ، مگر زمانے کی گردش سے دہلی آ گئے تھے ، وہ گردش یہاں
بھی ان کے ساتھ آئی ، بادشاہ نے ضابطہ خاں کو عہدہ کر کے ان کو وزیر بنایا تھا -
ضابطہ خاں فکحرام مرہٹوں سے جا ملا - تکوچی ہلکر نے دلی پر حملہ کیا اور
سنہ ۱۱۸۶ھ میں نجف خاں کو شکست دے کر دہلی پر قبضہ کر لیا - اب کیا تھا ،
ضابطہ خاں امیرالامرا بنے ، نجف خاں اُدھر اُدھر چھپتے پھرے - اسی زمانے میں
’احسان‘ نے یہ شعر کہے ہیں :

گر تیغ کھینچئے گا ، کھنچے جائے گا میاں ہے گنپتی کا زور ، نجف خاں کا ہو چکا

فوج غم ہلکار کردل پر موعے اے جان من کیا ستم ہے آپ اب ہلکر کے لشکر جائیں گے
نجف خاں کی لڑکی کی شادی ’احسان‘ کے بڑے لڑکے سیف الرحمن خاں سے ہوئی
تھی - اس طرح ’احسان‘ اور نجف خاں سہمدھی تھے - لڑائی میں نجف خاں کی
بہادری دیکھکر ہلکر نے اُن کو اپنے لشکر میں رکھ لیا اور بڑی قدر و منزلت کی -
شاید اسی واقعے کو ’احسان‘ نے دوسرے شعر میں ظاہر کیا ہے

پنجاب میں سکھوں کا زور ہوا ، اس کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں :

چشم و دل، جان و جگر، میں، بحر الفت، ہیں یہ پانچ
ان پہ زلف و خال و خط ہر اک تسلط یاب ہو
صد ہزار افسوس ہے یا پنہتیں، آتھوں پھر
پنچہ کفار میں یوں کشور پنجاب ہو

آخر لارۃ ایک نے سرھتوں کو شکست دے کر مرھتوں کا زور توڑا، بادشاہ کو
کہہنی کے زیر حمایت لیا، جب کہیں جا کر چین چان امن آسان ہوا۔ اس کا ذکر
اس طرح اپنے اشعار میں کرتے ہیں :

ابرو کے بھی اشارے میاں بھول تم گئے ہاں کہہنی کا دروہے تلوار کیا چلے
اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیدے کے لحاظ سے سنی اور ارادت کے لحاظ
سے قادری تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں ایک قطعہ

مذہب

کہا ہے اور خوب کہا ہے :

عید کے دن فلک نے مجھ کو کہا آؤ ہم تم بھی ہوویں ہم آغوش
میں نے غصے سے یہ کہا اس سے کیا تو بکتا ہے بے ادب خاموش
میں غلام مجھ سے عربی مجھ سے تو ہو سکیگا دوش بدوش؟
سن کے سن ہو گیا فلک یہ سخن اور جاتے رہے یکا یک ہوش
بعد اس کے مجھ کے کچھ دال میں بولا بیجا ہے تیرا جوش و خروش
وہیں دکھلا کے پور ہلال عید یہ لگا کہنے چرخ اطلس پوش
تو فقط ہی نہیں غلام 'احسان' میں بھی اس کا ہوں دیکھ حلقہ بگوش
دوسری جگہ لکھتے ہیں :

غلام کہتریں کس کا ہوں دیکھو اے سلاٹک تم گنہ میرے نہ دیکھو، جانب خیر البشر دیکھو

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں لکھتے ہیں :

خگر شراب دل میں ذکر بتاں ہے لب پر میری دعا الہی ہو مستجاب کیونکر
وقت مدد ہے شاہا! کوہ گنہ ہے سر پر سر خاک سے اُٹھاؤں یا بو تراب کیونکر

رتبہ اعلیٰ ہے اس کا صلّ علیٰ ذات مولیٰ علیٰ عجب شے ہے

میں کون ہوں، کیا چیز ہوں، یا شاہ تمہارا جبریل سزاوار ہے گر مدح سرا ہو
ہے حکم خدا سے وہ ترا حکم کہ وہ ہیں پھر جائے ترے حکم سے گر حکم خدا ہو
حل کیجے مرے عقدے عنایات سے اپنی شاہ دوسرا، شیر خدا، عقدہ کشا ہو
دیکھنا کس خوبصورتی سے خلیفہ چہارم کی تعریف کی ہے اور کس خوبی سے
آپ کی فضیلت بیان کی ہے :

پنچہ بر تاب حوارج ہے وہ یار چار میں ہو زماں، ہفت آسماں ہیں جسکو شدد دیکھ کر
پرہا ہوتا ہے 'احسان' میوۂ فصل اخیر میں یہ سبجھا رتبہ والاے حیدر دیکھ کر
اسی طرح خلفائے اول و دوم کی فضیلت کا ایک نیا پہلو نکالا ہے :

مدفن مومن اگر ہو شاہ سرداں میں تو پھر اور ہی رتبہ ہے اس کا خالق اکبر کے پاس
قدر ہو بکر و عہد وہ ہے کہ بعد مرگ بھی منکر دیکھو کہ آسودہ ہیں پیغمبر کے پاس
دلی میں صفدر جنگ کے مقہرے کے سامنے ایک احاطہ ہے، جس میں تعزیے
دفن ہوتے ہیں، اس جگہ کو "شاہ سرداں" کہتے ہیں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ جو یہاں
دفن ہوا وہ یقیناً جنتی ہے۔ اسی خیال پر مضمون بالا لیا گیا ہے۔

حضرت شہید کر بلا کی شان میں کہتے ہیں :

'احسان' خدا کہ دل سے 'احسان' قربان شہید کر بلا ہے

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کو خام عقیدت تھی۔

اور اسی لئے مہرا خیال ہے کہ یہ سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے۔ آپ کی شان
میں کہتے ہیں :

سو بارگر مسیح جلائے تو یوں کہوں بندہ غلام عیسیٰ جیلان کا ہو چکا

شہ جیلان کے مرقہ کونہ دیکھوں اک دن اور فرقت کی ہمیشہ شب تار آے نظر
جسکے دیکھے سے مرے بخت سیہ ہو ویں سپید یا الہی مجھے وہ سبز مزار آے نظر

کیا کروں سلطنت جم کو کہ جم جم ہو نصیب آستان شہ جیلان کی گدائی مجکو
نثار خاک پاک شاہ جیلان کیوں نہ ہو احسان نواسہ وہ نبی کا اور پوتا وہ علی کا ہے
ایک مشہور رباعی ہے :

اے خالق ہر بلند و پستی شش پیڑ عطا بکن زہستی
علم و عہل و فراخ دستی ایہان و امان و تند رستی
اس رباعی پر ان کی بھی ایک رباعی ہے :

شاہ جیلان مدد بہ حق حیدر حاصل ہوں یہ سات مجکو مقصد یکسر
ایہان و امان و جنت و حور و قصور دیدار خدا شفاعت پیغمبر
یہ تو میں نے چند اشعار نقل کر دیے ہیں، ورنہ دیوان میں جا بجا
یہ مضمون آیا ہے —

معلوم ہوتا ہے کہ اہل اللہ سے ان کو خاص عقیدت تھی۔ کرفال میں سپہ علی
المتخلص بہ حسینی کوئی فقیر کامل تھے، ان کو لکھتے ہیں :
صبا گزر ہو اگر تیرا جانب کر ناں یہ عرض کیجو حسینی سے تو پس از آداب
کہ میں ہوں تشنہ، تو فرزند ساقی کوثر شراب کو ہوں ترستا جہاں تہاں ہے سراب
تو گر شراب حقیقت ہزار خم داری سبک بیا و منے خاکسار را در یاب
یہ وہ زمانہ تھا کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں مرجع
خلائق بنے ہوئے تھے۔ حافظ 'احسان' کو بھی ان سے خاص تعلق تھا، ان کی تعریف

میں لکھتے ہیں :

اے خامہ پختہ کار احسان اے کلک گہر نثار احسان
 آن بہ کہ گہر نثار سازی ہر مالک ملک دل نوازی
 اسہش عبدالعزیز خواندہ در مصر وفا عزیز داندہ
 آنانکہ کند عزم عزت خواندہ عزیز در عزیمت
 ابن ولی و ولی مولا تاج عرفا ، عزیز دہا
 سر دفتر اصفیای افضل سر کردہ اتقیای اکمل
 شمس العہار بدر اسلام فخر القضا و صدر ایام
 صدرش زعلوم دیں لہالب جامش زمئے یقیں لہالب
 حسان عرب زقر زبانی سبحان عجم بہ خوش بیانی
 دہلی دہ بود ما چودھقان زان کل گشتہ ہمہ گلستان
 زان دہ منور است این شہر در دہر ندیدہ کس چنین شہر
 چوں او شدہ تکیہ گاہ دہلی ہمسنگ بکوہ ، گاہ دہلی
 ز آوازہ اوست کام بردہ دہلی کہ دہل بہام بردہ
 علہش ہمہ دان نمود مارا ہم راہ خدا نمود مارا
 زان باغ صفا کسے کہ بر خورد از نفل حیات خویش بر خورد
 خورد است کسیکہ بوسہ زان پا آداب خضر نہ خورد اصلا
 خورد نہ شہاں جہاں فانی او خورد بہشت جاودانی
 حرفیکہ از آن دہن بر آید کج باز بر استی در آید
 تیغ آختہ از زبان کفار ما اعظم شافک اے نکو کار
 پیشش چہ بود کمال طوسی چوں مور بطاس ، دل طوسی
 از منطق خوش بخوش عیانی ذات تو نتیجہ معانی
 یک غنچہ زباغ تو ریاضی اے گل تو بہار ابن رازی

آ فائکھ عقول عشرہ خوانند پس یازدہم ترا بد اند
اے وارث انبیاء اصدق اے فائبا اریاء برحق
دارم زعنایتت رجائے لہ بہ حق من دعائے

اس مدح کو تقریباً پورے کا پورا میں نے اس لئے لکھ دیا ہے کہ 'احسان' کے
فارسی کلام کا بھی اندازہ ہو سکے —

پیران طریقت کی صحبت میں ان کو یہاں تک غلو تھا کہ وہ سجدہ تعظیمی
کو جایز سمجھتے تھے۔ ذرا دیکھیے گا، کیا خوبصورت وجہ قائم کرتے ہیں اور اس
سجدے کے منکروں کو کس خوبی سے شیطان بنا تے ہیں :

تعظیم جذاب اریا ایماں ہے ہے مظهر حق وہیں جہاں انساں ہے
کر سجدہ تعظیم بزرگوں کو ضرور آدم کو جو سجدہ نہ کرے شیطان ہے
قادریہ سلسلے میں تھے : اس لئے حال قال کی مجلسوں سے ذرا پرہیز کرتے
تھے، چنانچہ ایسی مجلسوں پر یوں چوٹ کرتے ہیں :

راگ سنتا ہے دل سے اے مرغے فہ سنا دھیان سے اذان کو حیف

مجلس کا حال ہم کو ہے معلوم شیخ جی اب فاج ہے زمانہ ماضی میں حال تھا
دیوان دیکھنے سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ شاہ 'ابوسعید' کوئی بزرگ تھے، اُن کے
مرید تھے، چنانچہ اپنے پیر کے انتقال کی تاریخ یوں لکھتے ہیں :

از حج فراخ یا فتنہ در وہ وفات یافت در روز عید مرشد من شاہ بو سعید
احسان چو ذات باہرکاش سعید بود تاریخ گفت در عربی "ذاتہ سعید"

۱۲۵۰ ہجری

یہ وہ زمانہ تھا کہ غیر مقلدین کا دلی میں زور تھا ادھر حضرت سید احمد

شہید ۱۲۴۹ھ میں سکھوں کے خلات جہاں پر کھڑے ہوئے، اُدھر ان کے خلیفہ حضرت شاہ اسماعیل نے دلی میں مغلدین کے لباس، طرز و روش اور خیالات پر حملے شروع کئے، کچھ لوگ اُدھر ہو گئے، کچھ لوگ اُدھر - حکیم مؤمن خان 'مؤمن' نے جہاں کی تاریخ کہی :

وہ شاہ مہلکت ایہاں کہ جس کا سال خروج امام برحق مہدی نشان علی فرمے
 ۱۲۳۷ھ
 ان مجاہدین نے پشاور فتح کر لیا، پنجاب کی طرف بڑھے، سکھوں نے ان سے سرحدیوں کو تور لیا، سید صاحب کو شکست ہوئی اور وہیں شہید ہوئے۔ مخالفین تو موجود ہی تھے، انہوں نے تاریخیں کہیں، مذاں اُڑایا، چنانچہ شاہ نصیر دہلوی کا قطعہ ہے :

کلام اللہ کی صورت ہوا دل ان کا سیپارہ فہ یاد آئی حدیث اُن کو، نہ کوئی نص قرآنی
 ہرن کی طرح میدان و غامیں چوکتی بھولے اگرچہ تھے دُم شملہ سے وہ شیر فیستقانی
 عبدالرحمن خان 'احسان' بتائے ہو چکے تھے، انہوں نے جہاں یا شکست پر تو
 کچھ نہیں لکھا، ہاں ان کو مجاہدین کی ظاہر پرستی بڑی معلوم ہوئی، اسی پر
 ایک چھوٹا سا حملہ کر دیا :

واعظا میرا تکفر بہ تعصب مت کر کہ تشہد کا بدل کرتا ہوں اقرار مدام
 نفرت وجبہ و عمامہ سے کیا کام مجھے مجھے ان کاروں سے البتہ ہے انکار مدام
 مخالفت کی انتہا تو اس شعر میں کر دی ہے، شاہ سہمد اسماعیل (رح) نہاں پر بہت
 زور دیتے تھے، مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر مسجد میں لے جاتے، کسی کی لمبیں بڑھی ہوئیں
 تو زہر دستی سر بازار قینچی سے کتر دیں، پیچامہ تھنے سے نیچا ہوا تو وہیں
 نہاں کر برابر کر دیا - ایسی حرکتوں پر 'احسان' نے جل کر کہا ہے :

ہمیں تو روزہ اس ایام نفس میں ہے ضرور نہاں پڑھتے ہیں جب ہم کہ بے نہاں ہو تم
 ذرا اس قطعے کو سنئے - غیر مغللوں کو کیسی کھری کھری سنائی ہے اور
 حکیم مؤمن خان مؤمن پر کیا صحت ہاتھ مارا ہے :

احسان کا لکھنؤ جانا | خہخانہ جاوید میں لکھا ہے کہ حافظ عبدالرحمن خان 'احسان' بزمانہ وزارت نواب اعتدال الدولہ سید فضل علی خان دہلوی لکھنؤ بھی گئے تھے، مگر وہاں ان کے کمال کی قدر نہیں ہوئی، اس لئے نا کام واپس آئے۔ مجھے بڑا تعجب تھا کہ ایسا بڑا اسیر دہلی چھوڑ کر نوکری کی تلاش میں لکھنؤ کیوں گیا۔ کوئی شاعری پر تو اس کا گزارہ تھا ہی نہیں، پھر بلا وجہ وطن سے آوارہ ہونے کی اس کے دل میں کیوں سجائی، آخر تھوند تے تھوند تے پتہ لگ ہی گیا۔ اس واقعے کو میں ذرا وضاحت سے لکھتا ہوں اور یہ بھی اچھی طرح بتا دیتا ہوں کہ یہ سید فضل علی خان کون تھے، ان سے کیا توقعات تھیں اور انہوں نے کیا کیا —

جب غازی الدین حیدر کو بادشاہ بننے کا شوق ہوا تو انہوں نے رزینات کے ذریعے سے کمپنی کو گانتھنا شروع کیا۔ کمپنی تو خدا سے چاہتی تھی کہ کسی طرح اودہ کا دہلی سے رشتہ ٹوٹے۔ وہ فوراً ان کو بادشاہ بنانے پر راضی ہو گئی، ساتھ ہی اکبر شاہ ثانی کو لکھا کہ آپ شاہنشاہ ہیں، اگر آپ کا ایک وزیر بادشاہ ہو جائے تو کیا ہرج ہے۔ بولا بھارے اکبر شاہ کیا اور ان کی رائے کیا، جو کمپنی بہادر نے کہا وہ انہوں نے قبول کیا۔ غرض ۱۸ ذی قعدہ ۱۲۳۵ ھ مطابق ۱۸۱۸ ع کو غازی الدین حیدر بادشاہ اودہ بن گئے۔ انہوں نے اکبر شاہ کو بہت کچھ تحفے تحائف بھیجے اور اسی نامہ و پیام میں سید فضل علی خان لکھنؤ پہنچ گئے —

فضل علی خان سید اور پکے سید تھے۔ جب شاہ جہاں نے شاہ جہاں آباد بسایا تو چار خدمتوں کے لئے مکہ معظمہ سے چار نجیب الطرفین سید بلوائے ایک کو جامع مسجد دہلی کا امام کیا، دوسرے کو امام عید گاہ بنا دیا، تیسرے کو فیلمانی کا پیشہ اور چوتھے کو حجامت بنانے کا کام سکھایا۔ پہلی تین خدمتوں کے لئے تو سیدوں کی یوں ضرورت پڑی کہ بادشاہ کو ان کے پیچھے کھڑے ہو کر دیکھنا

جڑتا تھا۔ اور چوتھی خدمت کے لئے سید کی اس لئے حاجت ہوئی کہ بادشاہ کو اس کے سامنے سر جھکانا ہوتا تھا —

جن سید صاحب کو فیلبان کیا گیا تھا، ان کی اولاد میں سید فضل علی خاں تھے۔ بھلا یہ بادشاہ سلامت کی سفارش لے کر جائیں اور لکھنؤ میں ان کی آؤ بھکت نہ ہو، جاتے ہی وہاں داروغہ ہو گئے اور تھوڑے ہی دنوں میں انہوں نے معتمد الدولہ وزیر کو کچھ اس طرح ہاتھ میں لیا کہ سب جزو کل کے مالک بس یہ ہی تھے۔ یہ اس بلا کے سخت تھے کہ خدا کی پناہ، اور ساتھ ہی جوڑ توڑ کا وہ مادہ ان میں بھرا تھا کہ توبہ ہی بھلی۔ ایک دن ولیعہد بہادر نے سات روپے میں ایک کھوتر کا جوڑا خریدا اور ان کو لکھ بھیجا کہ روپیہ ادا کر دو۔ انہوں نے روپیہ دینا تو کیسا رقمے کا جواب تک نہیں دیا۔ ایسی ہی باتوں سے محل والوں نے ان کی اکھاڑ پچھاڑ شروع کی۔ آخر ۱۹ - معمر ۱۲۳۸ھ کو اکھنڈ سے بھاگ سیدھے دہلی آئے اور کچھ دنوں یہاں رہ کر بنارس چلے گئے۔ نصیر الدین حیدر کے زمانے میں ان کی قسمت نے پھر پلٹا کھایا، بلائے گئے، اعتماد الدولہ خطاب ملا اور وزیر کر دیے گئے۔ 'ناسخ' نے ان کی وزارت کی تاریخ 'دھت دھت بوی بوی' (۱۲۴۲ھ) سے نکالی۔ (ہاتھی کو چلانے کے لئے سہارت، دھت دھت، اور روکنے کو، بوی بوی، کہتے ہیں)۔ ان کے تعلقات رزیدنسی سے بہت اچھے تھے، ہر بات میں بادشاہ کو دباتے اور جو کاغذ رزیدنٹ ان کو دیتا اس پر بادشاہ کے دستخط لے آتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام شاہزادے اور اسرا ان کے خلاف ہو گئے اور سوچتے سوچتے یہ ترکیب نکالی گئی کہ اکبر شاہ کے ذریعے سے سید صاحب کو کچھ افہام و تفہیم کی جائے۔ چپکے چپکے کاغذی گھوڑے دوڑائے گئے اور حافظ عبد الرحمن خاں، 'احسان'، جواب کی شکل میں لکھنؤ آئے۔ چونکہ رزیدنٹ کے خاص الغاس آدمی کے خلاف یہ کارروائی ہو رہی تھی، اس لئے حافظ صاحب نے اپنی اصل غرض کو چھپا کر یہ مشہور کیا کہ میں فوکری کی تلاش میں آیا ہوں، مگر سید فضل علی خاں بھی دلی والے

تھے، وہ ان ہتکندوں کو خوب سمجھتے تھے۔ ان کی صورت ایک لڑکی تو ان کے ساتھ لکھنؤ میں تھی، باقی دو بیٹیاں اور سارے کا سارا خاندان دہلی میں تھا۔ اگر اکبر شاہ کا کہا نہیں سافقتے تو مشکل اور مانتے تو مشکل۔ انھوں نے ترکیب یہ کی کہ حافظ عبدالرحمن خاں سے ملاقات کر نے ہی سے انکار کر دیا۔ حافظ جی بھی بڑی چلتی رقم تھے، انھوں نے سید صاحب کے والد سید غلام حسین کو گانتھنا شروع کیا، اسی زمانے میں سید غلام حسین نے ایک مسجد مفتی گنج میں بنوا ئی تھی، انھوں نے اس کی تاریخ کہی، وہ تاریخ میر صاحب کو ایسی پسند آئی کہ کندہ کرا کے مسجد کی روکار میں لگوا دی، تاریخ یہ ہے:

جذاب سید عالی نسب غلام حسین خدا ز فضل علی مقصدش قبول کند
 بساخت مسجد و تاریخ آن بگفت احسان نماز بندہ دریں جا خدا قبول کند
 ۱۲۳۲ھ
 یہ سب کچھ ہوا، مگر سید فضل علی خاں سے ملنا نصیب نہ ہوا۔ جب اس طرح کام نہ چلا تو سید صاحب کے خسر نواب صادق علی خاں پر تورے قائلے شروع کئے۔ وہ بھی اپنے داماد سے کم نہ تھے، وہاں بھی دال نہ گلی اور انھوں نے بھی ملنے سے انکار کر دیا۔ حافظ جی ان کو ایک رقعے میں لکھتے ہیں:

کہیو نواب سے اے مخلص صادق میرے شہر میں تیرے عجب طرح کا دیکھا ہے رواج
 فام احسان سے یہاں فنگ ہے آتا سب کو تنگ ہوں، میری ملاقات نہ کل تھیری نہ آج
 فرض کردم کہ بیاد تو دالم خر سندا است لیکن این دیدہ دیدہ و طلب راچہ علاج
 آخر جب ملنے کی کوشش کرتے کرتے تھک گئے تو صلواتوں پر
 اتر آئے۔ ذرا دیکھنا کس طرح اپنے جلے دل کے پھپھو لے پھوڑے ہیں اور کس طرح
 ان کی فیلبانی پر چوٹ کی ہے:

صبا یہ کہیو تو فضل علی سے اے نواب کہ قدر نعمت احسان نہ تم نے سمجھی حیف
 جو اپنی فیل سواری کا آپ کو بھگھنڈا شروع کر تا ہے بلندہ بھی پھر الم تر کیف
 سید فضل علی خاں نے اس پر بھی ان کو نہ بلایا، اب کیا تھا، انھوں نے واقعی

”الم ترکیف“ پڑھنی شروع کی، یعنی یہ کیا کہ نصیر الدین حیدر سے مل سید صاحب کے کرتوتوں کا کچا چٹھا جا سنایا، اب کیا تھا، نواب آگ بگولا ہو گئے۔ ادھر انہوں نے کان بھرے ادھر محل والوں نے شکایتوں کے دفتر کھولے، نتیجہ یہ ہوا کہ بچارے سید فضل علی خاں عتاب شاہی میں آگئے اور چند ہی روز میں اسی صدمے سے ۱۹ شوال ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۸۲۹ ع کو دنیا سے رخصت ہوئے اور حافظ عبدالرحمن خاں ’احسان‘ اس طرح ایک ”صاحب فیل“ کو ٹھکانے لگا دھلی آگئے۔ اس واقعے سے نہ صرف ان کے لکھنؤ جانے کا حال معلوم ہوتا ہے، بلکہ مسجد کی تاریخ اور سید فضل علی خاں کے انتقال کی تاریخ ملا کر دیکھنے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہاں ان کا قیام کوئی سال بھر کے قریب رہا اور یہی وجہ تھی کہ لکھنؤ کے بعض الفاظ ان کی زبان پر چڑے گئے تھے اور بلا ارادہ ان کی قلم سے نکل جاتے تھے۔ ان کا ایک شعر ہے :

بوسہ مانگا ہم نے دھماکر تو یوں کہنے لگا اے تو دھماکی سے توہاری کیوں نہ ہم درجائیں گے
ایسے موقع پر ”اے تو“ کا لفظ صرف وہی لوگ استعمال کر سکتے ہیں جو کچھ دنوں لکھنؤ میں رہے ہوں۔ لفظ تو لفظ دوسرے مصرع کی پوری بندش اور ترکیب خاص لکھنؤ والوں کی ہے —

شاگرد | یوں تو سارا قلعہ ہی ان کا شاگرد تھا، مگر ان کے دشاگردوں نے استاد کی درجہ حاصل کیا۔ ایک شاہزادہ معزالدین ’ثابت‘ اور دوسرے صاحب عالم مرزا قادر بخش ’صابر‘۔ ’ثابت‘ تو وہی ہیں جنہوں نے ان کے دیوان کا دیباچہ لکھا ہے اور ان کے متعلق خود ’احسان‘ کے بعض شعر دیوان میں موجود ہیں۔ مثلاً :

غزل نہ کیونکہ پڑھوں دوسری کہ اے ’احسان‘ معرک آج ہے ’ثابت‘ سا میرزا میرا

اور صابر وہ ہیں، جنہوں نے ان کے مرنے کی تاریخ کہی ہے اور اپنے تذکرہ ”گلستان سخن“ میں استاد کی سچی تعریف کر کے حق شاگردی ادا کیا ہے۔

صابر کو ایک خط کا جواب اور عید الضعی کی تہنیت اس طرح دیتے ہیں:

صباہ صابر رشک صبوری و صبری یہ کہیو - پیری طرت سے کہ اے بلند مقام
وہ قطعہ قاطع صفر اے غم جو بھیجا تھا پڑھا ہے اس ترے مغصہ نے حوت حوت تھام
پسند خاطر 'احسان' نہ کیوں ہوں تیرے سخن کہ تو سلیم طبیعت ہے اور کلیم کلام
یقین ہے، تو وہ تیرے سخن کا درد آلود بساں 'فدوی' و 'تاباں' میں تیرے چند غلام
اگرچہ کام دو صد ہوویں ملحق یک تن جو کام کا ہے وہ اک دل کو کب رکھے فاکام
حقیقتاً ہے کہ اصلاح رو برو ہے خوب یہ خوب سمجھو کہ ہے خوب کا تو خوب انجام
نہیں ہے شبہ کہ استاد بھی ہے مثل پدر شفیق و خیر طالب، باعث نکوئی نام
نصیب تجھ کو ہو یارب سعادت ابدی سعید تجھ کو یہ عید الضعی عایک سلام

عبدالرحمن خان 'احسان' واقعی اپنے شاگردوں کو اپنے بچوں کی طرح چاہتے
تھے اور بعض خاص خاص شاگردوں سے تو یہاں تک یگانگت تھی کہ ان کے دُور میں
ان سے پردہ تک نہ رہا تھا۔ ان کے چار شاگرد مرزا معزالدین 'ثابت' مرزا قادر بخش
'موڑوں' مرزا پیارے 'رفعت' اور مرزا قادر بخش 'صابر' ان کے گھر میں بلا تکلف
آتے جاتے تھے۔ استاد نے بھی شاگردوں کی تربیت میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رہی
اور ان چاروں کو صاحب دیوان ہی نہیں، استاد کر دیا۔

اپنے بیٹوں کو نصیحت | ان کو جس طرح اپنے شاگردوں کا خیال تھا، اسی طرح اپنے
گھر والوں اور خاص کر اپنے بیٹوں کا بھی تھا۔ اپنے دلنوں

بیٹوں سیف الرحمن خان اور عبدالحکیم خان کو نصیحت کرتے ہیں :

اے نور دو چشم و جان 'احسان' اے عبد حکیم و سیف رحمن
چوں حفظ کلام حق نہودید از خلد درے برخ کشودید
ہر ہفتہ کلید ختم قرآن ہر ہفت چنبی کلمہ مردان
سیپارے اوست چارے دل چوں ہشت بہشت ہفت منزل
باشید نہ در جہاں ملوث گردید مفسر و محدث

اپنے اعمال کی شکایت اور شعر کوئی کی مذمت کرتے ہیں :

بر خود کردم ز جہل بیداد جدے بکنید ہم چو اجداد
در علم و عمل چو من مہاشید معو شعر و سخن مہاشید
خاطر نہ کنید زیں پریشان دیوانگی است جمع دیوان
کو قدر شناس آن نہاند نہ عیسیٰ رفت و خراں بہاند نہ
ہر طور سخن منم کلیہے بخشند نہ این خساں کلیہے
کو شا ہچہاں بزر کہ سنجید عیب است ہنر، ہنر کہ سنجید
سنجیدہ سخن بگفتم اے وا مداح شہے شوم کہ حقا
در خلد بیک نفس رساند صد قصر ز مردم دہاند
بر تخت بہشت جاگزینم صد تاج شرت بسر ببینم
این زندہ دگر دلا شلیدی فرمود کہ لا تخف مریدی

یہاں سے حضرت غوث پاک کی مدح شروع ہو جاتی ہے —

احسان کی شکل و صورت	’احسان‘ کی شکل و صورت کے متعلق اب تک بڑی غلط فہمی
دیگر حالات	رہی ہے۔ شاہ ’نصیر‘ کے اس شعر کو ان سے متعلق کر کے

خیال کیا جاتا ہے کہ وہ بڑے کالے کلوٹے تھے :

اے خال رخ یار تجھے ٹھیک بناتا جا چھوڑ دیا حافظ قرآن سچہہ کر
مگر اب جو ان کی تصویر دیکھی اور آغا حیدر حسن صاحب کی یاد
داشتوں سے اس کا مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ ’احسان‘ نہایت خوبصورت آدمی
تھے۔ بہت سرخ و سفید رنگ تھا۔ نہچی سفید داڑھی تھی، مگر چوہدری۔ کٹر میں
سفید نیچا کرتا، ایک بر کا سفید پیجامہ اور سفید چو گوشہ ٹوپی پہنتے تھے۔
جب دربار میں جاتے تو کھڑکی دار پگڑی اور چپکن پہن کر اور کمر سے پتکا
لپیٹ کر جاتے —

آغا صاحب کی یادداشتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کچھ دنوں یہ دہلی کے

وزیر بھی رہے تھے۔ دی تاسی کے تذکرہ شعرا کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۸۴۷ء میں ان کو دہلی کے دربار میں ایک بہت بڑی انتظامی خدمت سپرد ہوئی تھی۔ شاید یہی زمانہ ان کی وزارت کا ہو۔ جس کو دی تاسی نے 'بہت بڑی انتظامی خدمت' کہا ہے، لیکن یہ وزارت تھوڑے ہی دن رہی اور اس کے بعد حکیم احسن اللہ خاں وزیر ہو گئے۔

انتقال | عبدالرحمن خاں 'احسان' مصمم الدولہ شہامت جنگ نے ۸۵ برس کی عمر پاکو سنہ ۱۲۹۷ ہجری مطابق سنہ ۱۸۵۱ء میں دہلی سے کوچ کیا۔ اور درگاہ خواجہ باقی باللہ کے اندرونی احاطے میں دفن ہوئے۔ ان کے ایک لڑکے سیف الرحمن خاں اور پوتے احمد حسن خاں بھی ان کے پہلو میں آسودہ ہیں۔

عبدالرحمن خاں اور سیف الرحمن خاں کی قبروں پر کوئی کتبہ نہیں ہے، البتہ سنگ سرخ کے تعمیروں سے بآسانی پہنچانی جا سکتی ہیں۔

مرزا قادر بخش 'صابر' نے 'احسان' کے انتقال کی تاریخ کہی ہے اور خوب کہی ہے :

تنگ نالے دہر فانی سے ہوں دل برداشتہ ہے جنوں انگیز و حسرت خیز یہ وحشت سرا
رفتمہ رفتہ ساکنان خاک ہیں گرم سفر راہ چلنے میں نہ دن کا فکر، نے تر رات کا
حضرت احسان کہ وہ تھے گلستان دہر میں طوطی شکر سقاں و عذد لب خوش نوا
قدوۃ ارباب فضل واسوۃ اہل کمال قبلۃ اصحاب علم و کعبۃ اہل صفاء
معدن فرزا نگہ، استاد شاہنشاہ عصر عہدۃ ارکان دولت پیشواے اصغیا
نسخۃ ارشاد و عرفان، آیت لطف و کرم معنی ظہید رحمن، صورت جود و سخا
ہائے اس مصیbam ظلمت سوز بزم دہر کو صرصر جور اجل نے کس طرح گل کردیا
اس کے مرنے سے جدھر دیکھو ادھر کس کس طرح حسرت و اندوہ کا ہنگامہ برپا ہو گیا
عین ہنگام الم میں 'صابر' دلگیر نے اپنے دل کو تھام کر باصد غم و باصد بکا

کی رقم اس معدن 'احسان' کی تاریخ وفات دل گیا بیعتہ آج جب عالمہ احسان اٹھ گیا

ان کے کلام کے کیا کہنے ، استادانہ کلام ہے ، روانی غضب کی ہے ، الفاظ ایسے کلام بیٹھتے ہیں جیسے انگوٹھی میں نگینہ - استادوں کی غزلوں پر غزلیں کہی ہیں اور خوب کہی ہیں - عمر ایسی بڑی پائی تھی کہ میرے لگا کر ذوق تک کے اہل کمال سے صحبت رہی - مرتے دم تک کوئی مشاعرہ نہ تھا جو ان سے ناغہ ہوا ہو - اس زمانے کے منہ بہت لوگ ، ذرا غلطی ہوئی اور انہوں نے تو کا ، ایسوں کے مقابلے میں غزل پڑھنا آسان کام نہ تھا ، پورے طرح تیار ہو کر جانا ہوتا تھا ، اسی لئے استاد کے کلام پر پورا عبور حاصل کرنا پڑا - ادھر اعتراض ہوا اور ادھر سند دی - ذرا چپکے ہوئے اور گئے گزرے ہوئے - بہر حال اس زمانے کا جو رنگ تھا اس میں استاد کامل تھے - ان کا قلعے سے واسطہ تھا - قلعے کا یہ حال تھا کہ وہاں دو رنگ ہو گئے تھے - ایک وہ اوگ تھے جنہوں نے دلی کبھی نہیں چھوڑی تھی - دوسرے وہ تھے جو لکھنؤ کا چکر لگا کر آئے تھے - شاہ عالم ثانی کے زمانے سے دلی کے شاہزادوں کا لکھنؤ آنا جانا شروع ہوا - کچھ تو وہیں رہ گئے ، کچھ ایسے تھے کہ کبھی یہاں رہتے کبھی وہاں - آپس کے شادی بیاہ سے آمد و رفت کا یہ سلسلہ اور بڑھ گیا - اس زمانے میں لکھنؤ میں رعایت لفظی کا بڑا زور تھا - اس کا اثر انہی شاہزادوں کی وجہ سے قلعے کی زبان پر ہوا - احسان کا تعلق قلعے سے تھا - شاہزادے ان کے شاگرد تھے ، یہ خود بھی لکھنؤ میں سال بھر رہ کر آئے تھے - نئی چیز سب کو پسند آتی ہے - انہوں نے بھی صنائع لفظی کو اختیار کیا ، یا یوں کہو کہ اختیار کرنا پڑا - نتیجہ یہ ہوا کہ سارے کا سارا دیوان لفظی صنعتوں کا میڈا بازار ہو گیا - استاد ذوق پر بھی اس صحبت کا اثر ہوا ہے ، لیکن ان سے کم - مؤمن بھی اس چکر میں آئے ہیں - غالب کی زبان سے بھی ایسے مصرعے نکل ہی گئے :

ہیبت کیوں نہ توٹ گئے پیر زن کے پاؤں

میں تو میں خود ان کے شاگرد بھی اس لفظی الجھاؤ کو اچھا نہیں سمجھتے ہیں۔ چنانچہ مرزا قادر بخش صابر اپنی کتاب گلستان سخن میں لکھتے ہیں :

”کلام قدما کی مزاولت سے صنائع لفظی کی طرف اکثر عنان توجہ معطوت اور طبیعت فیض طوینت ایسے امور غرابت دستور کی جانب نہایت مالموت تھی۔ اور ارباب ذوق جانتے ہیں کہ اس طرح کے قیود صفائی کلام اور آمد سخن سے مانع اور ابائی سباق اور روانی عبارت سے عائق ہوتے ہیں۔“

مرزا صاحب یہ سب کچھ کہہ گئے مگر آخر آتے شاگرد اس قدر کہنے کے بعد بھی استاد کا پایہ کرنے نہ دیا، آگے چل کر فرماتے ہیں :

”لیکن اہل انصاف کہ طبیعت کو جو آئینہ صاف اور ضمیر آفتاب تنویر کو بے اعتساف رکھتے ہیں، بے شائبہ تکلف فرمائیں گے کہ اتنے تکلف پر سخن کتنا بے تکلف ہے۔“

نواب مصطفیٰ خان شیفتہ نے بھی اپنے گلشن بیخار میں ان کی صنائع لفظی کو ضرورت سے زیادہ بتایا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں —

”اشعار عاشقانہ اس ناخن بدل زن است - در صنائع لفظی مانند جناس و اشتقاق و طباق وغیرہ آن از حد فزون دارد۔“

ان کے کلام کے متعلق لالہ سریرام صاحب کی وہی رائے ہے جو مرزا قادر بخش صابر کی ہے۔ یعنی ”الفاظ کی شستگی اور ہر جستگی میں بڑی کوشش کرتے اور مغلق الفاظ، پیچیدہ ترکیبوں اور تکرار اضافت سے پوہیز کرتے تھے۔ رعایت لفظی کے بڑے شائق تھے، تاہم طرز بیان نہایت صاف، سہل اور بے تکلف ہے۔“

آگے کلام دیکھنے سے اس رائے کی پوری تصدیق ہو جائے گی۔ یہاں رعایت لفظی صرف نمونے کے طور پر چند اشعار دیتا ہوں، تاکہ معلوم ہوسکے کہ

باوجود رعایت لفظی کے ان کے اشعار نہ پیچیدہ ہوتے ہیں اور نہ روانی میں فرق آتا ہے۔ ہاں پھسپھسے ضرور ہو جاتے ہیں —

دب ہلب - لب سے ترے جب لب پیمانہ ہوا جاں بہ لب تو ہی مجھے کہہ میں ہوا پانہ ہوا
دیکھتے کیا غم کا زور ہے :

بے غم ہیں ہر ایک غم سے نہیں غم کا ہمیں غم کیا غم ہو کہ غم تیرا ہے غم غوار ہمارا
اور اس شعر میں پیرو کو کیا چکر دیا ہے :

قر اپنے پیرو سے ' بے پیرو! پیرو پیرو نہ کر کہ تیرے پیرو کے وعدے نے مجھ کو پیرو کیا
اور اس شعر میں دیکھتے بار کتنی بار آیا ہے :

بار غم بتاں سے نجات اب کی بار ہو بار دگر نہ ہو گا یہ بار خدا کناہ
اور اس رعایت لفظی میں جوے کی بازی کو ملاحظہ کیجئے :

بازی عشق وہ جیتا نہ جیا جو کہ یہاں جو کہ جیتا ہے سہی جان وہی ہار میں ہے
اس شعر کو دیکھتے کیا ہنگامہ مچایا ہے :

معتسب ہنگامہ آرائی یہ بے ہنگام ہے یہ ہنگام قدح نوشی و ہنگام شراب
تجذیس خطی کی مثال بھی ملاحظہ ہو :

تجھ کو خبر نہیں یہ نتیجہ ہے جاہ کا تیجہ بھی تیرے عاشق بیجاں کا ہو چکا
پس فاقہ آتا ہے اک شخص گریاں یہ مجھل سا کہہ دیجو مجھل نشیں کو

سخت زمینیں | ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے کہ سخت زمینوں میں غز لیں کہنا
استادی کی شان سمجھا جا تا تھا ، شاہ نصیر اس رنگ کے بادشاہ تھے ،
وہ تھیرے ان کے مد مقابل - یہ کیا چپکے رہنے والے تھے - ایسی ایسی سخت
زمینیں لی ہیں کہ خدا کی پناہ - لطف یہ ہے کہ ہاوجود اس دقت کے نہ کبھی ان
کا شعر مغلق ہوا اور نہ کبھی تعقید کی ایسی العہنوں میں پھنسا کہ ان کا سلجھانا
مشکل ہو - اب رہا ان کا اصلی رنگ یعنی صنائع لفظی تو وہ یہاں بھی
موجود ہے - پوری کی پوری غزل لکھے دیتا ہوں : انصاف شرط ہے ، بھلا ایسے
کو استاد نہ کہے تو کس کو کہے۔

- ۱- سنگ بیکداری سے دن کو سرے یکسر توڑا مول اس لعل کا تو نے بت کافر توڑا
- ۲- تیری دیوار سے سر اپنا سراسر توڑا نخل الفت سے ٹہر ہم نے یہ دل بر توڑا
- ۳- دل صد چاک ہی پوچھی جو خبر ہم نے وہیں گل صد برگ مرے سامنے لاکر توڑا
- ۴- نالہ وآہ بھی اب تو ہمیں نکلتے رہے خافہ دل پہ لگا تیرا ستم کر توڑا
- ۵- سادگی ہی نے تری قتل کیا تھا کافر تیرے زیور نے ستم اور ہی دلبر توڑا
- ۶- سرکیاں تیری غضب اور یہ بالا ہلا قہر زنجیر ، ستم جگنی ہے کافر توڑا
- ۷- جب سنا مرھی گیا آج مرا حلقہ بگوش کو ہر حلقہ بیلی وہیں رو کر توڑا
- ۸- تیری دولت سے مرے کشور دل میں اب نو مشک و عنبر کا نہیں زلف معنبر توڑا
- ۹- تھک توڑا دلے طلائی وہ کہاں ہے مفلس تور کا جس کو نہیں یار میسر توڑا
- ۱۰- یاد - زگاں میں دم فصد ترے عاشق نے دم ہی نشتر کے نکلنے کے ہر ابر توڑا
- ۱۱- ہاتھ پھنچے نہ ترے پاؤں تلک میرے کبھو حیف یوں لپٹے ترے سر سے ستم کر توڑا
- ۱۲- ہاتھ افسوس سے ملکر وہیں فساد نے آہ پائے تدبیر جو توڑا ، سر نشتر توڑا
- ۱۳- گولے گل میں نے جو پھینکی کہیں پھنچے گولگی ق اس ادا نے تو پھر ایک قہر ہی مجھ پر توڑا
- ۱۴- پھنچے کو ہاتھ پہر کھد کو بہ نراکت بولے ہاتھ ٹوٹے نے مرے ہاتھ کو آ کر توڑا
- ۱۵- گریٹہ وآہ جگر سوز سے پھوڑا دل کو

آتش و آب سے 'احسان' نے یہ یتھ توڑا

غرض ۱۵ شعروں میں توڑے کے جتنے مختلف معنی ہیں سب لکھ دیے ہیں -

غزل کیا ہے ، فرہنگ آصفیہ کا خاصہ ایک ٹکڑا ہے -

اس سے زیادہ سخت زمین ملاحظہ ہو :

استخوان سے تو عبث رکھتا ہے چڑاے برہمن دانست اپنے دیکھد ہیں تیرے دھن میں استخوان

گل ہزاروں عندلیبیں باغ میں تھیں نغمہ سنج آج عد افسوس انکے ہیں چہ میں استخوان

یہ تمنا ہے کہ رھوے شمع فافوس کی طرح آتش الفت سے روشن پیرہن میں استخوان

آخری شعر میں غضب کی تشبیہ ہے -

ایک کرما گرم غزل اور سن لیجئے ، اس میں بھی وہ گرم گرم شعر نکلے ہیں

کہ معترض انگلی رکھے تو جل جائے —

اس شعلہ رو کی ایک تو رفتار گرم ہے اس پر کڑوں کی اور بھی جھنکار گرم ہے
 زلفیں دھواں ہیں ، حسن بھپو کا پری ہے چال کیا سر سے پاؤں تک وہ طرہ دار گرم ہے
 اس سوختہ جگر کے ابھی تن پہ ہے لگی اس دم تو رکھ دے ہاتھ میں تلوار گرم ہے
 'پنی غزل جو پڑھتے ہیں کہتے ہیں دوستاں (ق) حضرت بغور سنئے کہ بسیار گرم ہے
 جب میں پڑھوں ہوں شعر تو بیچے ہیں کچھریاں کیا ان دنوں میں پھوٹ کا بازار گرم ہے
 کاہک ہے تیرے سر کی یہاں شمع اے بتنگ ہے بیچنا صلام خریدار گرم ہے
 بیٹھا تھا کون سوختہ تکیہ اگا کے یہاں اب تک جو تیرے کوچے کی دیوار گرم ہے
 قربان ایسی تپ کے جو تو آن کر کہے کیوں تیرا جسم عاشق بیمار گرم ہے

یہ رفک بالکل شاہ نصیر کا ہے ، مقابلے کی غزل کہی ہے اور خوب کہی ، ۳۰

شعر ہیں ، دو چار سن لیجئے :

خاک میں ملتے ہیں تجھ سے روز گھر دو چار کے فذر ہو رہتے ہیں تیرے در پسر دو چار کے
 مجھ کو مت چھیڑو معاذ اللہ میرے اب تلک نالے گر آئیں تو پھٹ جائیں جگر دو چار کے
 چارہ سازو اس سے جا کر حال دل میرا کہو کہنے میں البتہ ہوتا ہے اثر دو چار کے
 ہر طرف کوچے میں تیرے شور ہے ہذا گامہ ہے خون ہو رہتے ہیں وہاں اے بھخبر دو چار کے
 ذرا دیکھئے کیا سخت اُڑاں ہے ، کیا روانی ہے ، اور کیا صہہ مضمون ہیں :
 ایک پرواز کی طاقت نہیں اس جاسے مجھے اور جو حکم ہو صیاد سوائے پرواز
 دیکھیو نامہ نہ لایا ہو کبوتر اس کا کچھہ مرے کان میں آتی ہے صہاے پرواز
 اپنے نزدیک تو اس دام سے پھنس کر صیاد کسی کھبخت کو ہوویگی ہوائے پرواز
 بے پرواہی پدغش ہوں کہ یہ ہر دم ہیں رفیق تھی پرواہی ہی تک دم سے وفائے پرواز

ایسی ہی سخت زمینوں کے کچھہ اور شعر لکھ کر 'احسان' کی شاعری کے اس پہلو کو ختم کر تا ہوں، ورنہ دیکھا جائے تو ان کا دیوان سخت ردیف اور قافیوں سے بھرا پڑا ہے۔

زامدوے یہ نہیں ہیں یہ بہم آتش و آب یعنی یہ ہم ہیں کہ پیتے ہیں بہم آتش و آب آب دریا میں نہیں پائے حنا بستہ ٹوے شعلہ رو چومنے آئے ہیں قدم آتش و آب اسی غزل میں ایک قطعہ ہے، اس میں ظاہر کیا ہے کہ خداوند تعالیٰ کی تسبیح میں دونوں جہان مشغول ہیں، اس کا ایک شعر ملاحظہ ہو کیا موتی جڑے ہیں :

مہر و مہ ارض و سما، حورو ملک، شاہ و کدا خارو گل، خاک و هوا، تیغ و قلم آتش و آب

اپنی پوشاک کا کوچے میں توڑے حال ہے یہ آستیں وہ ہے، گریبان یہاں واں، دامن درپہ کیوں اہل دول کے درحق سے آیا اس لئے کھینچے ہے درویش کا درباں دامن

جو بچہ سے پوچھو یہ عشق کیا ہے بہار پیرائے باغ دانش

چراغ دانش، چراغ بینش، چراغ بینش، چراغ دانش

فلک پہ پہنچے دماغ دانش قبول درگاہ عشق گر ہو

قبول درگاہ عشق گر ہو، فلک پہ پہنچے دماغ دانش

کدائے میخانہ محبت مدام رکھتا یہی صدا ہے

صدائے جام جفون الفت، شراب بینش ایام دانش

شہر کوہ جائے، آہوے ہا موں تھہرے تھہرے ایسی کہ مرے دل میں ہیں، ضمور تھہرے

کوہ و دریا میں ہے تاثیر بروقت یہاں تک سنگ میں اعلیٰ صدت میں در مکملوں تھہرے

ہاتھ سے تھوڑے دم گرم ہے بھر تی لڑائی کہ بیا باں میں مرا آہ نہ بجز در تھہرے

بل بے تہر، بل بے ہوا، بل بے برویت 'احسان' مجھ کو ترہے نہ مرا نالہ موزوں تھترے

بل بے کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ پورانے زمانے کی غزل ہے —

بعض عجیب قافیے | خواجہ اطاعت حسین 'حالی' مرحوم نے اپنے دیوان کے شروع میں جو مقدمہ لکھا ہے، اس میں قافیے کی بحث میں یہ بھی ظاہر

کیا ہے کہ قافیے کو اس قدر تذک کرنا مناسب نہیں کہ جب تک حرت کی جگہ حرت نہ آئے اس وقت تک قافیہ صحیح نہ سمجھا جائے۔ بہتر تو یہ ہے کہ اگر کسی لفظ کی آواز بھی قافیہ جیسی ہو جائے تو اس لفظ کو قافیہ بنالینے میں شامل نہ کرنا چاہئے، اس بحث کی تائید میں انٹوں نے شوق کی مثنوی کا ایک شعر دیا ہے :

کوئی مرتا ہے کیوں بلا جانے ہم بہو بیٹیاں یہ کیا جانیں

'احسان' کے ہاں اس کی بہت مثالیں ہیں۔ وہ اس قسم کے قافیے بلا تامل استعمال کرتے تھے۔ دو تین مثالیں لکے دیتا ہوں۔ غزل ہے :

خدا مت ہو مجھ کو تھکا نہ بہت ہیں مرا سر رہے آستانے بہت ہیں
اس میں ایک شعر ہے :

کہاں تیری ابرو سے کم ہے وگرنہ کچھ کیا ہے یوں تو کہانیں بہت ہیں
ایک اور غزل ہے :

ہمارا جگر اس "نہیں" نے جلایا الہی لگے آگ تیری "نہیں" کو
ترے جاتے ہی تفرقہ پڑ گیا یاں گیا دل کہیں کو، گئی جاں کہیں کو
اس میں ایک شعر ہے :

سنا ہوگا احوالِ فرعون تم نے تہوتا ہے آخر غرور آدمی کو

ان کے دیوان میں بہت کم ایسے شعر نکلیں گے جن میں شاعری کی کمزوریاں | کوئی کمزوری پائی جائے، جن میں محض قافیہ پیمائی ہو، یا جن

میں بھرتی کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، البتہ ان کے ہاں لفظ "ہم" بمعنی "بھی" بہت آیا ہے۔ اس زمانے میں یہ عیب نہ ہوا، اب تو بڑا کھٹکتا ہے۔

اک تری ذات کو ہے اے مرے قیوم قیام نے سدا خاک ہے، نے باد، نہ ہم آتش و آب

کچھہ اپنے ہی گریبے کا نہیں زور اُٹھا اب بدلی نظر آتی ہے زمانے کی ہوا ہم
مت میری طوٹ گھوڑے بس سہری رکھیںے مردم کو ذرا چاہئے آنکھوں میں حیا ہم
خیر مردم کا لفظ تو آنکھوں کی رعایت سے لے آئے، مگر یہ ہم چہ معنی دار۔

بعض جگہ ایسے لفظ استعمال کر گئے ہیں جو لغت میں تو ضرور ہیں مگر
عام طور سے استعمال میں نہیں آتے۔ ایک غزل ہے :
فالہ آتش عنایں ہے برق اس کو مت سمجھ دو آء عاشقان ہے ید گھٹا کالی نہیں
اس میں ایک شعر ہے :

سر بسر یا مال غم ہوں کیوں نہ اس صورت سے آء دسترس مجھ کو کف پا تک بھی جوں قالی نہیں
عام طور سے قالین بولتے ہیں، قالی بھی صحیح ہے، مگر زبان پر کم آتا ہے۔ خود ان
سے سند مانگتے تو کہتے سے دیدیتے، خیر سند ہو یا نہ ہو، جو سچی بات تھی وہ
میں نے لکھ دی۔ نیچے جو شعر دیتا ہوں اس میں ’’وجب‘‘ کا لفظ ایسا ثقیل آیا ہے
کہ خدا کی پناہ۔ خود ان کے دیوان بھر میں ایسی کمزوری کہیں نہ ملے گی۔

ہزار باغ میں کھینچے ہے سرو سر بفلک زیادہ تو یہی کہوں گا کہ یک وجب تم ہو
ہمارے ہاں بالشت بھر اونچے یا بڑے ہوئے یا متنی بھر اونچے ہونے کا
مہاورہ ہے۔ ”یک وجب زیادہ“ ہونا بس ان ہی کے ہاں دیکھا۔

فارسی ترکیبیں | ان کے ہاں فارسی ترکیبیں بھی ہیں، مگر بہت کم۔ ان کی شاعری
کا دار و مدار سلامت عبارت پر ہے، پھر بھی کہیں کہیں خوبصورت

فارسی ترکیبیں استعمال کر گئے ہیں۔

’احسان‘ لباس کے وہ ہیں کہ جن کا ہر ایک سخن شرمندہ ساز عیسی گردوں نشیں ہوا

مردہ سودا اتماس تجھے زخم جگر یعنی بیزار ہوئے مودم کافور سے ہم

اس شعر کو غالب کے دیوان میں بڑھادو تو ذرا مشکل سے پہچانا جائے :
کام رہتا ہے سہاگردن کشوں سے ہی مجھے پیچ و تاب حلقہ ہائے جوہر شمشیرہوں

جان دل حزیں جگر خستگان پہ رحم میں نے کہا ثواب ہے کہنے لگا گناہ

ذرا اس قطعے کو دیکھئے، غالب کا دھوکا ہوتا ہے اور ان کا ایک قطعہ یاد آجاتا ہے جو اس طرح شروع ہوا ہے :

اے تازہ واردان بساط ہوائے دل زنہار اگر تمہیں ہوس فار و نوس ہے

وہی بندشیں ہیں، وہی ترکیبیں ہیں اور وہی زور ہے -

دوہ بدرش، درش تھا مجھ سے بت کرشمہ کوہ پردہ در خیام عقل رخنہ گر حریم ہوش

غازہ برو، مسی بلب، پاں بدھن، حنا بکف سلک در عدن بہ سرا طرہ عنبریں بدوش

پل میں مریض وہ کمرے، دم میں شفا یہ دے مجھے آہ وہ چشم، ی پرست، واہ وہ اعلیٰ بادہ فوش

منکر می تھا شیخ کل، آج یہ حال ہے کہ ہے جام بدست و خم بسو، شیشہ بھر، سبو بدوش

اس غزل میں بھالے 'احسان' کے 'محسن'، تخاصی تالا ہے، سارے دیوان میں یہ

تخلص بس اسی جگہ آیا ہے، اس لئے یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ یہ 'محسن' بھی

تخلص کرتے تھے، پھر بھی ایک یاد رکھنے کے قابل بات ضرور ہے -

فغمہ سرا ہو 'محسنا' تاکہ ہو باغ باغ باغ سون صد زبان ہو گل کی طرح تمام گوہر

فارسی اور عربی کے فقرے 'احسان' کے ہاں شعر میں کیا آتے ہیں،

عربی کے فقرے | بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ نگینے جڑے ہوئے ہیں، فارسی کے

نمونے تو آپ دیکھ چکے اور کچھ آگے دیکھیں گے، عربی کے در چار نمونے درج

کرتا ہوں :

یہی وظیفۂ مجنوں بدشت عشق رہا فدا ہوں اس پہ کہ اسرا بعبدہ لیلیٰ
جبیں عریٰ معلیٰ ہے سجدہ کا نیاز اس آستان پہ سبحان ربی الاعلیٰ

مونس شام غم ہے زلف رسا ا صلح الہ شانہ ابد
سالمہ اس کے در پہ 'احسان' نے قال سل ما ترید یا سلمیٰ

پُرانی زبان | حافظ احسان کا زمانہ میر سے لگا کر غدر کے کچھ پہلے تک گزرا ہے۔
زبان نے ہزاروں پلٹتیاں کھائیں، پرانے الفاظ متروک ہوئے، نئے داخل
ہوئے۔ ان کو بچپن ہی سے شعر کہنے کا شوق تھا، کچھ پرانے زمانے کے الفاظ بھی
ان کے دیوان میں موجود ہیں۔

اردی پوشاک عجب تم نے سبھی واچھڑے جی اس بناؤ سے اجی قصد کہاں کیجئے گا
یہ غزل بہت پرانی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اس کے بعض شعر ایسے ہیں کہ
اس کو زبردستی کی تھوہنسم تھانس کہا جاسکتا ہے اور یہ بات ان کے آخری زمانے کی
غزلوں میں نہیں ہے۔

رخ نہ پھیروں گا ترے کہنے سے سن اے شہ حسن گر مجھے رو بروے پیل دماں کیجئے گا
دشت پر خوف محبت میں کہاں جاے اماں مسکن اپنا دھن شیر زیاں کیجئے گا

ہم ہیں اور کوچہ یار جانی کا زور ہے زور ناتوانی کا
پہلے زمانے میں زور بمعنی بہت آتا تھا، غدر سے پہلے تک اس کا زور رہا۔

اب اس معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔ میر صاحب کہتے ہیں :

تا بمقدور، انتظار کیا دل نے اب زور بے قرار کیا

آنکھوں میں موج گریہ اس طرح سے رواں ہے پتھروں پدجسطرح سے زنجیر کھینچتے ہیں
مضمون نہایت نفیس ہے، تشبیہ بڑی پاکیزہ ہے، مگر پتھروں کی "ت" کو
سکون کے ساتھ جس طرح استعمال کیا ہے وہ سودا اور میر کے زمانے کی زبان ہے۔

شاید اسی زمانے کی یہ غزل ہو، سودا فرماتے ہیں :

سودا نکل نہ گھر سے کہ اب تجھ کو تھوکتے لڑکے پھرے ہیں پتھروں سے دامن بھرے ہوئے
مجنوں کے گرد لڑکے پتھرے لئے نہیں ہیں تنہا یہ آج نکلا حشمت مآب کیونکر
میر کے زمانے میں پتھروں کی جگہ پتھرے بھی بولتے تھے، چنانچہ میر صاحب
فرماتے ہیں :

لگوائے پتھرے اور برا بھی کہا کئے تم نے حقوق دوستی کے سب ادا کئے
چشم تر، سوز جگر، آہ سحر، نالہ شب تیری دولت سے ہے ہر چیز مہیا مجھ کو
”بدولت“ اور ”دولت“ سے دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، مگر اب ”بدولت“
برتا جاتا ہے، ذوق نے تو صرف ”دولت ہی استعہال کیا ہے۔

نہ دیکھ لی کیسی کیسی آفت جہاں میں ہم نے تمہارے باعث
اور آگے کیا کیا غم و الم ہم تمہاری دولت نہ دیکھ لیں گے
اگر احسان دل پذیر دے تو لے لیجے مبارک ہو کسی سے کیا تھیں حضرت سلامت اپنا گھر دیکھو
گھر دیکھنا اب کوئی محاورہ نہیں ہے، اس زمانے میں ہوگا۔ با تو اس کے معنی ہیں
اپنے گھر کا رستہ او یا یہ ہیں کہ اپنے فائدے پر نظر رکھو۔
دلبر یہ وہ ہے جس نے دل کو دغا دیا ہے اے چشم دیکھ، تجھ کو میں نے سجا دیا ہے
سررشتہ وفا سے کیا شمع رو میں واقف ہم نے پتنگ ان سے ملنا اڑا دیا ہے
دغا کا لفظ غدر سے پہلے بھی مؤنث تھا۔ مؤنث کا شعر ہے :
دیا علم و هنر حسرت کشی کو فلک نے مجھ سے یہ کیسی دغا کی
معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس سے بھی پہلے کا شعر ہے۔

آشنا کس کے ہیں، بے دیدہ ہیں یہ دیدہ و دل (ق) ہیں یہی دیدہ و دانستہ تباہی والے
ان کے رونے پر ہنسی آتی ہے مجھ کو احسان، دورے پانی کو ہیں کیا آگ لگانے والے
تباہی کا لفظ عامیانه ہے، بول چال میں کبھی کبھی آجاتا ہے، مگر تحریر میں بہت کم
دیکھا گیا ہے۔ احسان کے ابتدائی زمانے میں دیکھنا ہو تو جرأت کا یہ شعر دیکھ لو :

سمجھ کے دیکھا تو بیجا تھا سب گلہ دل کا کہ چشمِ نم نے تبویا معاملہ دل کا
ان کے آخر زمانے میں دیکھنا ہو تو غالب کا یہ شعر ملاحظہ ہو :

کی ہم نفسوں نے اثرِ گریہ میں تقریر اچھے رہے آپ اس سے مگر مجھوتہ ہو آئے

بی نور کے روضے میں ہے مچلا ہوا بیتھا (ق) سنتا ہی نہیں یہ دل مہجور کسو کی
میں سورۃ نور آج ہی بی نور کو بخشوں گر آئے نظر صورت پر نور کسو کی
پوری غزل کی غزل ہے جس کی ردیف ”کسو کی“ ہے۔ بی نور کا روضہ قطب کے راستے
میں ہے، بی نور حضرت نظام الدین اولیا (رح) کی والدہ تھیں۔

انگریزی حکومت کا اثر | لارۃ ایک کے دھلی فتح کرنے کے بعد بس قلعہ ہی قلعہ
بادشاہ کے قبضے میں رہ گیا تھا، سارے شہر میں کمپنی

کی حکومت تھی، انڈیز آخر بس ٹٹے تھے، اس طرح انگریزی کے بہت سے الفاظ
لوگوں کی زبان پر چڑھ گئے۔ اس زمانے کے اکثر شاعروں نے یہ الفاظ اپنے ہاں باندھے
ہیں۔ اس ہوا سے ’احسان‘ بھی نہ بچ سکے اور کیسے بچتے، ان کا دوستانہ
برکت علی خاں ’برکت‘ حیر آبادی سے بہت تھا۔ ان کی غزلوں پر غزلیں کہتے تھے
ان کے مصرعوں کی تضمین کرتے تھے۔ چنانچہ برکت کا شعر ہے :

اشکوں کو بہا دیدہ گریبان سمجھ کر کھیراے نہ عالم کہیں طوفان سمجھ کر
احسان پہلے مصرعے پر یوں گرا لگاتے ہیں :

احسان کہا مان تو ’برکت‘ کی طرح سے اشکوں کو بہا دیدہ گریبان سمجھ کر
ایک قطعے میں لکھتے ہیں :

جائے اس در پہ یہ احسان نے کہا بندہ نواز کھول دروازے کو، آ اپنے گرفتار سے مل
اُس نے جب در کو نہ کھولا تو وہ برکت کی طرح خوب جی کھول کے روپا دو و دیوار سے مل
یہ میاں برکت نصیر الدولہ جرنل اختر لونی کے پیشکار اور دست راست تھے۔

انہی کے ذریعے سے ’احسان‘ جرنل اختر لونی سے بھی ملے۔ اسی مہل جول میں اگر
انگریزی کے کچھ الفاظ زبان پر چڑھ گئے ہوں تو کیا تعجب ہے۔

کلکتے میں الفت کا گورنر ہے سدا عشق آمادہ ہو تو رستم داستان سمجھ کر
 میجر نے جلوں کے ہے یہ تیار کی پالتی ہاں دیکھ صف خار منہلان سمجھ کر
 جرنیل تو صحرا میں ہے اور کوہ میں کرنیل ہے شہر میں چھوڑا مجھے کپتان سمجھ کر
 شہخ سے بولا خفا ہو کر وہ یوں شوخ فرنگ ول نہ ہم بیتھے گا ایسے پاگل اور لوفر کے پاس
 غائب ہے جب سے چشم سے وہ لعنت فرنگ واقف نہ حاضری سے نہ ہرگز قفس سے ہم
 قلق کی ہجو میں لکھتے ہیں :

قلق ابن قلندر ناسی ایک بوکر ہے ایک گداسی

پنسلیں نکل آئی تھیں، ہر شاعر مختلف پہلو سے ان کو باندھتا تھا۔ ذوق

لکھتے ہیں :

خط جو اس نے قلم سرمہ سے لکھا ہم کو لکھا ایہاے خموشی ہے یہ گویا ہم کو
 'احسان' اس کا دوسرا پہلو لیکر لکھتے ہیں :

'احسان' برفک خامہ اہل فرنگ ہاں محتاج توتیا مڑو نو خطاں نہیں
 انگریزی عملداری تھی، مجرموں کو قید کی سزا دی جاتی تھی، قیدیوں سے
 سڑکیں بنوائی جاتی تھیں، برفنداز نگرانی کرتے تھے، افہوں نے یہ رنگ دیکھا، نیا
 مضمون ہاتھ آگیا، باندھ گئے۔

دل عشاق سدا زلفوں کی رنجیر میں ہے اور نگہبان، نگاہ بت عیار مدام
 مانگ کی راہ کو یہ حکم ہے یوں صابر رکبیں جوں بناتے ہیں سڑک آ کے گنہگار مدام

مجھے ان کے دیوان میں ان کا معشوق سب سے زیادہ پسند آیا۔
 احسان کا معشوق معلوم ہوتا ہے کہ جوانی کا جوش نہیں رہا تھا۔ اس لئے آخر زمانے

کی غزلوں میں معشوق کی وہ وہ خبر لی ہے کہ خدا کی پناہ، ایسا تانتا ہے کہ کوئی
 نوکر کو بھی کیا تانتے گا۔ ہر جگہ طعن کرتے ہیں کہ میاں تم تو رویے پر مرتے ہو،
 ہم غریبوں کی طرف کیوں دیکھنے لگے۔ ذرا معشوق سے ان کی توتکار دیکھئے،
 فرماتے ہیں :

جوں نکمہ زر ہم کو گلے نک نہ لگا یا جب سیمبروں نے ہمیں زردار نہ پایا
یہ بے زری بھی عجب بد بلا ہے سیمبرو تمہاری آنکھوں میں اسلے مجھے حقیر کیا
کب تک تجھے کہوں یار نہ اغیار سے مل تجھ کو ہی شرم نہیں تو مری پیزار سے مل
کر وفا چاہئے تو ہم سے وفادار سے مل زر ہے در کار تو جاکر کسی زردار سے مل
کسی کے معشوق کے چہرے پر داد نہ ہوا ہوگا ہوا تو حافظ جیو کے معشوق کے ہوا :
چہرے پر آپ کے بیو جہ نہیں داد ہوا داد دو میری کہ یہ باعث بیداد ہوا
داد کا لفظ ایک جگہ میں نے اور دیکھا ہے ' داغ کے مرنے کے بعد مرزا خدا داد
بھگ مرحوم نے اہل حضرت غفران مکان کے پاس مثنوی "گل و صدوبر" پیش کی تھی
اس کے آخر میں لکھا تھا :

ہے داغ کی جا داد خالی ہو داد کے نام پر بھالی
اور دیکھئے کیا کھری کھری سناتے ہیں معشوق کو ظالم سبوی کہتے ہیں ' قصائی
کوئی نہیں کہتا ' افہوں نے قصائی بنا نے میں بھی کمی نہیں کی :
ہر دم نہ گلے کات غریبوں کے ستمگر تو اپنے تئیں شہر میں قصاب نہ تھیرا
جب چھری پھیری غریبوں پر تو کیا ذواب ہو ہم تو منہ پر یہ کہیں گے تم بڑے قصاب ہو
دیکھئے گا معشوق کو کس زور سے دانفتے ہیں :

کیوں بولتے ہو ہو کے طرحدار بیطارم میں ایک طرح کا ہوں نہ کہز یا ریبطارح
اگرچہ خلق کے چرچے سے منہ دکھا نہ سکے تہکا تھا خلق کہ آواز بھی سنا نہ سکے
معشوق بھی کچھہ دبیل نہ تھا ' وہ کب چپ رہنے والا تھا :

بوسہ سانگا ہم نے دھکا کر تو یوں کہنے لگا اے تو دھمکی سے تمہارے کیوں نہ ہم تر جائینگے
معشوق کو ایک قطعے میں بگڑ بگڑ کر سمجھاتے ہیں :

اپنے پہ نہ لپیچو تو میں اک بات کروں مرض تم کو ہو بیلے کیڑ نکد کہیں تم کو ہرا ہم
سمجھا چکے تم کو دے ہم ہی نہ سمجھے وہی کی دلتاری میں رہتے ہوں سدا ہم
کچھ میں ہمارے ہی تو بلوے ہیں ہمیشہ ہم ہی تو سدا دکھتے ہوں وں سخصے باہم

القصہ یہ قصہ تو نہیں ۔ قصہ کو تاہ کچھ اور نہیں سمجھتے ہیں یہاں اسکے سوا ہم
اغیار کا ملنا نہ ہوا ہم کو سزاوار جو ہم نے کیا پاتے ہیں اب اسکی سزا ہم
میں میری طرف گھورے بس یہی دکھائے مرد م کو ذرا چاہئے آنکھوں میں حما ہم
ہاں صاحب بات یہ ہے کہ معشوق ایسے ہی عاشقوں سے دبتے ہیں جنہوں نے
پہلے تو خوشامد درآمد کی ، نہ مانا تو قناعت دیا —

جب کسی نے کہا مرنے ہے تمہارا عاشق تم جو جا بھٹو تو آجائے وہ جینے کے قریب
دوت کو سینے کو ایک ناز سے بولے ، ہے کسی کی کہجختی جو بیتھے وہ کہینے کے قریب
شاید ہی کسی عاشق نے اپنے معشوق کے سر میں جوئیں ڈالی ہوں ، یہ 'احسان'
کا معشوق ہے ، اس کے سر میں جوئیں کیوں نہ پڑینگے لکھتے ہیں:

فد سارے جوں کی طرح کیوں دل نزار کو آج جوئیں لگی ہیں تری زلف تابدار کو آج
جوئیں لگنا پڑانا محاورہ ہے اب سر میں جوئیں پڑنا کہتے ہیں۔
اس سے بھی زیادہ تیز سنئے اس شعر میں تو بار پر لعنت ہی بھیجی ہے :
پیتے منہ تو اور مل اغیار سے رنگ منہ کا اڑ گیا پتکار سے

شوخ اور مذاق
'احسان' کے کلام میں شوخی بھی ہے اور مذاق بھی ۔ بعض جگہ یہ
مذاق بہت لطیف ہے اور بعض جگہ رکبک ۔ دونوں طرح کی
مثالیں لکھتا ہوں ، کیا اچھی غزل ہے :

بس تو آتے ہی سبکو چین سا کچھہ آگیا اب وہ بیچینی ، وہ بیتابی ، وہ بیحالی نہیں
دروہی دن کے عشق میں احسان بد صورت بن گئی منہ پد وہ رونق نہیں ، چہرے پد وہ لالی نہیں
اس غزل میں شیخ جی پر حماہ کرتے ہیں ۔ شاید شیخ جی اُدھاری گئے تھے
رند اس کی عوض ان کا عمامہ لینے آئے ہیں ۔ قطعہ ہے :

شیخ اپنی گفتگو سے قلبیاں بنتا ہے آپ ورنہ اپنی طبع مائل سوے ہزالی نہیں
رند عمامہ طلب کرتے ہیں وہ خاندخرا اب گھر سے باہر آن کر کہتا ہے گھر والی نہیں
اس قطعے میں شیخ جی پر کئی پہلووں سے حملہ کیا ہے ۔ ایک یہ کہ ان کا

عمامہ بھی جو رو کے قبضے میں رہتا ہے ، دوسرے یہ کہ بیوی کا دوپٹہ ان کے عمامے کے کام آتا ہے ۔ تیسرے یہ کہ ان کی زوجہ بغیر ان کی اجازت کے جہاں چاہے نکل جاتی ہے اور ان کو خبر تک نہیں ہوتی کہ وہ کھر میں ہے یا کہیں باہر گئی ہوئی ہے :

کیا شیخ جی کی جو رو رہتی ہے کشمکش میں گاہے وہ کھینچتا ہے کہ پیر کھینچتے ہیں اس شعر میں شیخ کے ساتھ ان کے پیر کو بھی لے رہے ہیں :

نچھوڑ زوجہ شیخ اب تو شیخ کا اخلاص اگر چہ پیر ہے ، پر ہے مرید بااخلاص پیر کے یہاں دو پہلو ہیں ، ایک تو یہ کہ واقعی پیروی مریدی کرتا ہے دوسرے یہ کہ بدھا ہے اور بد ہے ہمیشہ زن مرید ہوتے ہیں ۔

اب شیخ جی کو خطاب دینا رہ گیا تھا ، وہ ہولی کے زمانے میں پورا ہو گیا ۔ پہاگیں کا مہینہ ہے ، موسم اعتدال پر ہے ، لوگ ہولی منا رہے ہیں ، فطیر اکبر آبادی کھتے ہیں :

ہر آن خوشی میں آپس میں سب ہنس ہنس رنگ چھڑکتے ہیں
رخسار گلاؤں سے گلاؤں ، کپڑوں سے رنگ تپکتے ہیں
کچھہ راگ اور رنگ جھپکتے ہیں کچھہ مے کے جام چھلکتے ہیں
کچھہ کودے ہیں کچھہ اچھلے ہیں کچھہ ہنستے ہیں کچھہ بکتے ہیں
ہر طور یہ نقشہ عشرت کا ہر آن دکھایا ہولی نے

بھلا ایسے موقع پر نئے سال کے خطابوں کی طرح شیخ جی کو کیوں خطاب نہ ملے اور لوگ بھی اس خطاب سے سرفراز ہو چکے ہیں ۔ چنانچہ فطیر کہتا ہے :

بیٹھے ہیں سب آپس میں نہیں ایک بھی کڑوا پچکاری اٹھا کر کوئی جھمکاوے ہے کھڑوا
بہر نے ہیں کہیں مشک کہیں رنگ کاکڑوا کیا شادوہ ہوتا ہے جسے کہتے ہیں بھڑوا

سنٹے ہیں یہاں تک نہیں اب ننگ زمیں پر ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

جب دوسرے اس خطاب سے برا نہیں مانتے تو بھلا شیخ جی کیوں برا مافیہ -

احسان نے شیخ جی کو خطاب دیا ہے، مگر کناپے ہی کناپے میں دیا ہے :

نہ جاؤ شیخ جی آؤ قریب ہے ہولی خفا نہ ہو کہ چلے آتے ہیں خطاب کے دن

کیوں ہم سے ہو بگڑتے ہم نے توشیح صاحب ہولی سے پیشتر ہی تم کو بنا دیا ہے

اس کے بعد شیخ صاحب کو چھوڑ کر محتسب کے پیچھے پڑتے ہیں :

جب جوانوں سے مدد پیو مٹاں نے چاہی لے کے رندوں کو وہیں ہم بہ تعجل پہنچے

محتسب کے سونا پاک پہ رکھوا خم سے اس طرح سے در میخانہ پہ ہم گل پہنچے

یہاں تلک محتسب شہر ہے لرزاں اب تو رند کشمیر میں ہوویں تو وہ کابل پہنچے

سبحان اللہ کیا قطعہ ہے داد دیجئے گا :

پکڑ لیا مجھے ہموار دختر رز آج شتاب آؤ کہ یہ محتسب سنا نہ سکے

یہ کہدو پیو مٹاں سے یہی ہے وقت مدد وہاں چھڑاچکے دنیا میں جب چھڑانہ سکے

محتسب کا خطاب ملاحظہ ہو :

نہ میکدے میں کرو ذکر محتسب رندو! خدا نہ وہ شتر بے سہار دکھلاوے

یہ دو خطاب سن چکے، اب زاہد کا خطاب بھی سن لیجئے :

زاہدا دل میں نہ رکھ زہد ریائی کا خیال کیوں تو اے گاردی مسجد میں گدھا بانڈو ہے

کوچے میں تیرے گنج خرد سب لٹا چلے کعبے میں زاہد آئے تو سر کو مندا چلے

اس سے بھی تیز سنئے :

زاہد آیا تو گوارا نہیں رندو ہم کو اپنی اس بزم میں مکار اٹھ اور بیتھ

دونوں کانوں کو پکڑ کر یہ سزا ہے اس کی کہہ دو سو بار یہ عیار اٹھ اور بیتھ

ذرا مقطع ملاحظہ ہو، کیا خوب کہا ہے :

بیتھتے اٹھتے اسی طرح کی لکھ اور غزل جس میں احسان نہ ہو بے کار اٹھ اور بیتھ

قاضی رہ گئے وہ کیوں خالی ہاتھ جائیں، ان کو بھی دو دو سنا دیں :

قاضی سی، گلگوں کی حرمت ہے کتابوں میں ایکن بڑی دقت ہے رشوت کا پہچا جانا
مستحب اور زاہد پر تو سب ہی آوازے کستے ہیں، ہاں ملا کو اب تک کسی
نے نہیں لپیٹتا تھا، اس پر انہوں نے ہاتھ صاف کیا :
سفارش مری یہ ہے پیر مٹاں سے کوئی ساغر مل تو ملا کو بخشو

شوخی | شوخی کی مثالیں ان کے ہاں بہت ہیں . چار پانچ لکھ دیتا ہوں :

چھیڑ تو دیکھو، سناکر مجھ کو، غیروں سے کہا آج عاشق ہم کو صدقے کے لئے درکار ہیں
کہتے ہو کیا رقیب کو بھیجوں بتا صلاح لعنت ہی بھیجئے گا یزید لعین کو

بعد مردن دیکھ کر مجھ کو، جھجک کو یوں کہا میں یہ دترتا ہوں مبادا اب بھی عیاری کرے

مجھ کو مسجد سے نکالا تو بس اب لے یہ ذواب زاہدا تو ہی بتا خانہ خوار مجھے
اور یہ قطعہ بھی ملاحظہ فرمائیے، نیا رنگ ہے :

شعر یہ کندہ تھا اس شیریں بیاں کی قبر پر (ق) خرب روئے دیکھ کر فرہاد کی تربت کو ہم
اے واہ اے بادشاہ عشق تیری منصفی راحت اوروں کے لئے خدمت کو ہم، مہنت کو ہم
اس کے مقابلے میں یہ شعر دیکھئے، کیا رکیک مضمون ہے :

جب زرہ تن پر سجدی، ہاتوں میں دستا لے لگے دیکھو یاروں کی، سچ غیروں کو دہشت آئے لگے

دیکھ کر چاک جیب عاشق کو یہ لگے کہنے وہ بہ عیاری

ان دنوں خیر سے ہے پھر 'احسان' جیب کتروں کی گرم بازاری

ایک قطعہ لکھتا ہوں، ذرا سمجھنا مشکل ہے، ایک کہانی کی طرف اشارہ ہے :

پہلے قطعہ لکھتا ہوں، بعد میں قصہ بیان کروں گا -

سن کے وصف اس کی چشم کا ٹرکس رشک سے بولی: میں نہ کوئی تھی

پھر لگی کہنے چشم باغ ہوں میں ختم معہ پر ہے جونکوئی تھی
 ہے بجنسہ مثل یہ نرگس کی سب تو بوئے تھے میں نہ بوئی تھی
 بچیں کی کہانی تھی، مثل ہوگئی۔ کہانی یہ ہے کہ ایک تھے میاں توتلے، ان
 کی بیوی بھی توتلی اور بیٹا بھی توتلا۔ شادی جو ہوئی تو خیر سے بہو بھی
 توتلی آئیں۔ سسرال جاتے وقت ماں نے بیٹی سے کہا: دیکھہ سسرال میں زیادہ نہ
 بولیو، نہیں تو تیری توتلی زبان پر ہنسی اُڑے گی۔ تھوڑے دنوں تو یہ منہ سے نہ
 بولیں۔ ایک دن خدا کا کرنا کیا ہوتا ہے کہ شام کو سسرے آئے، کیا دیکھتے ہیں کہ گھر
 میں اندھیر! کہپ ہے۔ کہنے لگے ”دیوا توں نہیں تلایا“۔ (دیوا کیوں نہیں جلایا)
 بیوی نے جواب دیا ”توہا بٹی لے دیا“ (چوہا بٹی لے گیا) بیٹے صاحب بولے:
 تل بھی تو لے دیا تھا! (کل بھی تو لے گیا تھا) بیلا اتنی باتیں سن کر بہو سے کہاں
 رہا جاتا تھا، یہ سوچ کر کہ اچھا ہوا میں نے کچھ نہیں کہا نہیں تو میرا بھی
 توتلا پن کھل جانا، کہنے لگیں ”سب بوئے میں نہ بوئی“ (سب بولے میں نہ بولی)
 معلوم ہوتا ہے بڑے میاں نے بچوں کو یہ کہانی کہتے سنا تھا، مضمرن دھیان میں
 آگیا، قطعہ لکھ مارا۔ یہ مثل اس وقت بولی جاتی ہے جب کسی کی بے تکی باتوں کا
 مذاق اڑانا ہوتا ہے —

احسان کے ہاں ہجویں جس مزے کی ہیں، سودا کے سوا شاید ہی کسی
 ہجویں کے ہاں ہوں گی۔ بعض تو ایسی ہیں کہ ذرا تہذیب سے گرگئی ہیں،
 مگر بعض میں صرف چٹکیاں لے کر چھوڑ دیا ہے۔ جی میں تو آتا ہے کہ سب لکھدوں
 مگر بھائی قافوں سے تر لگتا ہے، کہیں مقدمہ قائم نہ ہو جائے۔ خیر کچھ نہ کچھ تو
 ضرور لکھوں گا۔ ہاں پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑے گا۔ نواب ظفر الدولہ کا
 قطعہ کہیں اوپر لکھ آیا ہوں، کیا نازک چوٹ کی ہے:

ہسان آئینہ، آئین اپنا رکھتا ہوں میں صاف کوہوں، نہیں آتی مجھ کو مکاری
 تو گل ہے گلشن دربار بادشاہی کا ولے چو غنچہ زباں در تہ زباں داری

ایک حکیم صاحب کے متعلق فرماتے ہیں :

ہیں ایک حکیم جی بشکل طاعون ہے رقص ترقیہ ، بخل ان کا قانون
پڑھتے ہیں نفیسی اور خرد ہیں وہ کدیف نسخے ہیں عجیب اور تسفہ معجون
کوئی صاحب بندوناسی تھے ، تخلص قلق تھا اور قلندر شاہ کے بیٹے تھے ،
خیر نہیں میاں احسان سے کیا گستاخی کر بیٹھے ، جو انہوں نے ایسی لمبی چوڑی دھو
لکھ ماری ہے :

فکر میرا ہے آسماں پر وار	لا مکان سیر ولا مکان پر وار
معجم سے آ کر عدو کہاں جائے	جس جگہ جائے جوتیاں کھائے
شہرہ اپنا دعو کو ہے منظور	چل قلم نام اس کا کر مہرور
آپ جنجال میں پڑا وہ پلید	ریسمانے بڑے خود تابید
دھو میری زباں پہ آ لے لگی	روح سودا کی تھر تھرا لے لگی
قلق ابن قلندر فامی	ایک بو کر ہے ، ایک گدا سی
ایک معیندر ہے شہر کے اندر	ہے قلندر کے گھر میں وہ ہندر
نام بندو ہے اسم زن بندی	وہ تو خندہ ہے اور یہ خندہ
میر خاں کا ہے شہر میں بازار	جوتیاں کاٹتھتا ہے وہاں بدچار

(اس کے بعد کا شعر نہیں لکھتا)

قطعہ

حکم انگریز ہے کہ سگ ہیں پلید	ایک دھوے نہ مٹل نسل یزید
کنجروں کو عجب دیا ہوتا	شہر میں وہ گیا ہے یہ گدا
کیا قلم ہاتھ سے ا بے تالوں	تھرے استاد کو ہوں لے تالوں
دھو کیا کہہ کے میں اسے دوں کل	پابگل ہے وہ آپ ہی پاگل
عجب پوشی تھاے مردا نست	خشم خوردی خداے مردا نست

نہ پسند آئے اس کو گر مری بات خرچہ دانہ بہاے قند و نہات
تدر سے میروں کب عد و کو خبر قدر عیسے کجا بداند خر

میں دعا دوں اے بصدق و یقین میری خاطر سے سب کہو آمین
رہوے یارب قلق میں وہ ابلیس جب تلک ہیں قلق کے دوسو تیس
آپ نے دیکھا، اردو، فارسی، انگریزی سب زبانوں میں گالیاں دی ہیں۔
پرانے زمانے کے بدمعاشوں کے منہ پر انگریزی کے یہ دو الفاظ، 'بوکر' اور 'گڈاسی'،
بہت چڑھے ہوئے تھے، 'گڈاسی' کی دوسری شکل ان کے ہاں، 'گڈا' میر، بھی
تھی۔ مجھے اس کے ظاہر کرنے کی تو ضرورت نہیں کہ بوکر بکر کی اور گڈاسی
کو، 'قایم'، 'یو' کی بگڑی ہوئی صورت ہے، اس بات کی تو آپ بھی داد دینگے کہ
دعا ایسی خوبصورتی سے دی ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی —
دھلی کی دیوانی کی کچھری میں کوئی صاحب محمد بیگ صیغہ لا وارثی کے
حاکم تھے، ان کی ہجو کرتے ہیں :

کسی نے پوچھا یہہ شیطان سے ہاں اے لعین سچ کہہ
جو تو مر جائے شاید، کون ہے تیرا بتا وارث
لگا کہنے کچھری میں دیوانی کے ہے دای میں
مرا سالا مرا وارث، محمد بیگ لا وارث

مجھے ان کے ہاں اگر کوئی ہجو پسند آئی تو وہ الہی بخش خاں، 'معروت' کی ہے
دونوں میں بڑا دوستانہ تھا، یہاں تک کہ جب بعض شعرا کی بیہودہ کیوں سے،
'معروت' نے شعر کہنا چورچوڑ دیا تو اس پر 'احسان' نے نواب صاحب کو ایک قطعہ لکھ
کر بوجھا۔ پہلے وہ لکھتا ہوں، 'کسی قدر نغش ہے' مگر اس سے 'احسان' کی شاعری کا
یہ رخ بھی ظاہر ہو جائے گا، اس کے بعد وہ ہجو لکھوں گا۔
سبا تو کچھو آہنگ خدمت، 'معروت' یہ اس سے کہیو کہ اے ہندلیپ خوش آہنگ

تورنج شورش زاغان سے اس گلستان میں نہ کیجھو ترک ترنم کا ایک شب آہنگ
 وہ شہسوار ہے تو عرصہ فصاحت کا مقرر ہیں اہل صفاہان و روم و ہند و فرنگ
 عنان اشہب معنی ہے تہرے کف میں سدا مدائے سگ سے نہو نا تو زمینہار بتنگ
 ہر آنکہ خاطر تو بے سبب بر فغاند ز قعر ہفت زمیں تاباں ہفت اورنگ
 ز ترک تازدر خانہ تناسل او شکستہ باد بگو پال قاضی کیرنگ
 قاضی کیرنگ کا حال معلوم کر رہا ہے تو 'انوری' کی جھوٹی دیکھئے - ہاں ،
 تو اب وہ جھوٹا ملا خطہ ہو - جھوٹ نہیں ہے 'چٹکی لی' ہے اور ایسی چٹکی لی ہے کہ
 نواب الہی بخش خاں کو بھی 'زا آگیا ہو گا - ایسی خوبصورت جھوٹ شاید ہی آپ کی
 نظر سے 'زری' ہو 'شاعر نے پہلے ساری برائیاں اپنے اوپر لیں اور پھر سب کی سب
 نواب الہی بخش خاں 'معروت' پر آلت دیں - شاید یہ تو مجھے بتانے کی ضرورت
 نہیں کہ معروت ریاست چھوڑ فقیر ہو گئے تھے 'قطعے کے آخری شعر میں اسی طرے
 اشارہ ہے :

تلوں ' زود رنجی ' بد مزاجی	یہ خود تیری مجھے احسان نہ بھائی
نہ ہو تو بھرالفت کا شدار	جو تیرا تو تو تو ہی سب خدائی
جہاں میں وہاں تو بھی معروت	جہاں جائیگا ' با ایں بیو فائی
کہیگی خانی یہ دیکھو وہ آیا	الہی بخش خان صاحب کا بھائی
الہی بخش کو کہ غیبت	زباں پر میری نادانی سے آئی
الہی بخش خاں سے کہو نسبت	نثار فقر چتر بادشاہی

ہم مضمون اشعار | حضرت امیر خسرو (ر م) کے اس شعر سے خدا معلوم اتنے شاعروں
 نے مضمون لیا ہے ' مگر بڑھنا تو کیا کوئی برابر بھی

نہ پہنچ سکا :

ناخداے کشتی ما کر فباشد گو سماں سا فدا داریم و سارا ناخدا درکار نیست

انہوں نے تو یہ کہا کہ اگر ناخدا نہ آئے تو بلا سے نہ آئے، ہمیں اس کی ضرورت ہی نہیں، خدا ہمارا ناخدا ہے۔ احسان نے اس پر ایک اور اضافہ کیا، ان کی کشتی مہنہ ناخدا ہے، وہ خدا کے بھروسے پر اس کو نکال رہے ہیں۔ کہتے ہیں:

خدا خود ہے مری کشتی کا حافظ خدا کے واسطے اے ناخدا جا
شاہ مبارک، آبرو، کا ایک شعر ہے:

جہاں اس خو کی گرمی تھی، نہ تھی وہاں آگ کو عزت
مقابل اس کے ہوجاتی، تو آتش لکڑیاں کھا تی

’آزاد‘ مرحوم نے اس شعر کا مقابلہ حافظ عبدالرحمن خاں ’احسان‘ کے ایک شعر سے کر کے ’احسان‘ کی بہت تعریف کی ہے، وہ شعر یہ ہے:

دخت رز سے کہا، بخانے میں شب زندوں نے آج تو خوب ہی ختکے تری سوکن کو لگے
یہاں تک تو تھیک تھا، مگر ’احسان‘ کے شعر کے جو معنی کئے ہیں وہ ذرا قابل غور ہیں۔ فرماتے ہیں: ”بھنگر خانے میں بھنگروں نے خوب سبزیاں گھونٹیں اور طرے اڑائے۔ تم بھی یاروں پر نظر عنایت کرو“۔ میری رائے میں اس شعر کے یہ معنی ہیں کہ زندوں نے دخت رز کو یہ خوش خبری آکر سنائی کہ تیری سوکن یعنی بھنگ کی آج بڑی ٹھکانی ہوئی۔ (ختکے لگنے کے معنی لکڑی سے پٹنے کے ہیں اور بھنگ بھی چونکہ سونٹے سے گھونٹی جاتی ہے، اس لئے اس کو ختکے لگنے سے تعبیر کیا ہے)۔ یہ خبر سنا کر زند مذہ سے تو کچھ نہیں کہتے مگر انہیں یقین ہے کہ سوکن کے پٹنے کی خبر سن کر دخت رز ضرور خوش ہوگی اور ان کو شاد کام کریگی۔

خیر یہ تو میں نے ’احسان‘ کا وہ شعر نقل کر دیا جو ’آزاد‘ مرحوم نے آبھیات میں لکھا تھا، مگر دیوان میں یہ شعر قطعہ بند ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آزاد نے بعض اپنی یاد پر اس کو کچھ اُلٹ پلٹ کر لکھ دیا ہے۔ اصل میں قطعہ یوں ہے:

دخت رز کہتی ہے، سبزی مجھے لگتی ہے زہر
ہائے تم چاہنے اس سوت کو بیرن کو لگے
ساقیا اس کی تسلی ہے بہر کیف، یہ کہہ
پس گئی، ایسے ہیں ختکے تری سوکن کو لگے

اس فزل میں ایک شعر کیا اچھا ہے : بے سوقع سہی مگر سن لیجئے :
تیری دولت سے ہے جو روگ لگا دل کو مرے ارے دشمن، کیسی دشمن کے نہ دشمن کو لگے

”خدا کے گھر سے پھرنے“ کے معاررے کو ’احسان‘ اور ذوق دونوں نے باندھا ہے
اور خوب باندھا ہے —

ذوق : گر اب کے پھرے جیتے وہ کعبے کے سفر سے

تو جانو پھرے شیخ جی اللہ کے گھر سے

احسان : جو کوئی جان بچا کر تمہارے در سے پھرا

یہ جانتا ہوں مرے جان خدا کے گھر سے پھرا

ذوق کے ہاں کعبے کے لفظ نے شعر میں جان ڈال دی ہے : کیونکہ وہ تو خدا کا

گھر ہے ہی مگر احسان نے یہ کہاں کیا ہے کہ در یار کو خدا کا گھر بنا دیا ہے اور اس

سے شعر کہیں سے کہیں پہنچ گیا ہے —

اسی طرح ذوق کا ایک شعر ہے :

مرے حسن عمل سے معصیت بھی عار کرتی ہے مری توبہ سے توبہ، توبہ استغفار کرتی ہے

اس مضمون کے ’احسان‘ کے ہاں کئی شعر ہیں : ایک شعر تو ایسا ہے

—

کہ لا جواب ہے :

توبہ اس توبہ سے اکدم نہ بڑھا ہی توبہ میری توبہ ہے وہ توبہ کہ الہی توبہ

کیا مری توبہ ہے توبہ کیجئے اس توبہ سے

توبہ بھی توبہ سے مری پڑھتی استغفار ہے

سے سے میں توبہ کروں استغفر اللہ سب غلط

قام توبہ سے سدا ہم پڑھتے استغفار ہیں

کیا تعجب ہے کہ اکبر الہ آبادی نے اپنا یہ مضمون کہ :-

” دب کئی آخر مسلمانوں مری پتلون سے “

حضرت احسان سے لیا ہو ، ان کا شعر ہے :

تھپ پھاس بدکیش کولایا ہی تھاپر کیا کروں تر گیا طرز مسلمانوں وہ کافر دیکھ کر

اکبر کا ایک ہوا مشہور شعر ہے :

تازہ می مویچھوں کا سب صفایا ہے فارغ الہال ان کو کہتے ہیں

انہی معلوم میں فارغ الہال کا لفظ ’احسان‘ نے بھی استعمال کیا ہے:

خواب میں بوی دل خیال زلف سے خالی نہیں

جب سے دیکھے بال تیرے فارغ الہالی نہیں

احسان اور غالب کا ایک ہی زمانہ تھا۔ اس لئے کہیں کہیں احسان اور غالب کا

رنگ مل گیا ہے۔ اس شعر میں احسان کی جگہ غالب رکھ دو، دیکھوں تو کون پہچان سکتا ہے

غالب کا رنگ ہی نہیں ، غالب کے الفاظ ہیں اور غالب ہی کا طرز ادا ۔

نام ہنقا سے مجھے رنگ ہے آتا احسان شہر نام کو کیوں اہل فنا نے چاہا

بعض جگہ ذوق کا رنگ ایسا آگیا ہے کہ پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے ، مجھے تو

ان شعروں پر شبہ ہوا تھا کہ ذوق کے ہیں۔ تمام دیوان تھوڑے مارا ، جب اس میں

نہ ملے اس وقت کہیں جاکر اطمینان ہوا کہ احسان ہی کے ہونگے :

شب عجب تھی تاب جگنی کی کد جسکے سامنے ماہ عالم تاب بھی ایک کر مک شب تاب تھا

میں جو سے پینے پہ آؤں تو سب وہی جاؤں گر عسس منح کرے اسکا لہو پی جاؤں

کہتے کیا کیوں طفل اشک اپنے گائے کا ہار ہیں اس زمانے کے تو کچھ لڑکے ہی ناہوار ہیں

اس شعر کو دیکھئے ، افشا کا کلام معلوم ہوتا ہے ، وہی شوخی ہے وہی چہل اور

وہی الفاظ :

گھر سے کس طرح سے یوں حضرت منع نکلیں دی نہ ہو نے اجازت نہ دے گا چاہا
مومن کا رنگ دیکھو :

گردن، احسان، غم، معشوق سے صدا آفریں پیرومرشد واسیہ بھوسہ خدا کے گھر کے پاس
کیا احسان کے اس شعر کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ میر کا نہیں ہے :
غم ساتھ ہوا گلی سے تیری اک آے تھے اور دو گئے ہم

مضطرب غزلیں | احسان نے اتنی بڑی عمر پائی کہ میر سے لگا کر ذوق تک کا زمانہ
ان کی آنکھوں کے سامنے سے گزر گیا۔ ان سے کوئی شاعر نہیں
چھوٹتا تھا۔ ممکن نہیں کہ طرح کی غزلیں نہ کہی ہوں، مگر ان کا دیوان دیکھ
کر تعجب ہوتا ہے کہ میر، جرات، انشا، مہذون، نصیر، غالب، مومن، اور ذوق کی
غزلوں پر ان کی صرت ایک ایک دو دو غزلیں ہیں، بلکہ دیوان دیکھنے سے یہ خیال
پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے جان کر پہلو بچایا ہے، کہیں ردیف بدلا دی ہے، کہیں
قافیہ بدل دیا ہے، ذوق اور یہ تو ایک دوسرے کے مقابل تھے، یقیناً ہے کہ دونوں نے
اس کا التزام رکھا ہو کہ ایک ہی طرح میں دونوں کی غزلیں نہ ہوں اور اگر
ہوں بھی تو ایک کا قافیہ دوسرے کے ہاں حتیٰ المقدور نہ آئے تاکہ مقابلے سے کسی کی
استادی پر حرج نہ آ سکے —
ذوق کی ایک غزل ہے :

ہے جی میں اپنے غم جو ہر کو توڑ دوں آئینہ خیال مگر کو توڑ دوں
اس کے کل ۱۲ شعر ہیں، احسان نے اسی زمین میں ۳۴ شعروں کا دو غزلہ
لکھا ہے۔ سقا بلتاً صرت وہ اشعار لکھ دیتا ہوں جن کے قافیے ایک ہیں۔ آگے چل کر صرت
ایک غزل میں ان دونوں استادوں کے اشعار کے متعلق اپنی رائے ظاہر کروں گا، بقیہ کے
بارے میں آپ خود فیصلہ کر لیجئے :

ذوق : دلیا سے میں اگر دل مضطرب کو توڑ دوں
سارے خیال وہم مگر کو توڑ دوں

احسان: کیوں تار کریمہ دل مضطر کو توڑ دوں
گوہر کو توڑوں رشتہ کو ہر کو توڑ دوں

ذوق: میں کات دوں پہاڑ کو پتھر کو توڑ دوں
پر کیوں کہ غیر ہے بت کافر کو توڑ دوں
احسان: وہ آگ اور وہ آب ہوں پتھر کو توڑ دوں
پر بس فہمیں کہ میں دل کافر کو توڑ دوں

ذوق: نازک کلامیاں مری توڑیں عدو کا دل
میں وہ بلا ہوں شیشے سے پتھر کو توڑ دوں
احسان: دل میں ہے اب کے ایسی غزل گرم میں کہوں
پتھر کا دل جو اس کا ہو پتھر کو توڑ دوں

ذوق کا یہ شعر بیت الغزل ہے:

احسان فاخدا کا اُتھائے مری بلا کشتی خدا پہ چھوڑ دوں 'لنگر کو توڑ دوں
اور احسان کا یہ قطعہ بہت مزے کا ہے۔

گر ذکر بحر رحمت حق حشر میں کروں کوہ گناہ ہر صف محشر کو توڑ دوں
از بہر تشنگان قیامت بہر طارت تسنیم و سلسبیل کو، کوثر کو، توڑ دوں
یہ شعر بھی اچھا ہے:

مسجد میں یاد آئے جو نام خدا وہ بت سر پتکوں اس طرح ہے کہ منبر کو توڑ دوں
ذوق کی ایک اور سات شعر کی غزل ہے:

حر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پاے ہے یہ نصیب اللہ اکبر او گئے کی جاے ہے
اس زمیں میں احسان کی ۲۴ شعروں کی دو غزلیں ہیں۔ ذوق کے مطلع بالا
کا جواب ہوا ہے:

معتسب بھی پی کے سے لوگتے ہے میٹھانے میں آج
ہاتھ لا پیر مغاں یہ لوگتے کی جاے ہے

ذوق : رخصت اے زنداں، جنوں زنجیر در کھڑکائے ہے
مڑ دے خار دشت پھر تلوا سرا ٹھجلائے ہے
احسان : عشق کی دولت سے جب غش سا مجھے آجائے ہے
آپ وہ روئے ہے اور تلوا سرا کھجلائے ہے
ذوق کا بہترین شعر اس کا مقطع ہے :

نزع میں بھی ذوق کو تیرا ہی بس ہے انتظار
جانب در دیکھ لے ہے جب کہ ہوش آجائے ہے

احسان کا سب سے اچھا شعر یہ ہے : ذرا دیکھٹیکا، نیا مضمون ہے :

گرمیء الفت سے آنسو چشم تو برسائے ہے پہلے گرمائے ہے پیچھے جس طرح میلہ آئے ہے
مہاراجہ چندو اعل مدارالہمام حیدر آباد دکن نے استاد ذوق کے پاس اپنے ہاں
کے مشاعرے کی طرح بیچی تھی، انہوں نے دو غزل کہہ کر روانہ کیا۔ احسان کا
بھی اس زمیں میں دو غزلہ ہے :

ذوق : کل کئے تھے تم جسے بیہار ہجواں چھوڑ کر
چل بسا وہ آج سب ہستی کا ساماں چھوڑ کر
احسان : قیس مت جا، بند و غل زنجیر و زنداں چھوڑ کر
کس طرف جاتا ہے دیوالے یہ ساماں چھوڑ کر

ذوق : کام یہ تیرا ہی تھا، رحمت ہے اے ابر کرم
ورنہ جائے داغ ہمایاں میرا خاماں چھوڑ کر

احسان: دامن صحرا و جیب کوہ کو کر چاک چاک
اے دل دیوانہ اپنے جیب و دامن چھوڑ کر

ذوق: دیکھئے کیا ہو کہ ہے اب جان کے پیچھے پڑی
دل کو اے کافر تری زلف پریشاں چھوڑ کر
احسان: درہم و برہم ہوئی جمعیت خاطر تمام
کون آیا منہ پہ شب زلف پریشاں چھوڑ کر

ذوق: میں وہ ہوں کم نام - جب دفتر میں نام آیا سرا
رہ گیا بس منشی قدرت جگہ وہاں چھوڑ کر
احسان: دشت میں مجلوں کو چھوڑا کوہ کن کو کوہ میں
ذائب اپنے ہم چائے یہاں چھوڑ کر وہاں چھوڑ کر

ذوق: سایہ سرو چہن تجھہ بن تراتا ہے مجھے
سانپ سا پانی میں اے سرو خراماں چھوڑ کر
احسان: سرو سے قہری پورے ہے بگڑی بگڑی باغ میں
کیا شگوفہ تو گیا سرو خرا ماں چھوڑ کر

ذوق: اہل جوہر کو وطن میں رہنے دیتا گر فلک
لعل کیوں اس رنگ سے آتا بدخشاں چھوڑ کر
احسان: لعل لب پر غش ہوں گو دست حنائی بی میں خوب
کون ہے سرجاں کو لعل بدخشاں چھوڑ کر

ذوق : وصل میں گر مجھ کو ہووے رویت ماہ رجب

روے جاناں ہی کو دیکھوں میں تو قرآن چھوڑ کر

احسان: اس فرنگی زاہے کا منہ تکتے گزرے ہے انھیں

اب لگے انجیل پڑھنے یار قرآن چھوڑ کر

احسان نے کئی جگہ اور بھی روے یار کو بھالے قرآن کے انجیل سے تشبیہ دی۔

ہے - ذرا اس مضمون کو دیکھئے کیا عجیب و غریب ہے :

نہیں اب پہ تیرے خطاے یار جانی مسیحا ہے مصروت انجیل خوانی

ذوق کی ایک اور مشہور غزل ہے :

میں ہلا کر ساقیان سامری فن آب میں کرتے ہیں جادو سے اپنے آگ روشن آب میں

اس غزل کے بعد انھوں نے اکبر شاہ قانی کی تعریف میں ۳۰-۳۲ شعر کا

ایک قصیدہ بھی اسی زمین میں کہا ہے —

احسان کے صرف دو شعر اس زمین میں مجھے ملے ہیں، لیکن ان دونوں شعروں

میں جو قافیے ہیں، وہ ذوق کے ہاں نہیں ہیں۔ ایک قافیہ تو ایسا عجیب و غریب

ہے کہ کسی شاعر کے ہاں نہ یہ قافیہ ہوگا اور نہ یہ مضمون —

عکس پرویں دیکھ کر بولا وہ پر فن، آب میں

کس نے پھینکی سوتیوں کی میری سحر آں میں

جوسیدہ روے ازل ہیں وہ سپید اصلا نہ ہوں

آ اگر ہے شبہ کچھ، دھو دیکھ جامن آب میں

اب تک، یہ مضمون ”کہ رنگی بشستن نگر د سپید“ سے ادا کیا جاتا تھا۔ انھوں

نے خاص ہندوستانی رنگ میں اس کو باندھا ہے۔ یہی چیزیں ہیں جن سے زبان

میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ ”جامن“ کا قافیہ کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں

اسکتا اور آ بھی جائے تو اس کا باندھنا دشوار ہے —

احسان اور ذوق کے بعض شعر تو ایسے ہیں کہ ایک ہی قام سے نکلے ہوئے

معلوم ہوتے ہیں۔ بہلا ایسے اُستادوں کے متعلق کون کہہ سکتا ہے کہ ایک نے دوسرے

کی نقل کی ہے —

حسان: پلاؤں میں تجھ، گو کاٹے ہا تھ تو میرا
جو اب کے تونہ پئے مے پئے لہو میرا
ذوق: کہے ہے خنجر قاتل سے یہ گلو میرا
کہی جو مجھ سے کرے تو پئے لہو میرا

احسان: دوست کیا کیا مر گئے اہل کمال افسوس ہے

پُر جو تھے اہل کمال ان کا کمال افسوس ہے

ذوق: یوں پھر یں اہل کمال آشفتمہ حال افسوس ہے

اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

احسان: میل کباب دل اسے دل کی تلاش ہے

اس کی معاش دیکھد بڑا بد معاش ہے

ذوق: دل کی معاش غم، اسے غم کی تلاش ہے

دُر تا ہوں دل سے میں کہ بڑا بد معاش ہے

ذوق کی ایک غزل ہے :

کب وہ گزرتے ہیں سرلاٹ و گداز سے جن کی کہ آشنا ہے زباں لام و کات سے

معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشاعرے کی غزل ہے۔ کیونکہ احسان کی بھی ایک بڑی

لمبی چوڑی غزل اسی زمیں میں ہے۔ مگر یہاں بھی دونوں شاعروں نے کوشش کی

کی ہے کہ ایک کا قافیہ دوسرے کے ہاں نہ آئے۔ میں صرت وہ شعر نقل کرتا ہوں

جو ہم قافیہ ہیں —

کب وہ گزرتے ہیں سرلاٹ و گداز سے

جن کی کہ آشنا ہے زباں لام و کات سے

احسان : دشنام اور دے تو مجھے افہرات سے

عاشق کو لک وصول ہیں اک لام و کات سے

بھلا میں کیا اور میری رائے کیا - پھر بھی میں یہ ضرور کہوں گا کہ شاعری

کے لحاظ سے ذوق کا شعر کمزور ہے - لام و کات ، لعنت کرنے اور کافر کہنے کے سر

حوت ہیں اور اس کے معنی ، گالی گلوچ کرنا ، لٹے جاتے ہیں - لات و کذات کے

معنی ، تعلق اور بیہودہ سرائی کے ہیں - ذوق نے لام و کات کو لات و کذات کا سر حوت

توار دیا ہے - یہاں تک تو بالکل تھپک ہے اور واقعی ایک اچھی بات نکالی ہے -

اب شعر کے بد معنی ہونے کی زبان پر گالی گلوچ چڑھی ہوئی ہے وہ اگر

شیخی ماریں تو کیا تعجب ہے - اس میں دو کمزوریاں ہیں - ایک تو یہ کہ صفت

نے بجائے ترقی کے تنزل کیا ہے - بس یہی صورت ہوئی جیسے کہیں کہ وہ رستم

ہے ، چوہا بھی مار سکتا ہے - دوسرے یہ کہ وجہ سے جو نتیجہ نکالا ہے وہ لازمی

نتیجہ نہیں ہے - یہ کیا ضرور ہے کہ دو شخص گالیاں بکتا ہو وہ شیخی خورا بھی ہو -

اب اس کے مقابلے میں احسان کا شعر دیکھئے - اس نے بھی لام و کات کے

دوسرے معنی لئے ہیں اور لاکھ روپے کی بات نکالی ہے - کہتا ہے : تو بگڑ بگڑ کر

مجھے گالیاں دئے جا ، تیرا ہو لام و کات مجھے لاکھ روپے کے برا ہے - مگر ایک کا لفظ

ذرا کھٹکتا ہے - مجھے تو دونوں شعروں میں سے ایک بھی پسند نہیں -

ذوق : اول ہی سے بشر کو ہے رغبت خلات سے

لیتا تھا کام منہ کا شکم میں یہ نات سے

احسان : عنبر خجل ہے زلف سے پر ہے نئی یہ بات

شرمندہ مشک نافہ ہوا بوسے نات سے

ایک کا حکیمانہ شعر ہے دوسرے کا عاشقانہ - ایک ملطقی وجہ قائم کر کے

انسان کی فطرت بیان کرتا ہے ، دوسرا صرف واقعہ بیان کرتا ہے - ایک پیٹ کی

بات کہتا ہے دوسرا آنکھ دیکھو (آنکھ دیکھو نہیں ، ناک سو نکھو)
بات کہتا ہے —

ذوق : چل سیکدے میں شیخ بسر کر مہ صیام
مسجد میں تنگ بیٹھا ہے کیوں اعتکات سے
احسان : ماہ صیام میں تجھے ہر روز عید ہے
احسان عجب ہے کل ، نہ نکل اعتکات سے

احسان کے ہاں 'کل' کے معنی آرام کے ہیں۔ دونوں شعر معمولی ہیں ، پھر
بھی ذوق کا شعر بہتر ہے —

ذوق : نالوں نے دی چڑھا جو تپ لوزہ مہر کو
کھولی نہ آنکھ ابر سیہ کے لحات سے
احسان : سوتے ہیں کس کا روئے منور ہے کھل گیا
یہ منہ نہیں ہے ، چاند ہے نکلا لحات سے
دونوں شعر بھرتی کے ہیں۔

ذوق : ہو جو ہر کہاں پہ ننگا جو خاکسار
ایک تیغ ہے کہ ننگ ہے اس کو غلات سے
اسی قافیے میں ذوق کا دوسرا شعر ہے :

جوں تیغ خوش غلات نگہ تیری اے بڑی
ہے دسہم نکل کے چمکتی غلات سے
احسان : اس بانکپن پہ میں ہوں تصدق کہ اے میاں
شمشیر نکلی پڑتی ہے ہر دم غلات سے

ذوق کا پہلا شعر قصب کا شعر ہے ، کیا باحفاظ شوکت الفاظ اور کیا بلحاظ
مضمون اس شعر کا جواب ہونا مشکل ہے۔ احسان کے ہاں رعایت لفظی نے کمزوری
پیدا کر دی ہے۔ دوسرا مصرعہ واقعی لاجواب ہے ، مگر پہلے مصرعہ کی اول تو بندھی

کمزور ہے، دوسرے ”میاں“ کے لفظ نے اس کو اور بھی گزرا کر دیا -

ذوق : گردش ہے اس کی چشم فی دیوں میرے دل کے گرد

کافر کو کام کعبے کے ہے کیا طوالت سے

اس قافیے میں ان کا دوسرا شعر ہے

طوالت سیما خیمہ لپائی ہوا نصیب

مجنوں، سہمیو کعبے کے بہتر طوالت سے

احسان : آؤں گا میں بھی کعبے کو، تم جاؤ شیخ جی

فرصت اگر ہوئی مجھے دل کے طوالت سے

احسان کا شعر یقیناً ذوق کے دونوں شعروں سے بڑھا ہوا ہے اور طرز ادا ایسا

بنا کا ہے کہ سبحان اللہ -

ذوق : لڑتے ہیں گہ نصیب سے گاہے ذاک سے ہم

فرقت کی رات کم نہیں روز مصاف سے

احسان : بے فائدہ نہ تیغ و سپر کو سنبھالنے

(ق)

انصاف کیجئے، فائدہ کیا ہے مصاف سے

ہے صاف صاف یہ کہ نہ لوں بوسے کس طوح

یہ گورے گورے گال ہیں کیا صاف صاف سے

ذوق : گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق جہاں

اے 'ذوق' اس جہاں کو ہے زیب اختلات سے

احسان : دل میرا زلف کو ہی دے، اے خال، مت جھگڑ

سو سو بلائیں اٹھتی ہیں ایک اختلات سے

ذوق ایک شعر میں وہ فلسفہ بیان کر گیا ہے جو ایک کتاب میں آنا مشکل ہے -

ایسے ہی شعروں نے آخر اس کو ملک الشعراء بنادیا تھا —

شاہ نصیر کی بھی دو چار غزلوں پر احسان کی غزلیں ہیں۔ ایک مشاعرے میں طرح کا مصرعہ تھا: - ”خدا جانے کیا اس کا انجام ہوگا“ دونوں نے اس کی تفسیر کی ہے -

نصیر : نہ سمجھو کہ آغاز خط عارضی ہے

خدا جانے کیا اس کا انجام ہوگا

احسان : سنو! جب کہ آغاز الفت ہے یہ کچھ

خدا جانے کیا اس کا انجام ہوگا

شاہ نصیر اور احسان کی ایک طرحی غزل نے ہم قافیہ اشعار بالمقابل لکھتا ہوں ، اس سے ان دونوں استادوں کے کلام کا اندازہ ہو جائیگا۔ بعض جگہ تو یہ حالت ہوئی ہے کہ مضمون تو مضمون الفاظ بھی مل گئے ہیں -

نصیر : میں ہی تھا جو کہ دل کو رہا تھا اب تلک

غم کر چکا تھا ورنہ مرا کام اب تلک

احسان : نکلا نہ اس کے لب سے مرا کام اب تلک

اللہ وہ صنم نہ ہوا رام اب تلک

نصیر : ہمچشمی اس کی چشم سے جو کی تھی اس لئے

ہم پہنرتے ہیں دیدہ بادام اب تلک

احسان : وتبد وہ تیرے چشم کے کشتے کا ہے کہ خلق

لاتی ہے اس کی قہر پہ بادام اب تلک

نصیر : ہے یاد اس کی دل میں ہمارے کہ جس نے آہ

بہو لے سے بھی لہا نہ کبھی فام اب تلک

احسان : احسان میں جسکے نام پہ دیتا ہوں اپنی جاں
وہ جانتا نہیں ہے مرا نام اب تلک

نصیر : یاں چہت سے آنکھیں لگ کٹئیں اوراں وہ مہارو
آیا نہ حیف تا بہ لب بام اب تلک
احسان : کزرا تھا رشک ماہ کہیں ایک شب و ہاں
اک روشنی سی ہے بلب بام اب تلک

نصیر : مر کر بھی ہم نے اس دل مضطر کے ہاتھ سے
پایا نہ زیر خاک کچھ آرام اب تلک
احسان : گو مر چکا ہوں پر دل مضطر کے ہاتھ سے
میرے نصیب میں نہیں آرام اب تلک

نصیر : کھا کھا کے داغ سرو چراغاں میں بن کیا
ہر گز ملا نہ پر ، وہ کل اذہام اب تلک
احسان : ہوتی تھی جن کو بستر گل پر بھی بیکلی
ہیں خاک میں پڑے وہ کل اذہام اب تلک

نصیر : ظاہر میں اس کے گوہے رکاوٹ پر اے نصیر
جاری ہے رسم نامہ و پیغام اب تلک
احسان : پیغام بوسہ پر ہے تسلی کسے یہاں
تیرا وہ ہی ہے بوسہ بہ پیغام اب تلک

اب دونوں غزلوں کو آپ خود ملاحظہ فرما لیجئے - احسان کی غزل کسی طرح

شاہ نصیر سے دہی ہوئی نہیں ہے —

میر نظام الدین مہنوں اور احسان کی انٹرو غزلیں ایک ہی زمین میں ہیں، لیکن خدا معلوم کیا بات ہے کہ جو قافیہ ایک نے باندھا ہے وہ دوسرے نے چھوڑ دیا ہے۔ بعض میں قافیے ملتے ہیں، وہ بالہقابل لکھ دیتا ہوں :

مہنوں : گہاں نہ کیونکہ کروں تجھ پہ دل چرا نے کا
چو کا کے آنکھ سبب کیا ہے مسکرا نے کا
احسان : ہماری جان پہ گر تی ہے برق غم ظالم!
تجھ تو سہل سا ہے شغل مسکرا نے کا

مہنوں : واے بیکاری و ہشت کہ رکھیں مشغلہ کیا
نہ تو دامان ہے ثابت نہ گریبان درست
احسان : سینہ اس طرح کھلا، بند ہے وا، بندہ نواز
کچھ بھی موقع ہے ذرا کیجئے گریبان درست

جب مضمون پڑھا جاتا ہے تو اکھنڈ والا لکھتے لکھتے اور پڑھنے والا پڑھتے پڑھتے نہو نہ کلام اُگتا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں یہی بہتر ہوتا ہے کہ کسی طرح لپیٹ سمیٹ کر مضمون ختم کر دیا جائے۔ یہی طریقہ اب میں بھی اختیار کرتا ہوں اور احسان کے کلام کے کچھ نہو نے اور بعض غزلیں لکھ کر مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ ہر شخص کی پسند جدا جدا ہوتی ہے، کیا ضرور ہے کہ جو شعر مجھے پسند ہو وہ آپ کو بھی پسند آئے، یہی تو وجہ ہے کہ جتنے شعرا کے تذکرے ہیں سب میں انتقاب کلام مختلف ہے، لیکر کہا کروں چہا نقتنا مجھے ہی پڑیگا، آپ ہوتے تو آپ سے بھی مشورہ لے لیتا۔ انتقاب میں مینے دو تین چیزوں کو پڑھی نظر رکھا ہے۔ ایک جدت مضمون، دوسرے محاورے اور تیسرے روانی۔ اگر ہر عنوان کے شعر علیحدہ علیحدہ کر دوں تو بعض صورتوں میں سلسلہ ٹوٹ کر مڑا جاتا رہیگا۔ اس لئے بلا لحاظ

مضمون سب کو ایک ہی جگہ لکھ دیتا ہوں ، آپ کو ضرورت ہے تو ٹھوڑی سی تکلیف گوارا کر نے ان اشعار کو بہ احاطہ مضامین خود تقسیم کر لیجئے —

رکھا ہے عشق کے دریا میں اب قدم میں نے معات کیجیو یا رو ! کہا سنا میرا
سیری ہمارے زخم کو مطلق نہیں ہوئی جتنا تھا زور شور نہکداں کا ہو چکا
دریا بھی کیا ہے ، گرم تو ہے پرہو جیسے بوند ہم سے علاج سینہ سوزاں کا ہو چکا
سرجائیکا فراق میں کہتا ہے مجھ کو تو ق اس منہ پہ وصل اس منہ تباں کا ہو چکا
فی الواقعہ یہ تو نے کہا ایک ناصحا یہاں کل ہی واقعہ شب ہجران کا ہو چکا

تجربہ کو دیکھی نہ دیکھا ، دیکھا جہاں سارا کچھ تجھی کو میں نے سارے جہاں میں دیکھا

کہا جو میں نے کہ اے رشک سہ گور میرے ق تو بہرانی سے کیوں ایک ذرا نہیں رہتا
لگا یہ کہنے کہ ہاں ہاں ہے یہ بھی اپنا شوق
نہیں ، نہیں ، نہیں رہتا ہوں ، جا نہیں رہتا
داد دیجئے گا ، کیا خوبصورت تکرار ہے —

ہماری چھاتی پہ پھرتا ہے سانپ یہاں احسان

وہاں ہے شغل اسے زلف کے بنا نے کا

یہ شام ہجراتی شامت زدہ کہاں سے ہو رو سیاہ ایسے ناخواندہ میہماں کا
پیک اجل ٹھہر جا ، جاتا ہوں میں بوی یعنی پیغام خود سنونگا یاران رفتگان کا
کیا خوبصورت شعر ہے اور کیا لطیف مضمون ہے ۔ سبحان اللہ —

مرگ کے پہلچا ہوں نزدیک ، تری جان سے دور

مجھ پہ کیا کیا کہوں فرقت میں کہ کیا کیا نہ ہوا

کیا ہی کوچہ ہے مرے درست کا اللہ اللہ برہمن آن کے وہاں دشمن بخشاہ ہوا

مرا تو ناک میں دم توڑے چرخ پیر کہا پہ تیری ناک میں آ رہا نے تیر کیا
 تو کیوں ہے گریہ کناں اے مرے دل معزوں
 نہ رو نہ رو کہ نہ تجھ کو کہیں رلاے خدا
 بتو! بٹاؤ تو کیا تم خدا کو دوڑے جواب
 خدا سے بندوں پہ یہ ظلم بندہ ہاے خدا
 رضا میں تیری ہوں دن رات اے صنم مصروت
 اور اس پہ تو نہیں راضی نہ ہو، رضائے خدا
 بقوں کے کوچے میں کہتا تھا کل یہی احسان
 یہاں کسی کا نہیں ہے کوئی سواے خدا

تیرا مریض عشق تو جی سے گذر گیا کل پہلا دن تھا آج میری جاں ہے دوسرا
 معاورہ ہے ”آج مرے کل دوسرا دن“۔

میری بغل سے دل کو نکالو کسی طرح جراح سے یہ کہہ دو کہ پیگان ہے دوسرا
 لاجواب شعر ہے، پیگان سے دل کو تشبیہ دی ہے۔ جس نے خدا فخر استہ کہہ
 پیگان دیکھا ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ کیسی خوبصورت تشبیہ ہے اور اس کے
 ساتھ یہ دیکھئے کہ کس طرح جراح کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ
 دل کے نکلے بغیر درد نہ جائیگا اور جراح اس در کے مارے دل نہ نکالے گا کہ دل نکلا
 اور یہ مرا۔ یاروں سے کہتے ہیں کہ اس کو دھوکا دیدو کہ یہ دل نہیں ہے
 دوسرا پیگان ہے۔

ہوا ہوں عشق سے ناچار یہاں تلک ’احسان‘ جو مجھ کو ہاے نہ کرنا تھا فاکزیر کیا

یارو! سبھی کو میرے گریہاں کا فکڑھے ناصح کے منہ کو آنکے کوئی نہ سی کیا

سری آہ آتش فشاں دیکھتے ہی لئے کھڑے ہو کر ایک قرآن نکلا
 کیا مہلے معرا تو جھنجلا کے بولے کہاں کا سرا جان پہچان نکلا
 مجھے شیخ الفت سے مانع ہے 'احسان' راسِ حس کو سمجھا تھا شیطان نکلا

بھی جو شمع تو پروانوں پر ہوا روشن کہ بعد مرگ کوئی آشنا نہیں رہتا

تم آئے ورنہ ہجر میں بچنا محال تھا ہر کو شب فراق ہی روزِ دصال تھا

کبھی شادی کبھی غم ہے 'یہی عالم ہے عالم کا
 مہ عید الضحیٰ کُزرا تو چاند آیا محرم کا

کہا میلے سے گور بھی کبھو آؤ گے 'یہ بولے :
 میں کیوں آؤں مجھے دیا واسطہ کیا کار کیا باعث

سبک کھینکے تجھے لوگ اٹھ نہ بالیں سے
 کہ رات اس تیرے بیمار پوہے بھاری آج
 تمہارے آج کے وعدے کو میں سمجھتا ہوں
 کہ تا بعشر نہ فہرِ یگی یہ تمہاری آج
 خاک میں مل کر تمہارا مزرعِ دنیا کا دیکھ
 ساتھ ہے ہر قفل کے کنجی یہاں دانے کی طرح

فائدہ؟ تم جو مجھے نزع میں یار آئے نظر
 ہے نہ یار اے سخن اور نہ یار اے نظر

نظر آتی ہے تری سانگ میں یوں سلک کھر
ابر میں جیسے کہ بگلوں کی قطار آے نظر
فنی تشبیہ ہے اور لا جواب ہے۔ میں شعر لکھ جا تا ہوں، آپ تعریف کر نے
جائیے۔ اگر میں نے ہر شعر کی تعریف کر لی اور اس کی خوبیاں دکھانی شروع
کیں تو یہ مضمون کبھی ختم ہی نہ ہو گا۔ اچھا آگے چلتے :

دیکھیو میری طرف، سچ کہیوالے اختر شناس

کیوں فلک کو تو نے دیکھا میرے اختر دیکھ کر

کیا غضب کا شعر ہے۔ ارادہ تھا کہ کسی شعر پر کوئی نوٹ نہ دوں گا، لیکن
کیا کروں، اس شعر کی تعریف کئے بغیر بھی تو نہیں رہا جا تا۔ شعر کیا ہے نوٹو
ہے۔ معشوق کے ہاتھوں پر نشان ہو کر فال کھلوا نے جاتے ہیں کہ قسمت میں وصل
لکھا ہو ہے یا نہیں۔ نجومی ہاتھ دیکھتا ہے، زائچہ کھینچتا ہے، ستاروں کے
چکر دیکھتا ہے اور بجائے ان سے کچھ کہنے کے آسمان کی طرف دیکھتا ہے۔ اس کا
جو اثر بچارے عاشق کے دل پر ہوا وہ ایک دفتر میں بھی بیان نہیں ہو سکتا۔
اور جو الجھنیں اس کے دل میں پیدا ہوئیں ان کی تشریح محال ہے۔ یہ شاعر
کا کمال ہے کہ اس نے کچھ نہ کہا اور سب کچھ کہہ دیا۔ کیا بلحاظ زبان، کیا
بلحاظ طریقہ ادا اور کیا بلحاظ مضمون، علم ادب میں ایسے شاید چند ہی
شعر نکلیں: یہ وہ شعر ہے جس پر ہزاروں دیوان قربان کر دئے جائیں
تو سزا وار ہے۔

اگر چہ میں نفاں سے نینہ اک عالم کی کھوتا ہوں
تری خاطر ہے مجھ کو اے اجل بس آج سوتا ہوں
انہ ہیرا چھا گیا آنکھوں میں جب سے تو کیا یہاں سے
کوئی آنکھوں سے روئے اور میں آنکھوں کو روتا ہوں

چاہئے بحر خیالت میں وہ سب توبہ مریں
اپنے معشوق کو جو جاں جہاں کہتے ہیں
ایک نقطہ بھی زیادہ جو زبان پر آیا
وہ زبان ہی نہیں پھر اس کو زیاں کہتے ہیں
میں تو پتا ہوں غم عشق بقاء میں 'احسان'
حکما ' فضل الہی ' خفقاں کہتے ہیں

مچھکو مت چوہیزو کہ میں سر تابہا تا قبر ہوں
ہرق ہوں ' آہ سحر ہوں ' نائلہ شہگیر ہوں
کام رہتا ہے سدا گردن کشوں سے ہی مجھے
پیچ و تاب حلقہ ہائے جوہر تہشیر ہوں
درد دل کو میوے جانا اُس نے افسانہ مگر
چپ جو رہتا ہوں تو پھر کہتا ہے وہ بے پیر ہوں
فی المثل آب بقا پر سے تو کیا حامل مجھے
مزوج دنیا میں 'احسان' دانہ زنجیر ہوں

پلائی سے رمضان میں نہ مچھکوائے ساقی
بڑے عذاب سے کتتے ہیں یہ قواب کے دن

بہت کم ہے سچ اس زمانے میں 'احسان' یہاں جھوٹ نے کار ہائے بہت ہیں

تاب کس کو ہے جو پھر بھر تقابل آ سکے (ق)
گرم آہ گرم ' اپنا جب دل بیتاب ہو

خاک کو بھی چات کر کہتا ہوں اے بادِ سہم
 تو تو کیا ہے آتشِ دروغ کا زہرِ آبِ ہو
 میں یہ کہتا ہی نہیں تجھ کو رہا الفت میں تو
 رستم و افراسیاب و بہمن و سہراب ہو
 بیدل و بیتاب و بے آرام و بیخود، بیخبر
 بے سرو بے صبر و بیعتاں، بیخورو بیخواب ہو
 کیا نہ دُخط سے خطرہ، کیوں مکدر تو ہوا
 اے انف قامت وہ مصحفِ دنیا جو بے اعراب ہو

جب سینے کہا چاہتا ہوں میں تجھے والدہ
 بولا وہ صنم: تم مجھے للہ نہ چاہو
 جنت کا یہ سب ذکر فراموش ہو واعظ
 گر حضرت من آپ کا دروغ نہ بھرا ہو
 کیا نہ ہمارا اس کے میں کل، کیا وہ گھر کو کیا بہانہ
 دریغ یہ ہے دروغ گو کو نہ سینے پہنچا یا تا بھانہ
 جھوٹے کو گھر تک پہنچانے کا معاورہ باندھا ہے —

ضرور سے نہیں خاطر میں اپنے لاتے ہو سلام لیتے ہو یا مکھیاں اُڑاتے ہو
 کیا تھکافا تیرے وعدے کا بت بے پیر ہے آج ہفتہ اور کل اتوار پرسوں پیر ہے

غم بھی آویزاں دل میریوں لپٹا ہوا ہمارا عشق
 جس طرہ کوئی طفیلی آتا ہے مہماں کے ساتھ
 اے وفا دشمن یہ تیرے عشق سے ثابت ہوا
 سرِ سبز جی کازیاں ہے دوستی نا دلی کے ساتھ

سہارو ہے " نادان کی دوستی جی کا زبان " غالب نے بھی اس سہارے کو ہاندا ہے
غالب: فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی ہے دافاسد دوستی نادان کی جی کا زبان ہو جائے گا

قسمت کا بلی زلف گرہ گیر سے چپوٹے ہاتھی بھی نہ جکڑا ہوا زنجیر سے چھوٹے

کی تو اغیار سے سازش ہے ، ولے غنچہ دہن !
چٹکیوں میں ہیں یہ جو بن کے اُڑانے والے
ان کے ہنسنے پہ نہ جا ، ان کے ہنسانے سے نہ ہنس
تیرے ہنسنے پہ یہ ہنستے ہیں ہنسانے والے

رخ پہ جب خال کو دیکھا تو کہا مینے کہ یارا!
ربط کس طرح بہم کازرو دیندار میں ہے
بولا سررشتہ یہ کچھ آج کی ایجاد نہیں
رشتہ اک عہر سے بیاں سبحدہ و زناں میں ہے

چشم مست اس کی یاد آنے لگی پھر زباں میری لڑکھڑائے لگی
آگ اس دل لگی کو لگ جائے دل لگی آگ پھر لگائے لگی
کس کی آواز پاسنی کہ مجھے نزع کے وقت نیند آنے لگی

مستعد بدی ہوا وہ ہی ت جس سے کی ہم نے بارہا نیکی
نیکیاں کر کے ہو بدی حاصل ہت تری آخری زمانے کی
اسی مضمون کو ' غالب ' نے یوں ادا کیا ہے :

کہوں کیا خوبی اوضاع ابناے زمان 'غالب' !
بدی کی اس نے جس سے ہم نے کی تھی بارہانیکی

وہ بھر حسن شاید باغ میں آئے گا اے احسان
کہ فوارہ خوشی سے آج دو دو گز اچھلتا ہے

الف قامت ترا 'میم دھن' جوں نزن ندوین ہے
کہ سننے میں ہے آیا 'پر نہیں دیکھا کسی رو سے

جو میں نے کل کی خوشامد کہا یہ درباں سے
خوشامدی سری محفل میں کوئی آنہ سکے

نہ زاہد ہوں 'نہ میکش ہوں' نہ سینا ساز ہوں 'احسان'
نہ مجھ کو کام مینے سے نہ میلا سے نہ مینو سے

تسمیح کے ایسے دانوں کو جو ڈبشتے کے ہوں "مینے" کہتے ہیں ۔ مگر زاہد اور
میکش کے ساتھ مینا ساز کا لفظ بہت بے جوڑ آیا ہے ۔ "مینے اور مینا" کے ساتھ
"مینو" کا لفظ لانا تھا ' اس لئے زور دستی "مینا ساز" کو ٹیونس دیا ۔

اسی غزل میں دوسرا قطعہ کہا ہے ' واقعی لا جواب ہے ۔ مجھ اس لئے اور بھی
ہسلد ہے کہ عربی اور ایرانی عاشقوں کے ساتھ ہندوستان کے عاشقوں کو بھی شریک
کر دیا ۔ سسی اور پنو کے عشق کا حال پنجاب والوں سے پوچھو ۔

ہوا دشت مہبت طے عزیزو ' دوستو ! ہر گز
نہ عشاق جفا کھی سے نہ معشوق جفا جو سے

نہ خسرو ہے، نہ شیریں ہے، نہ جنوں ہے، نہ لیلٰی ہے
نہ واقعی ہے، نہ عذرا ہے، نہ سسی ہے، نہ پنو ہے

چین تجھکو بوی نہو مجھکو ستانے والے
نو بھی تھنقا نہ رہے جی کے جلانے والے

پیر مغاں کی ہے یہ کرامات ساقیا یوں میکدے میں ساغر بے دست و پاچلے
اب دو غزلیں پوری پوری اکھ کراس، مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ ان غزلوں کے دیکھنے
سے آپ کو اسان کی شاعری کا اور اچھی طرح اندازہ ہو جائیگا۔ دل کھولنے کی طرح
دیوان کھولتا ہوں، جردو غزلیں پہلے نکلیں وہی نقل کر دوں گا۔ چھا، اسم اللہ الرحمن الرحیم

دل کو چورا کے شوق کا مجھ پر رکھا گناہ
انصاف کیجئے میرا ہے یا آپ کا گناہ

چن دل حزیں جگرے خستگان پہ رحم
میں نے کہا کہا ڈراب ہے کہنے لگا گناہ

جب تم سے بولتا ہوں برا مانتے ہو تم
کچھ حرم، کچھ قصور، بھلا کچھ خطا، گناہ

ہار غم بقاں سے نجات اب کی بار ہو
بار دگر فہوگا یہ ہار خدا گناہ

بھنے کہا کہ زلف میں دل کو اسیر کر
بولا کہ سر پہ لیوے یہ میری بلا گناہ

پایا رواج بخل نے اب تو یہاں تلک
سمجھتے ہیں اس زمانے میں جود و سخا گناہ

جنت میں مجھکو اس کی گلی سے ہمیں لے چلے
کیا جائیے کہ مجھ سے ہوا آہ کیا گناہ

’احسان‘ پر گناہ کے فعل و کرم سے بخش
یا رب بحق حضرت خیرالوراء ’کناہ‘

ہم ہیں کوچہ ہے یار جانی کا زور ہے زور ناتوانی کا
نام تیرا ہے ورنہ اے علقا ہے نشان ہم سے بے نشانی کا
غم سے ہوتا ہے غم غلط اپنا کس کو یہاں غم ہے شادمانی کا
میں تو اس نوجوان بزرگساز ہوں ہاے عالم تو ہی جوانی کا
تو نہ ہووے تو جان مرجاؤں تو ہی باعث ہے زندگانی کا
فیند اُڑ جائے سنتے ہی اسکے یہ اثر ہے مری کھانی کا
اسی زلف دراز سے ہے خضر سلسلہ عمر جاودانی کا
نہیں احساں تجھے سلیقہ کچھ شعر گوئی کا شعر خوانی کا

کئی رباعیاں اوپر دے آیا ہوں شاید نکالنے میں دقت ہو اسلئے ایک یہاں
بھی لکھ دیتا ہوں:

جس طرح بنے عمر کا کیو ا بھیندا پڑ جائیگا آخر کو تو لیذا لیذا
دے نام خدا اور ترے نام خدا۔ دُنیا میں عجب چیز ہے لیذا لیذا

لیجئے مضمون ختم ہو گیا، محرم کا زمانہ ہے، طبیعت خرد بڑھ رہا ہے، مضمون میں
ہوئی اگر افسردگی ہو تو کچھ تعجب نہیں۔ مضمون لکھنے سے نہ میری کبھی یہ غرض
تھی اور نہ ہے کہ آسمان کے تارے نرولاؤں، یا ایسا مضمون لکھوں کہ دھاک بیٹھ جائے
میں تو یہ چاہتا ہوں کہ جو کچھ نرشتہ اور یا رکاب بزرگوں سے سناؤم ہو جائے، اسکو
محفوظ کر دوں۔ بعد میں کوئی نہ کوئی بلا آدمی ان واقعات و حالات کو سلیقے سے جھائے گا۔
اگر مضمون کی ترتیب اور الفاظ کے انتخاب کو ایگر بیٹھا تو نہ سچھ سے کچھ ہوا
ہے اور نہ ہو گا۔ مضمون ہاتھ سے جائیگا اور پرانے زمانے کے حالات ان بزرگوں کے
ساتھ قبر میں چلے جائیں گے۔ میں بات بہ ہے کہ جو پڑھ گیا سو موتی —

ایشاد (فسانہ)

از

(جناب کش پرشاد صاحب کول ممبہر - رونتس آف انڈیا سوسائٹی، لمپنلو)

ساوتری - یہ ان کی بڑھ پے میں کیا مت بھنگ ہوئی، چھین برس کی عمر میں شادی کرنے بیٹھے، انیس برس کی لڑکی سے اور پھر کیر میں بیوی موجود - بڑے بڑے جوان لڑکے سامنے - پوتے نوے والے -

وملا - جی ہاں اور - وشل رفارسر بننے تھے - وشل رفارم کے نام سے جب میں تو لوگ بھڑکتے ہیں، یہ تو آپ کے رفارسروں کا دل ہے - بدھرا آخر کہوں کر بیٹھے - لوگوں نے بھروسہ کر کے اپنے یہاں نہ بیروں بیٹھیں کو آخرم میں بھیجا کہ کچھ پڑھیں گی، لکھیں گی، سیکھیں گی، وہاں یہ گل کھلا - بھلا اب اگر لوگ ان بانوں سے دور بھاگیں اور وشل رفارم کو بدنام کریں تو ان کو کس منہ سے الزام دے سکتے ہو -

ساوتری - کچھ اجنبی طرح - کچھ مہین نہیں آیا کہ دیوان صاحب کو بڑھوا کیا - کیسا قورانی چہرہ، فرشتہ سیرت، آج تک سرائے تعریف کے کسی کی زبان سے کوئی کلمہ برائی کا نہیں سنا - عمر بہر ہرا و پٹار کی زندگی بسر کی - پھر کسے قابل، کچھ دار، بدن بار، دفعتاً یہ ہوا کیا - کیا بڑھاپے میں سب ہی کی عقل ماری جاتی ہے!

وملا - بہن جی - میں نے تو جب سے یہ سنا، سچ کہتی ہوں عمر کے مارے سر نہیں اُٹھایا جاتا - انہوں نے اپنی سپید تازگی میں تو سیاہی لگائی ہی، مگر قوم

والوں کا منہ بھی کالا کیا۔

ہافتی۔ اس کی قائل ہو کہ آدمی شریف، فرشتہ سیرت اور پرار بکارو ہے۔ نل تک تم سب کی زبانیں اُس کی تعریف کرتے کرتے نہیں تھکتی تھیں اور جب سے یہ حادثہ نورا، بلا سوچے سمجھے تم سب کے سب ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گئے۔ تم ارگ حیرت ظاہر کرتے تو میں سمجھو سکتی تھی، لیکن تم نے تو اعانت ملامت کا وہ طومار باندھا ہے کہ توبہ ہی ہوئی۔

و ملا۔ بہن جی! یہ تم نے خوب کہا۔ تم اس بات کی حمایت کرنے کے لئے تیار ہو؟ سہو تو برادری والوں میں کیسا طرفان برپا ہے۔ اس کو بھی جالے دو۔ اخبار والے کیا لکھ رہے ہیں۔ لاہور پتھر میں تھکے مچھا ہوا ہے اور دیوان صاحب خود منہ چھپائے چھپائے پھرتے ہیں۔ جو بات جیسی ہوگی ویسی کہی جائے گی۔

ساوتوی۔ بڑی حرکت تو واقعی بڑی فائز بیا ہوئی۔ ایسے شخص سے ایسی حرکت کا سان گھان بھی نہ تھا۔ بدھوا آشرم کے تو پاس بھی اب کوئی نہ جائے گا۔ و ملا۔ یہ بھی صاحب دل لگو کی بات ہے، ذہد بھی آتا ہے، شرم بھی آتی ہے، پور ہند بھی۔ دیوان صاحب کو تو بڑے بوس لگی تھی، اس لڑکی کو کیا ہوا۔ شادی بھی کی تو کس سوکھ امچور سے، ایک پیپر قبر میں لٹکے۔ آج مرے نل دوسرا دن۔

ساوتوی۔ اے اور بھی سنا، شادی دیوان صاحب کی بیوی کی مرضی سے ہوئی ہے، سنا کہ رکمنی کو بڑے پیار سے رکھتی ہیں۔

و ملا۔ بیڑا میاں، بیوے کا بچہ پر اس طرح سے مونگ دے تو میں تو تازہ می نوچ لوں اور اس سوئی سوت کو لگاؤں لوگا۔

ساوتوی۔ (ہنس کر) اے تیرے میاں کے تازہ میوچہ ہی کہاں ہے جو نوچے گی۔ شانتی۔ تم نے اس پر نہیں غور کیا کہ رکمنی نے سارے جہاں کو چھوڑ کر ایسے شخص

سے جو ایک پیر قبر میں لٹکے ہے، شادی کرنی کیوں پسند کی اور دیوان صاحب کی بیوی رکھنی کو بیٹی کی طرح کیوں پیار کرتی ہیں۔ کچھ تو راز ہوگا۔ تم نے غور کرنے کی تکلیف تو گوارا کی ہوتی —

و ملا - راز سارا طشت از بام ہوچکا ، راز کیا ہوگا خاک، میری سمجھ میں تو یہ سارا اوں کا اوں بگڑا ہوا ہے —

ساو قری - کیا راز ہے؟ تمہیں کچھ معلوم ہے؟ بتاؤ —

شافتی - تم لوگ تو مذاق اُڑا رہے ہو، سنجیدہ باتوں میں مذاق مجھے نہیں اچھا لگتا۔ ساو قری - اچھی شافتی بتاؤ کیا بات ہے۔ تم سے تو رکھنی سے بڑی اپناہٹ ہے۔ اُس نے تو سب دل کا حال تم سے کہا ہوگا۔ کیا بات ہے بتاؤ —

شافتی - وعدہ کرو کہ سنجیدگی سے سنوگی اور جو کچھ میں کہوں اُسے یقین کر دوگی۔ دیکھو ملا نے ابھی سے مسکراتا شروع کیا۔ میں اُس کے آگے نہیں کہوں گی۔ و ملا - بہن جی! تم تو خفا ہوتی ہو۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ سنجیدگی سے سنوں گی اور تمہاری بات برابر مافوں گی، کہو کیا بات ہے —

دیوان جے رام دوارکا داس لاہور کے ایک معزز اور متمول خاندان سے تھے۔

غدر کے زمانے میں پیدا ہوئے اور لڑکپن لاہور ہی میں گزرا۔ آپ شہر کے اُن معتمدوں میں سے تھے جنہوں نے انگریزی کی تعلیم سے اُس زمانے میں فیض اُٹھایا تھا۔ کچھ عرصہ پیشہ وکالت میں صرف کیا، بعد ازاں محکمہ عدالت میں مختلف عہدوں پر پنجاب کے مختلف اضلاع میں مامور رہے۔ چونکہ آدمی ذہین اور قابل تھے، بہت جلد سشن جج کے عہدے پر سرفراز کئے گئے۔ آخری زمانہ سشن ججی کا خاص لاہور میں صرف ہوا، چونکہ تندرستی کچھ خراب رہتی تھی اور لاہور کے باہر نہیں جانا چاہتے تھے، کسی قدر قبل از وقت پنشن لے لی۔ دیوان جے رام دوارکا داس پرانے زمانے کے اُن چھوٹے اصحاب میں تھے جن کا نہ صرف دماغ انگریزی تعلیم کی نئی روشنی سے ملور تھا، بلکہ جنہوں نے پہلو میں دل اور دل میں درد

پایا تھا۔ قوم کے تعلیمی اور سوشل معاملات میں نمایاں اور عملی حصہ لیتے رہتے تھے۔ نیشنل کانگرس میں بھی بد حیثیت تماشائی ضرور جاتے۔ پنجاب میں سوشل کانفرنس کے روح رواں تھے اور بالخصوص لاہور میں آپ کی بڑی وقعت اور مرتبہ تھا۔ گزشتہ بارہ سال سے آپ نے لاہور میں ایک بدھوا آشرم اپنے صرت سے قائم کیا تھا، جس میں ہندو بدھواؤں اور لڑکیوں کی تعلیم کا نہایت معقول اور اعلیٰ پیمانے پر انتظام کیا تھا۔ دس پانچ بدھواؤں کی شادی بھی اُن کی اور اُن کے ماں باپ کی مرضی سے کرائی جاتی تھی۔ علاوہ اس آشرم کے اور بھی کئی درسگاہیں آپ کی فیاضی سے مالا مال ہوتی رہتی تھیں۔ اسی لئے آپ شہر میں ہر دل عزیز تھے اور اپنے صوبے میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ آپ کے راست باز اور فرشتہ سیرت ہونے کا ہر کہ و مہ معتقد تھا۔ آپ کے دامن شہرت پر کبھی کوئی چھینٹ بھی اُڑ کر نہیں پڑی تھی۔ اس لئے جب یہ خبر دفعۃً مشہور ہوئی کہ آپ نے آشرم کی ایک نوجوان بیوہ سے شادی کر لی تو نہ صرف آپکو برادری بلکہ تمام شہر میں تہلکہ مچ گیا اور لوگ متحیر رہ گئے۔

مسٹر بیگم رام سوری کے ڈرائنگ روم میں مسز اوری یعنی شانتی اور اُس کی دو اور سہیلیاں بیٹنی چائے پی رہی تھیں اور اسی حادثے کا چوچا ہو رہا تھا جسے ذکر اوپر آچکا ہے۔ جب وہاں اور ساوتری نے شانتی سے افشائے راز پر اصرار کیا تو شانتی نے دونوں سے اس بات کا اجماع وعدہ لیا کہ علاوہ ان دو کے بات اور کسے تیسرے کے کانوں تک نہ پہنچے۔ اس طرح سے اطمینان کر کے شانتی نے رکھنی کو واردات یوں بیان کرنی شروع کی: —

رکھنی پرانے خیال والے لیکن شریف اور امیر گھرانے کی لڑکی تھی، کیا وہ برس کی عمر میں شادی ہوئی، سال بھر بعد وہ لڑکا جو اسکا خاوند ہوتا چند روز بیمار رہ کر مر گیا۔ بچپن کے کھیل تماشے عارضی طور سے طبیعت میں جوہ مسرت پیدا کرتے ہیں لیکن اسقدر جلد یاد سے اتر بھی جاتے ہیں۔ رکھنی شادی اور موت کے دونوں حادثوں کو بہت جلد بھول گئی اور میکے میں حسب معمول

دھننے سہنے لگی۔ دیوان چرام دوار کا داس اور رکھنی کے والد میں علاوہ ہم قوم ہونے کے ربط و اتحاد تھا، ان کے کہنے سننے اور سمجھانے سے رکھنی آشرم میں داخل کی گئی اور اسکے درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہوا۔ رکھنی بچپن میں بڑی خوبصورت لڑکی تھی، اب شباب جو آیا، نو اُسنے اُسے اور چار چاند لگا دیئے۔ اٹھارہویں سال یہ کلی چٹنگ کر کلاب کا پھول ہو گئی۔ طبیعت کے بھولے پن، شباب کی شوخی اور تعلیم و تربیت کی جلا نے اسکو یکتائے روزگار بنا دیا۔ بچپن کی شادی اور موت کے حادثے کے معنی وہ اب سمجھنے لگی تھی، لیکن اُس کی فطرتی خندہ پیشانی پر ابھی بل نہیں پڑے تھے، چرکھ زسانے کی تھوکریں اُس نے ابھی نہیں کھائی تھیں، وہ مایوسی نے خپل سے بیگانہ تھی۔ اس کے دیکھتے دیکھتے آشرم کی کٹھی بال بدھوا سکھیوں کی شادی ہو چکی تھی؛ اس لئے شباب کی اسنگوں اور اسیدوں سے منہ چھپا نے کی مجبوری وہ کبھی محسوس نہ کرتی تھی۔ دیوان صاحب رکھنی کے والد کو اس کی دوسری شادی کرنے پر رفتہ رفتہ آمادہ کر رہے تھے، گو یہ آمادہ نہ ہوئے تھے، لیکن اب اس خیال کی پہلی سی مخالفت بھی نہ کرتے تھے۔ ان باتوں کی بھنک رکھنی کے کانوں تک بھی پہنچتی رہتی تھی۔ اسی زمانے میں رکھنی کی آنکھیں جانکی سے چار ہوئیں۔ جانکی بائیس تیئیس برس کا خوشرو جوان لڑکا تھا۔ جیسا خوشرو تھا ویسا ہی ذہین، ہوشیار اور تعلیم یافتہ بھی تھا۔ رکھنی اور جانکی کے گھرانوں میں دور دراز کا رشتہ تھا، اور میل جول ہونے کی وجہ سے آفا جا فا بھی تھا۔ جوانی دیوانی ہو تی ہے اور اس عمر میں محبت کا آزار مہلک ہوتا ہے، بالخصوص سیدھی سچی طبیعتیں اس آزار سے جان بڑ نہیں ہوتیں۔ چنگاری لگتے ہی شعلے بھڑک اٹھے۔ عورت جب اپنے محبوب پر دل اور جان فدا کرنے لگتی ہے تو قانون اور رواج کی پابندیاں تھیلی ہو نے لگتی ہیں اور پھر قدموں کی لغزشی کرنے میں دیر نہیں لگتی۔ بھولی بھالی رکھنی کو جانکی ہادی کی امید اور بھروسا دلاتا تھا اور غالباً اس وقت اس کا وعدہ اور

بھروسا نیک نیتی اور سچائی پر مبنی تھا۔ رکھنی شادی ہو جانے کو یقینی امر سمجھتی تھی۔ لیکن شوق کی بیتابی اور شدت انتظار بلاے جانے سے ضبط و بے قابی کی کشمکش کچھ روز تک تو قابل برداشت رہی، لیکن تابہ نہ آئی۔ بالآخر خرچہ کا پردہ اٹھ کر آنکھوں پر پڑ گیا اور نتیجہ جو ایسی حالت میں ہوا کرنا ہے ہوا۔

وملا : ہے۔ غضب یہ دیدہ دلیری، ماں باپ کا منہ کالا کرنے سے بھی نہ تروا۔ شافقی : وملا۔ بات ڈرا سوچ کر کیا کرو، میں مانتی ہوں کہ اس سے غلطی ہوئی اور بڑی غلطی ہوئی، وہ اپنے کئے کو بھوک رہی ہے اور بری طرح بھوک رہی ہے، لیکن کون سا انسان ہے جس سے غلطی نہیں ہوتی۔ میوہ اور تمھاری کود بھری ہے۔ جیتے رہیں دو دو تین تین بچے سامنے کھیل رہے ہیں۔ تمھارا سپاہ ہمیشہ قائم رہے، زندگی کی سسرتوں اور آرزوؤں کا دروازہ کھلا ہوا ہے، کسی بات کی کوئی کمی نہیں۔ شادی کے وقت تم پلندہ اور میں سولہ برس کی تھی۔ کون جانتا ہے کہ میں اور تم اگر اس حالت میں ہوتے، جس میں وہ تھی اور جو صورتیں اس کو پیش آئیں، اگر ہم کو پیش آتیں تو ہمارے قدم کہاں تک ثابت رہتے۔ بڑا بول نہیں بولنا چاہئے۔ اس کی حالت قابل نفی نہیں، قابل رحم اور قابل ہمدردی ہے۔

ساوتوی: بہن جی! تم بات کو پورا کرو، اس کو تو بیچ میں بولنے کا سرس ہے۔ ہاں پھر کیا ہوا؟

شافقی : جو کچھ ہوا برا ہوا۔ مہینہ بیس روز تو خمار عیش باقی رہا، لیکن جب رکھنی کو حمل کے آثار ظاہر ہوئے تو نہ ہرے ہوئے لگا۔ اس پر طرہ یہ کہ جانکی بزدلی اور بے حیائی سے بغلیں جھا نکتے لگا اور چند روز بعد ہی اس نے آنا جانا بوی ترک کر دیا۔ ایک روز دفعتاً رکھنی نے سنا کہ جانکی بیروستری کا امتحان دینے کی غرض سے ولایت روانہ ہو گیا۔ دل تو

پہلے ہی سے لرز رہا تھا، یہ سنتے ہی دھس و حواس بالکل جاتے رہے۔
 ننھی سی جان بے یار و مددگار، بات منہ سے نکالنے کی نہیں، افدر ہی
 افدر کھلنے لگی، جب کرتے دھرتے کچھہ بنتا نہ دکھائی دیا اور زندگی
 اجیرن معلوم ہو نے لگی تو افیون کھا کر سو رہنے کی تھافی۔ اس زمانے
 میں رکمنی آشرم میں ہی رہتی تھی۔ آشرم کی مہری کو کچھہ دے کر
 اسے افیون لانے بھیجا، وہ بیوقوف تھی، ایڈی سپرنٹنڈنٹ نے اسے افیون
 لے جاتے پکڑا، راز کھل گیا۔ دیوان صاحب کو اطلاع ہوئی، معاملہ سنگین
 معلوم ہوا، انہوں نے اپنی بیوی سیٹا دیوی سے جو آشرم کے کاروبار میں ان
 کا بہت کچھہ ہاتھ بٹاتی تھی، مشورہ کر کے انہیں رکمنی کے پاس بھیجا
 کہ پتہ چلاؤں کیا معاملہ ہے۔ رکمنی پہلے تو پہلو نہیں کیا کی بالاخر بہت
 کچھہ سمجھانے بعد ان سے اس نے تمام کیفیت رو رو کر بیان کی۔ سیٹا دیوی
 نے جن کو اس کے ساتھ بہت محبت تھی، اس کی تسلی اور قشفی کی،
 جو کچھہ ماں کو قی اس سے زیادہ کرنے کا یقین دلایا اور واپس ہو کر
 سارا کچا چٹھا دیوان صاحب کے گوش گزار کیا۔ دیوان صاحب عجب مخمضے
 میں پڑے، پریشان ہوئے، اڑ کی کے باپ سے سب حال کہا، وہ پرا نے خیال کے
 آدمی، سنتے ہی چراغ پا ہو گئے، اپنا منہ پیٹ لیا، دیوان صاحب کو بھی
 لعنت ملامت کی اور تمام ذمہ داری آشرم کی تعلیم و تربیت پر ڈالی۔
 اپنی ماں ہوتی تو چاہے جو کچھہ ہوا تھا، اڑکی کے کام آتی اور سہولت کی
 سبیل سوچتی۔ سو تیلی ماں تھی اسے صرف بدنامی کا خیال تھا، اس نے
 شوہر کے اور کان بھرے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ماں باپ دونوں نے اڑ کی
 سے قطع تعلق کرنے اور اسے تن بد تقدیر چھوڑنے کا فیصلہ کر کے
 دیوان صاحب کے سر منڈا کہ تمہارا ہی سب کچھہ کیا ہوا ہے، اب جو چاہو
 کرو، ہم سے کچھہ واسطہ نہیں —

دیوان صاحب نے ان کے یہاں سے واپس ہو کر یہ سب گفتگو سیتا دیوی

کو سنائی اور پوچھنے لگے کہ اب کیا کیا جاے :

سیتا دیوی : کچھ سہجہ میں نہیں آتا . ماں باپ تنگ کے ہوتے تو سو
ترکیبیں ہو سکتی تھیں ، لڑکی کو کچھ دنوں کے لئے یہاں سے
ہٹا دیا جاتا - بچہ ہو جانے پر اس کی غور و پرداخت کا بھی
کچھ نہ کچھ انتظام ہو ہی جاتا . لیکن یہ تو اس طرح سے الگ ہو کر
دور بھاگے کہ کويا کرئی واسطہ ہی نہیں —

دیوان صاحب : یہی تو مصیبت ہے . میرا خیال یہ تھا کہ یہ ایسی خود غرضی اور
فلائی سے کام لیں گے - اب اگر کوئی دوسرا اس معاملے میں ہاتھ
ڈالے بھی تو کس برتے پر - بات بالکل چپیں تو رہیگی نہیں ، جو اس میں
دخل دیگا اس کی روسپاہی ہوگی اور لڑکے طرح کی باتیں بنائینگے -
سیتا دیوی : بھر حال جو کچھ ، بیوی ہو ، دیدہ و دانستہ تو لڑکی کو اذیم کھا کر سونے
دوٹکی نہیں ، نیک فاسی ہو یا بد نامی —

دیوان صاحب : تو تم نے کیا سوچا ہے —

سیتا دیوی : میں ارادہ کر چکی اور اس سے کہہ چکی ہوں کہ ساتھ لے جا کر
اپنے گھر رکھوں گی —

دیوان صاحب : دنیا مجھ کو اور تم کو کیا کہیگی ، یہ بھی تو سوچ لو —

سیتا دیوی : تو تم لڑکی کو سڑک پر نکال باہر کر نے کے لئے تیار ہو ؟

دیوان صاحب : یہ کیسے ہو سکتا ہے —

سیتا دیوی : تو پھر اس کے علاوہ اور کیا چارہ ہے —

دیوان صاحب : یہ بھی سہی ، پھر بھی تو گھناہ باپ کے بچے کی پرورش اور زندگی

ماں اور بچے دنوں کے لئے سوہان روح ہوگی - ہماری سوسائٹی

میں ایسے بچے اور ماں کے لئے کہیں گنجائش ہے ؟

سیتا دیوی : یہ تو بیک ہے ، میں تو تین روز سے اسی ادھیڑ بن میں دن رات لگی ہوئی ہوں ، کوئی تھلک کی بات سمجھ میں نہیں آتی ۔ ایک بات سچی ہے ، پر کہتے ہوئے جھجکتی ہوں کہ تم کہیں خفا نہ ہو ۔

دیوان صاحب : خفا کیوں ہوں گا ۔

سیتا دیوی : خفا ہونے کی کوئی بات تو نہیں ، بشرطیکہ سمجھ میں آجائے ۔

دیوان صاحب : کہو ۔

سیتا دیوی : بچہ گمنام باپ کا کیوں رہے ، اگر تم اس کے باپ بننے کی قانونی ذمہ داری لے لو تو یہ دشواری بھی حل ہو سکتی ہے ۔

دیوان صاحب : (چونکر) کیا معنی ؟

سیتا دیوی : معنی بالکل صاف ہیں ۔ دو جانوں کے ضائع ہونے اور دو زندگیوں کے سنورنے کا سوال ہے ۔ بڑی ہمت کا کام ہے ، لیکن تمہارے سے ہمت والے آدمی سے بعید نہیں ۔

دیوان صاحب : تمہاری تجویز یہ ہے

سیتا دیوی : کہ تم رخصتی کو عقد میں لے آؤ ۔ آنند بواء کے طریق سے یہ شادی ہو سکتی ہے ۔ تم دو جانوں کو ضائع ہونے سے بچاؤ گے اور دو زندگیاں تھکانے لگا سکتے ہو ۔

دیوان صاحب : (سوچ کر) ہاں یہ ہو سکتا ہے ، لیکن لوگ مجھے کیا کہیں گے اور میں لوگوں کو کس طرح منہ دکھاؤں گا ۔

سیتا دیوی : تم نے تو روز ادس سے اس کو پروا کی نہیں ، آج لوگ تمہیں بھلا کہتے ہیں ، جب آشرم کھولا تھا ، لوگوں نے مطعون کر کے میں کوئی دسر اٹھا رکھی تھی ؟ پر تم نے پروا نہ کی ۔

دیوان صاحب : آشرم کا کیا حشر ہوگا ، سوشل رفارم کی تعریف کیسی بدنام ہوئی ۔

سیتا دیوی : میرے سامنے ان دلیلوں کی کوئی وقعت نہیں ، جب تم نہیں ہو گئے آشرم کیسے چلے گا ، اگر تم ہمت کرنے کو تیار ہو تو

میری نگاہ میں اس سے بڑا اور اس سے زیادہ پراوپکار کا کام اور دوسرا
نہیں ہو سکتا۔

دیوان صاحب: (سوچ کر) سوچوں گا۔ کل تک کی مہات دوا دیوان چرام دوار کا داس
بڑے دل گردے کے آدمی تھے، ان کی نگاہیں ہمیشہ اُونچیں رہتی تھیں،
ہمت اور ایثار اب ان کی طبیعت کا خمیر ہو گیا تھا، ان کی ذات
اب لوگوں کی تعریف و تحسین سے مستغنی تھی۔ انہوں نے چوبیس
گھنٹے معاملے کے سب پہلوؤں پر غور کیا، پھر خروش خوش اپنی بیوی کے
کہوے میں گئے، اُن کی آنکھیں حوش مسرت سے فلماک تھیں، بیوی کی
پیشانی پر بوسہ دے کر بولے: ”تم نے جو کچھ کہا مجھے منظور ہے، اگر
اس وقت میں اپنے فرض انسانی کے ادا کرنے کی ہمت کر رہا ہوں، تو یہ
ہمت تمہاری ہی ہوئی ہے اور تمہارے ہی بوسوں کا صدقہ ہے۔“
دم تک مجھے اس بات پر ناز دھیکا کہ میری سی بیوی دوسرے کو نصیب
نہ ہوئی ہوگی، جاؤ اب رکمنی کو معاملہ کی تمام صورت سمجھا کر
راضی کرو۔“

ایک مہینہ ہوا کہ شادی ہو گئی، رکمنی قانون اور قزم کی نگاہ میں
دیوان چرام دوار کا داس کی فنی نویلی دلوں ہے لیکن خود اُن کی اور سیتا دیوی
کی نگاہ میں اُن کی پوتی اور نواسی کی حیثیت رکھتی ہے، قزم کے آگے اُسکی نگاہیں
نیچی نہیں ہوتیں، اپنے پیدا ہونے والے بچے کو اب چھاتی سے لگائے میں اُسے شرم کرنے
کی کوئی وجہ نہ ہوگی، لیکن شباب کے اُن اُمگوں اور ارمانوں کی طرف جذبیں اُس نے
اب ہمیشہ کے لئے دفنا دیا ہے، جب کبھی اُس کا خیال آجاتا ہے، تو دلوں میں ایک تیس
اتھتی ہے، جس کا صرف ایک سرد آہ سے پتہ چلتا ہے اور بس۔ دیوان چرام دوار کا داس
کا لوگ اپنی اپنی محبتوں میں طرح طرح سے مذاق اڑاتے ہیں اور بری طرح
مطعون کرتے ہیں۔ اُن کے کانوں تک بھی یہ چرچہ پہنچتے ہیں، لیکن اس مرد خدا کی

دیشانی پر لمحہ بھر کے لئے بھی بل نہیں پڑتا —

ساوتری : شافتی بہن تم تو یہ واقعات بیان کر رہی تھیں اور مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا میں کوئی افسانہ سن رہی ہوں اگر یہ واقعات تمہاری زبان سے نہ سنے ہوتے تو میں ان کو ہرگز یقین کرنے کے لئے تیار نہ ہوتی —

شافتی : ساوتری ! بعض واقعات زندگی افسانے سے بھی عجیب تر ہوتے ہیں۔ دیکھو انسان بھی کیا طرفہ تھا شاہ کوئی ذلیل سے ذلیل ایسی حرکت نہیں جو اس سے سرزد نہ ہوتی ہو اسی کے ساتھ یہ بھی انسان ہی کا جوہر ہے کہ ایسے ایثار اور حوصلے کی ہمت کر سکتا ہے کہ فرشتے بھی اس کے دامن پر نماز پڑھیں —



سسی پنوں

از

(جناب نور الہی ، معتمد عمر صاحبان)

یوں تو سسی پنوں کی داستان عشق کئی زبانوں میں سنی جاتی ہے۔ مگر پنجاب اور سندھ سے اسے خاص تعلق ہے۔ جہاں اس کے قبول عام کا یہ عالم ہے کہ بچے سے لے کر بوڑھے تک اس پر سر دھنتے ہیں۔ سندھ اس تریبقدی کا محل وقوع ہے۔ وہاں اسے مذہبی تقدس حاصل ہونا کوئی بات نہیں، مگر پنجاب میں اسے جو حسن قبول ملا وہ حیرت انگیز ہے۔ افسانے کی جزئیات میں پنجاب اور سندھ کو اختلاف ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پنجابی اور سندھی روایتوں کو الگ الگ بیان کریں —

پنجاب

پنجابی بولی میں جو قصے عوام الناس کے دل بہلانے کے لئے نظم میں بیان کئے گئے، ان میں بلحاظ چند خصوصیات سسی پنوں کو درجہ استہاز حاصل ہے۔ اس کے علاوہ پنجابی میں ہیر رانجھا، سوہنی مہینوال، سیف الملوک اور شاہ بہرام کے قصے مشہور ہیں۔ ہیر رانجھا کی کہانی کو وارث شاہ اور فضل شاہ دو شاعروں نے آسان پر پہنچا دیا۔ مگر لاہوریا سنگھ اور مقبول کی تصلیفات بہت ادنیٰ درجے کی کاوشیں ہیں۔ یہ قصہ صرف پنجابی بولی میں ہے اور اس کی قبولیت صرف پنجاب

تک محدود رہی۔ ہندوستان کے دیگر صوبوں میں اس کا بہت کم چرچا ہوا۔ رسالہ معزن کے دور اول میں اس قصے کو ”ہندوستان پسند“ بنانے کی کوشش کی گئی، لیکن یہ مسامحی بارور نہ ہوئیں۔ اس سے قبل دہلی اور لکھنؤ میں جو اس وقت پائے تخت ہونے کے باعث علم و فضل کے مرکز تھے، ثقافت اس قصے کو مستند اور حامیانہ مذاق کی چیز خیال کرتے رہے اور شاید اسی کی بدولت پنجابی ذہنیت ان مقامات میں چنداں رفعت کی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی تھی۔ چنانچہ دہلی اور لکھنؤ کے دو نامور شاعروں کے دو شعر اس حقیقت پر بلا واسطہ روشنی ڈالتے ہیں:-

(افشاء) سنایا رات کو قصہ جو ہیر رانجھے کا

تو اہل درد کو پنجابیوں نے اوت لیا

(بھر) سن کے میری سرگذشت احباب یہ کہنے لگے:

’بھر‘ کا قصہ بھی افسانہ ہے رانجھے ہیر کا

قصہ مختصر شعراے فارسی و اردو نے اس قصے کی طرف بغیر التفات نہیں دیکھا۔ ورنہ ایک خوبصورت دلفریب مثنوی آسانی سے تیار ہو جاتی۔ دیگر قصص مذکور صرف ”صوبیانہ“ شہرت رکھتے ہیں اور پنجاب سے باہر شاید ہی کسی نے ان کا نام سنا ہو۔ یہ کہنا صحیح نہیں کہ دارالخلافہ والے پنجابی سے نا آشنا تھے اس لئے وہ اس سے حلاوت اندوز نہ ہو سکے۔ انشا کے چند پنجابی شعروں کو کو آپ صرف ظرافت خیال کریں، پھر بھی اس بات پر تو دلالت کرتے ہیں کہ سید انشا پنجابی سے نا واقف نہ تھے اور سودا کے کلیات میں تو پنجابی زبان میں مرثیہ موجود ہے۔ دور کی باتیں جانے دیجئے، خود پنجاب میں فارسی شعرا کا قحط نہ تھا۔ دراصل بات یہ ہے کہ ان حضرات نے ان قصوں کو درخور اعتنا خیال

نہ کیا۔ اب سسی پنوں کے قصے کو لیجئے تو فارسی، اردو، سندھی، پشتو اور پنجابی میں اس پر کئی کتابیں ملیں گی —

میر محمد پھکری نے اس قصے کو اپنی مثنوی ”حسن و ناز“ میں موڑوں کیا۔ اس کے بعد محمد شاہ کے عہد میں قاضی مرتضیٰ سورتی نے اس کی بنیادوں پر ایک مثنوی ”شہید ناز“ کا قصہ بلند کیا۔ اس کہانی کو مولانا شور مرحوم نے اپنے رسالے میں بڑی نوک پلک سے شائع کیا۔ متداولہ کتب کی رو سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ پنجابی میں سب سے پہلے حافظ رانجھا برخوردار نے سنہ ۱۱۷۶ھ میں اس قصے کو کتاب کی صورت میں پیش کیا۔ یہ نسخہ ذاپید تھا اور اس کا ایک معروف ایڈیشن حافظ برخوردار کے نام سے منسوب ہوا۔ آخر مولوی احمد الدین فاسی حافظ صاحب کے ایک عزیز نے اصلی نسخہ نکالا، جو سنہ ۱۳۲۲ھ میں اندر پریس سیالکوٹ میں شائع ہوا۔ اس کے بعد ہاشم کی مقبول عام نظم عالم ظہور میں آئی۔ لیکن اس کی تاریخ تصنیف کا پتہ نہیں ملتا۔ چودھری شہباز سیالکوٹی نے سنہ ۱۲۵۰ھ میں ہاشم کی روایت کے مطابق ”وقائع پنوں“ پر تکلف زبان اور رعایت لفظی میں دوب کو فارسی میں منظوم کیا۔ اس کے ایک شعر سے پایا جاتا ہے کہ بوقت تحریر ہاشم اور برخوردار کی تصنیفات اس کے سامنے تھیں :

زمین پیش سے شعرا گفتہ این قصہ بہ پنجابی زبان

چوں حافظ رانجھا ہاشم ہم برجستہ سخن جو بستہ میل

یہاں یہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ وقائع پنوں میں پنوں کے بہبود ہو جانے کے بعد کا حال منشی محمد حسین کے قلم کا مرہون منت ہے۔ یعنی اس کی تکمیل میں دو شاعروں کا حصہ ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہاشم کا قصہ سنہ ۱۲۵۰ھ سے قبل موجود تھا۔ پھر مولوی غلام رسول کی کتاب سنہ ۱۲۶۳ھ میں تصنیف ہوئی اور سنہ ۱۲۸۰ھ میں فضل شاہ نے اس سخن دی۔ آخر میں میر محمد ہوتا گجراتی نے اس قصے کو سنہ ۱۳۲۰ھ میں نظم کیا۔

برخوردار کے قصے کی کتھا سیدھی سادھی، الجھاؤ سے پاک اور تصنع سے معر آ
 ہے اور یہی بات اسے فخر تقدم کا مستحق قرار دیتی ہے۔ ہاشم نے چند باتیں
 اضافہ کر کے داستان کو زیادہ حیرت انگیز اور عوام کے مذاق کی چیز بنا دیا ہے۔
 غلام رسول نے ہاشم کے پلات کا رنگ اور چو کیا کر دیا ہے۔ اور زبان ایسی لکھی
 کہ اُردو کے بہت قریب پہنچ گئی۔ پنجاب کے حلقہ مشائخ و صوفیا میں یہ کتاب
 وجدان پیدا کرتی ہے اور اس سے بہت سے رموز تصوف وابستہ کئے جاتے ہیں *
 فضلشاه نے اتنی سی بات کو ایک ضخیم فسانہ کر دیا ہے۔ موعظت کا پہلو اس قدر
 نمایاں ہے کہ افسس الواعظین سے التباس پیدا ہوتا ہے۔ رعایت لفظی کا اس قدر
 التزام ہے کہ شہباز بھی ماند ہو گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امانت - نسیم، بھر،
 اور رشک کی ارواح عام امکان میں آنے سے پہلے فضلشاه کے کالبد میں جمع ہو گئی
 تھیں۔ بوٹا کی کاوش محض لہو اگا لے شہیدوں میں شامل ہو نا ہے، فضلشاه کی
 صدائے بازگشت ہے، کوئی جدت یا ندرت اس میں نہیں پائی جاتی۔

پنجاب میں اس قصے کے بابا آدم حافظ برخوردار ہیں۔ نام رانجھا، تخلص
 برخوردار، حافظ قرآن تھے۔ حافظ بھی تخلص کرتے تھے، وطن مالوت ہزارہ ہے۔
 جوان ہو کر وہاں سے نکلے اور لاہور آ کر تعلیم میں مشغول ہو گئے۔ لیکن اس
 زمانے تک سیالکوٹ مرکز عام و فنون تھا جس کی خاک سے سعدالہ خاں وزیر اعظم
 شاہجہاں، تفضل حسین خاں مدار الہام اودہ اور مولانا عبدالحکیم جیسے باکمال
 پیدا ہوئے۔ اس لئے سیالکوٹ کا رخ کیا۔ اور وہاں ایسے آئے کہ پھر جانے کا نام
 نہ لیا۔ یہیں کسی اچھے گھرا نے میں شادی ہو گئی اور بال بچوں کی محبت پانوں
 کی زنجیر بن گئی۔ اب درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا، جس کے دوران میں

* یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی کے امتحان پنجابی کے نصاب

میں داخل ہے۔

قصہ سی و پنوں تصلیف ہو کر حیات جاوداں کا موجب بنا ۔

بر خوردار بعد مختصر حمد و ثنا کے قصے کو یوں بیان فرماتے ہیں :

شہر بہمنہور کا راجہ آدم جام بڑی شان سے حکومت کرتا تھا ۔ کوئی چیز نہ تھی جو اُسے میسر نہ ہو، لیکن اولاد سے محروم تھا ۔ آخر رانی کے آثار حمل نمودار ہوئے ۔ اور راجہ نے جو تشیہوں کو بلا کر جنین کی قسمت کا حال پوچھا ۔ انہوں نے زائچہ دیکھ کر کہا کہ رانی کے بطن میں جو لڑکی ہے اس پر ہزاروں مصیبتیں پڑیں گی ۔ کسی مسلمان کے ساتھ آفکھ ملا کر آٹھ جاؤگی ۔ اور ریکستان میں مہمت کی بھینٹ چڑھیں گی ۔ لاج اور راج کی سلامتی اس میں ہے ۔ کہ پیدا ہوتے ہی اسے یا تو دریا میں بہا دیں ، زہر دیدیں ، یا گلے میں رسی باندھ کر لٹکا دیں ۔ لیکن انہیں معلوم نہ تھا کہ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے ۔ یہ سنکر راجہ بہت دلگیر ہوا اور رانی بھوں کانپنے لگی ۔ جب لڑکی یعنی سسی پیدا ہوئی تو رانی اس کا حسن دیکھ کر حیران رہ گئی ۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ اس مانک موتی کو دریا کے نذر کیا جائے ، اسے صندوق میں ڈالا اور اس میں تین حصے زر و جواہر کے رکھ دیے ، ایک حصہ اس کی پرورش کے لئے دوسرا تعلیم اور تیسرا شادی کے اخراجات کے لئے ۔ لڑکی کا حسب و نسب اور اخراجات کی تفصیل ایک کاغذ پر لکھ کر اس کے گلے میں بطور تعویذ کے باندھ دیا ۔ یہ انتظام کر کے صندوق کو منجھدھار میں ڈالا ۔ آخر حضرت خضر کی رہنمائی سے یہ صندوق اس مقام پر پہنچا ، جہاں آنا فاسی دھوبی کپڑے دھورہا تھا ۔ دھوبی نے صندوق کو پکڑ لیا ۔ گھر لے جا کر عورتوں میں کھولا تو ایک جیتی جاگتی پیاری پیاری لڑکی کے ساتھ زر و جواہر کا تھمیر نکلا ۔ انہیں تو صندوق میں ڈالکر اندر رکھا اور لڑکی کی پرورش میں مصروف ہو گئے ۔ جب سسی نے لڑکپن کے کوچے میں قدم رکھا تو اس کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا گیا ۔ اس کے حسن کا چرچا ہونے لگا ۔ دھوبیوں کے ہاں سے پہنام آنے لگے اور کپڑے دھونے میں کھال کو انہوں نے ذریعہ کامیابی بنایا ۔ مگر اتنا ٹالتا رہا ۔

ایک شب کو سسی جوانی کی فینڈ کے مزے لے رہی تھی کہ اس نے خواب میں ایک شکیل وجہیل جوان رعنا دیکھا اور اسے دیکھتے ہی دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ دوسری بار پھر ایسا ہی اتفاق ہوا۔ تیسری بار خواب میں آیا تو اس نے بتایا کہ وہ کیچ شہر کا شہزادہ ہے اور اس کا نام پنوں ہے۔ سسی اُٹھی تو برسوں کی بیمار معلوم ہوتی تھی۔ چہرہ زرد، لب پر آہ سرد، نہ کھانا نہ پینا، گھنٹوں الگ چپکے بیٹھ رہنا۔ یہ حالت دیکھ کر سسی کی ماں یعنی دھوبی کی بیوی نے خیال کیا کہ جوان لڑکی شادی کے اٹھے کڑا رہی ہے۔ اس لئے اسے تسلی دینے کی غرض سے کہا کہ بیٹی غم نہ کر، جلدی کوئی اچھا سا دھوبی تھوندہ کر تیری شادی کئے دیتی ہوں۔ سسی نے کہا کہ راجوں مہاراجوں پر بھی کڑے وقت آیا کرتے ہیں، لیکن وہ رذیل اور اجلات کے ساتھ شادی نہیں کیا کرتے۔ دیکھنا سفید چادر میں داغ نہ لگا دینا، جو متاع نہ ملے۔ جب تخت پر کوئی جوتی سمیت چڑھتا ہے تو عرش میں زازلہ آ جاتا ہے۔ ماں نے کہا: اری تو جوان ہو کر کیا باتیں بنارہی ہے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ تجھے کھانے تک ک تہیز نہ تھی اور اب تو راجاؤں کے نسب خا مے کھول کر بیٹھہ کٹی راجاؤں وزیروں کے رنگ مہل کبھی دیکھے بھی ہیں۔ سسی نے کہا: مجھے کیا پڑی ہے جو راجاؤں اور وزیروں کے گھروں میں جھانکتی پھروں۔ آ لکھیں وہ مانگتے ہیں جو بینائی سے محروم ہوں۔ جواہرات اپنی جگہ پر آپ پہنچ جاتے ہیں، انہیں اپنے لائق مقام تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ رذائل کے سر پر چتر شاہی زیب نہیں دیتا۔ بلبل و بوم کا رشتہ نہیں ہوا کرتا۔ اس دافتا کلکل کے بعد سسی خیال یار میں مگن ہو گئی اور عملی طور پر اسے گرد و پیش کے حالات سے کوئی علاقہ نہ رہا۔ تھوڑے دنوں بعد وہ زندگی سے مایوس سی ہو گئی اور صرف اس آرزو سے بر آئے کے خیال سے دل بہلاتی رہی کہ شاید دم واپسی پنوں کی شکل دیکھ لے |

ایک دن سسی کپڑے لے کر راجہ کے محل میں گئی تو راجا اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ راجا نے سسی کو ایک نو لکھا باغ عنایت کیا اور گھاتوں کا محصول سے بطور مقرری بخشا۔ سچ ہے، جب خدا دینے پر آتا ہے تو اسباب آپ سے آپ پیدا ہو جاتے ہیں۔ ساون کے مہینے میں چمن خود بخود رونق پر آ جاتے ہیں۔ سسی نے تھام گھاتوں پر اپنے آدسی بٹھائے اور حکم دیا کہ جو کوئی دریا عبور کرے پہلے اپنی جنم بھوم دارج کرے۔ پھر سسی نے اس فولکھے باغ میں رنگ محل تعمیر کرایا، گویا بہار کے اندر ایک دوسری بہار پیدا ہو گئی۔ مگر سوز فراق میں کوئی کمی نہ ہوئی اور آنسو بہاتے بہاتے اس کی آنکھیں سوجھ گئیں۔

اس عرصے میں ایک دن شہر کیچ سے ایک قافلہ آیا، جس کے ساتھ کئی اونٹ مشک کے تھے۔ وہ مختلف رنگوں کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ حسن و جوانی میں ایک سے ایک بڑھ کر تھا۔ ثمرت خوشبو سے جنگل تا تار بن گیا۔ گویا قدرت پنوں کے خیر مقدم کی تیاری کر رہی تھی۔ اس قافلے کے سالار بہن اور بیبا قاسی دو شخص تھے۔ سسی کو جب معلوم ہوا کہ وہ شہر کیچ سے آ رہے ہیں تو اس نے ان قافلہ سالاروں کو اپنے پاس بلایا۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد سسی نے کہا کہ کسی طرح پنوں کو یہاں بلاؤ۔ اس یوسف نے مجھے زلیخا کی طرح دیوانہ بنا رکھا ہے۔ انہوں نے بہت عذر اور مذمت کی مگر سسی نے ایک نہ مافی۔ آخر صلاح و مشورہ کے بعد بہن شہر کیچ کو روانہ ہوا۔ جب وہاں پہنچا تو دربار میں جا کر فریاد کی کہ پنوں کے لئے سسی نے ہمیں باندھ رکھا ہے۔ وہ وہاں جاے تو ہمیں آزادی ملے۔ عالی خاں فرما روئے کیچ یہ قصہ سن کر حیران ہوا۔ پنوں نے جب ساری داستان سنی اور اُسے سسی کے حسن و جمال کا حال معلوم ہوا تو وہ بھیمور جانے پر تیار ہو گیا۔ عالی خاں اور اس کی بیگم نے لاکھ منع کیا لیکن وہ سلی ان سنی کر کے روانہ ہو ہی پڑا۔ جب یہ خبر عام ہوئی تو شہر میں کہرام مچ گیا۔ بیگم کی فرط غم سے بھوک پیاس بند ہو گئی۔ عالی خاں یعقوب وار اپنے یوسف کے لئے دھاریں

سار سار کر رویا ، لیکن سب بیکار - پنوں پر خاک اثر نہ ہوا ، بھلا جب حضرت عشق قیڑے تالیں تو عقل و شعور وہاں کیسے ٹھہر سکتے ہیں - اونٹوں پر مہمل رکھ گئے اور وہ ہوا کی خبر لانے لگے -

یہ قافلہ ریگستان کو طے کر کے شہر بہہ پور میں پہنچا اور فولکھے باغ میں جا اُتوا - صہرانورد اونٹوں نے سہینوں سے گھاس کا تنکا نہ دیکھا تھا ، سرسبز اور شاداب باغ کو دیکھ کر اُن کے منہ میں پانی بہہ آیا ، انہوں نے خوب ہاتھ صاف کئے اور تھوڑی دیر میں باغ کو برگ و بار سے سہکبار کر دیا - باغبانوں نے جا کر فریاد کی تو سسی سہیلیوں کے دل بادل جہرمت سے بھلی کی طرح چمک کر اُٹھی اور ایسا معلوم ہوا کہ یہ بوق بلا عاشق تنوں کے خرم حیات کو جلا کر خاک کر دے گی - لیکن پنوں کو دیکھا تو قہر و غضب کے بادل چھٹ گئے اور وہ پھولی نہ ، سہائی پھر حکم دیا کہ پنوں رہے اور باقی سب لوگ کیچ واپس چلے جائیں - پنوں نے ماں باپ کے نام پیغام دئے اور انہیں الوداع کہہ کر سسی کے پہلو میں جابیٹھا اب سسی نے پنوں سے کہا کہ گو میں راجا کی بیٹی ہوں مگر دیکھنے کو میرے والدین دھوبی ہیں اور بغیر دھوبی کے وہ کسی سے میری شادی پر رضا مند نہ ہوں گے - اس لئے تم تھوڑی دیر کے لیے دھوبی بن جاؤ - پنوں نے بقول ”رشتہ در گردنم افگندہ دوست“ دھوبیوں کا بانا پہنا اور سسی کے ساتھ گھات پر گیا - سسی نے ماں کو تو دو چار باتوں میں راضی کر لیا لیکن دھوبی نے اپنی تسلی کے لئے پنوں کا امتحان لینا چاہا کہ وہ دھوبیوں کے کام میں کس قدر ماہر ہے - اللہ کو اس کی عزت رکھنی منظور تھی ، پنوں نے اندے کی طرح کپڑے اُجلے کر دکھائے - یہ سب حضرت عشق کے کھیل ہیں ، انہیں کے طفیل صنم نے سو چراے ، یہ شہزادہ ذرا دھوبی بن گیا تو کیا ہوا - اب اتا دھوبی نے بڑے پیمانے پر دعوت کی اور سسی کا لکاح پنوں کے ساتھ کر دیا - اور اچھا جہیز دے کر رخصت کیا - سسی پنوں فلک بے سہر کی چالوں سے بے پروا ہو کر چین کی زندگی بسر کرنے لگے -

اب اُدھر کا حال سنئے۔ بہن اور بیبا روتے پیچتے کیچ شہر میں پہنچے اور
 عالی خاں کو ساری واردات سنائی۔ اس کے ہوش اُڑ گئے اور بیگم پچھاریں کھانے
 لگی۔ آخر وہ بہن پر بوس پڑا اور اُس کی بری کت بنائی اور پنوں کے نیڑوں
 بھاٹیوں کو حکم دیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو، جاکر پنوں کو لے آؤ۔ یہ تینوں
 شہزادے بڑے کار آزمودہ اور ریگستان کی راہوں سے خوب آگاہ تھے اور جلد بھہپور
 پہنچ گئے۔ پنوں سے ملے۔ گھر کا حال بیان کرے پند و نصیحت کا دفتر کھولا۔ مگر پنوں
 نے کچھ مقبول نہ کیا۔ جس کے دل و دماغ کا معافظ عشق ہو، وہ کسی کے فریب میں کس
 طرح آسکتا ہے۔ اب پنوں کے بھاٹیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ سیدھی اُنکلیوں گھی نہیں
 نکلتا، پنوں کو بیہوش کر کے عام بے خبری میں نکال لے جائیں۔ وہ پنوں کے پاس
 گئے اور اُس سے کہا کہ ہم صبح وطن جائیں گے، پھر خدا جائے کب مل بیٹھنا نصیب
 ہو، اس لئے اُٹھیے ذرا جام و صراحی سے دل بھلائیں۔ چنانچہ سسی کی شرکت سے
 بزم عشرت منعقد ہوئی اور مئے ارغوانی کا پیالہ گردش میں آیا۔ جب سسی اور
 پنوں دونوں مدہوش ہو گئے تو انہوں نے پنوں کو محفل میں ڈالا اور روانہ ہو گئے۔
 صبح کو سسی جاگی تو آغوش خالی دیکھ کر اُس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے،
 دیوانہ وار چاروں طرف تھوندھنے لگی۔ باغ کا کونہ کونہ چھان مارا، کوئیں میں
 باؤس ڈالے مگر کچھ پتا نہ چلا۔ آخر بھانپ گئی کہ یہ کیچ والوں کی شرارت ہے۔
 اور وہ اُسے جُل دیکر پنوں کو لے آئے ہیں۔ ماں اور سہیلیوں نے بہت سراسر مگر
 سسی نے ایک نہ سنی، پنوں کی تلاش میں تین دن تک کھڑی ہوئی اور ریگستان
 میں تنکے چننے لگی۔ پاؤں میں چھالے پڑ گئے، چلنے کی سکت نہ رہی، پیاس کے سارے
 ہونٹ خشک ہو گئے۔ سسی کی حالت ایسی درد ناک تھی کہ وحوش و طیور اُس
 پر رحم کھاتے تھے اس بیابان میں اُسے ایک گدڑیا دکھائی دیا۔ اور وہ کُرتی پڑتی
 اس کے پاس پہنچی۔ وہ حیران ہو گیا کہ یہ وہاں پان دوشیزہاں کس طرح آگئی۔ آخر
 کار اس نے حال پوچھا تو سسی نے اپنی رام کہانی کہہ سنائی۔ گدڑی نے کہا: بی بی تین دن

ہوئے ابک قافلہ یہاں سے گذرا، جو اوفتوں کو بگ تٹ درزائے جاتا تھا۔ ایک مہمل میں ایک شخص پڑا اُونگ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نشے میں ہے، اُس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے، مگر اُسے سر پیر کی خبر نہ تھی۔ وہ اب سینکڑوں کوس نکل گئے ہونگے، تو پا پیداہ اُنہیں قیامت تک نہیں پاسکتی۔ میرا کہا سان واپس ہو جا۔ فالح جان پر نہ کھیل۔ سسی نے کہا: بھائی تو دل کی لگی کیا جانے، محبت سے منہ موڑنا اپنا شیوہ نہیں۔ جان جاتی رہے تو جائے، مگر تلاش چھوڑ دوں یہ سہال ہے۔ گذریا اپنا فرض ادا کر کے چلا گیا اور سسی وہیں تڑپتی رہ گئی۔

دوسرے دن گذریا پھر وہاں آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس حوروش کی بجائے ایک لاش پڑی ہے۔ ادھر جو پنوں کا نشہ اُترا اور صورت حال معلوم ہوئی تو وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ اُس نے بھائیوں کو بہت تافتا اور اونٹ کی سہار موڑ کر بھیمور کی طرف چل پڑا۔ چلتے چلتے اس مقام پر پہنچا جہاں گذریے نے سسی کی قبر بنائی تھی تو وہ تھیر گیا اور گذریے سے پوچھا یہ کس کی قبر ہے جس کی مٹی سے مجھے کسی کی خوشبو آ رہی ہے۔ گذریے نے کہا: ایک خوبصورت عورت تھی، نام اُس کا سسی تھا، پنوں پنوں پکاری تھی، میں نے اُسے بہت کہا کہ آبادی میں چل کر آرام کرے، مگر اُس نے قدم تک نہ اٹھایا۔ یہ سنکر پنوں غش کھا کر گرا، قبر پھٹ گئی اور پنوں اُس میں جا گرا اور یہ محبت کے پتلے ایک دوسرے سے مل گئے۔

اس خاکے میں 'ہاشم' نے رنگ آمیزی کر کے اسے اور شوخ کر دیا ہے۔ اس کے کلام میں شاعرانہ تکلف زیادہ ہے مگر 'برخوردار' کے بے ساختہ اور بلا تکلف اشعار کا لطف کہاں۔ پلات میں دو ایک جگہ تصرف کر کے قصے کو طویل اور زیادہ دلکش بنانے کی کوشش کی ہے، نازہی کو بڑھ گئی مگر مولوی 'سمن' کی سی بات پیدا نہ ہوئی۔ 'ہاشم' کے اہم تصرفات حسب ذیل ہیں:

(۱) دھوبی راجہ بھیمور کے پاس فریادی ہوئے کہ 'آتا، دھوبی کی بیٹی جوان ہو گئی ہے، مگر وہ برادری میں کسی سے رشتہ نہیں کرتا۔ راجہ نے سسی کو طلب

کیا۔ اس نے حاضر ہو کر وہ تعویذ پیش کیا، جو راجہ نے اُس کے گلے میں ڈالا تھا —

(۲) غزنی سے ایک سوداگر تصویریں لے کر آیا اور شہر بھمبور میں تصویر خانہ سجایا۔ ان تصویروں میں پنوں کی تصویر دیکھ کر سسی نے اصل کا حال پوچھا اور سوداگر سے پتہ نشان لے کر سسی اس پر نادیدہ عاشق ہو گئی —

(۳) اس قدرے کا نام 'کاکا' تجویز کیا، وہ سسی کو دیکھ کر تر گیا —

(۴) کاکا سسی کی قبر کا مجاور بن گیا —

(۵) شہد کی مکھیوں نے سسی کا حال زار دیکھ کر پنوں کو ہوشیار کیا —

(۶) پنوں خود کشی پر آمادہ ہو گیا تھا، اس لئے بھائیوں نے اسے نہ روکا —

سادگی اور محاکات نے لحاظ سے گو برخوردار کا درجہ بہت بلند ہے، مگر جو قبول عام اور ہمیشہ بہار ہاشم کو نصیب ہوئی وہ مستقدمین و متاخرین میں سے کسی کے حصے میں نہ آئی، پنجاب میں اوہڑی کے دن ہندو مسلمان ملکر سسی پنوں کا سوانگ نکالتے ہیں اور اس میں ہاشم کی سسی گاتے ہیں۔ اس لئے اس کے شعر پنجاب میں بچے بچے کی زبان پر ہیں —

سوانگ میں ایک اونٹ پر پنوں اور سسی ہمدیاف ہوتے ہیں اور ایک ساربان اونٹ دی سہار پکڑے رہتا ہے، یہ سب کسی قدر مکالمے کی صورت میں ہاشم کے شعر پڑھتے ہیں۔ فضل شاہ نے قصہ تو ہاشم سے لیا ہے مگر ہر بات کو طول دیکر بتکڑ بنا دیا ہے۔ قصے میں دلاویزی پیدا کرنے کے بجائے داد سخن دینے کی طرف توجہ کی۔ البتہ یہ زیادتی کی ہے کہ راجہ آدم جام سسی پر فریقہ ہو جاتا ہے اور جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسکی بیٹی ہے تو ہرق ندامت میں غرق ہو جاتا ہے، ”ایجاد بندہ مگر سراسر گندہ“ اسی کو کہتے ہیں —

مولانا شرر لکھنوی بیاباں فرماتے ہیں کہ سندھ میں اس واقعے کو تاریخی منزلت حاصل ہے۔ عوام نے سسی پنوں کو اولیا کا مرتبہ دیا ہے۔ دانگداز بابت ستمبر سنہ ۱۸۹۸ء میں تحفۃ الکرام سے اخذ کر کے یہ قصہ اسطرح بیان کیا گیا ہے :

راجہ دلورائے کے زمانے میں سندھ کے ایک قدیم شہر بہام برادہ میں نانیا نام بڑھن رہتا تھا، جو ایک متوسط درجے کی عزت و حرمت سے اپنی بیوی سندر کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا۔ دونوں میاں بی بی کو مدتہائے دراز کی امیدوں کے بعد خدا نے ایک لڑکی عنایت کی، جس کا حسن و جمال آفتاب پر چشمک زنی کرتا تھا۔ بدنصیبی سے نجومیوں نے زائچہ بنائے پیشگوئی کی کہ یہ لڑکی کسی مسلمان سے بیاہی جائیگی۔ ماں باپ کو یہ سن کے نہایت صدمہ ہوا اور انہوں نے اپنی عزت و آبرو بچانے کے لئے سنگدلی سے کام لیا۔ مگر ان کا یہی بے رحمانہ کام اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا موجب بنا، جس کی بنا پر انہوں نے اپنے اغت جگر کو اپنے دامن شفقت سے جدا کیا تھا —

پیشگوئی سن کر سسی کے والدین کو عزت و آبرو کے خطرے نے اس قدر خوف دلایا کہ انہوں نے اپنے اس جگر گوشہ کو ایک چھوٹے سے صندوق میں بند کر کے دریا میں بہا دیا۔ تقدیر نے اس صندوق کی حفاظت کی اور موجیں بہا کر اسے شہر بہمپور میں لے گئیں —

شہر بہمپور میں ایک دھوبی رہتا تھا جس کا نام تونہیا تھا۔ مگر نام طور پر لالہ کے لفظ سے یاد کیا جاتا تھا۔ اس دھوبی کے پانچ سو شاگرد دریا کے کنارے کپڑے دھویا کرتے تھے۔ اگرچہ یہ سب بیٹوں کی طرح اس کی خدمت میں موجود تھے۔ مگر خدا نے حقیقت میں اسے اولاد سے محروم کر رکھا تھا، جس کی اسے بڑی تنہا تھی۔ وہ صندوق بہتے بہتے جب بہام برادہ سے بہمپور پہنچا تو لالہ کے کسی شاگرد کے ہاتھ پڑا اور وہ اس صندوق کو اسی طرح بند اپنے مالک کے سامنے آٹھا لایا۔

لاہ نے جو صندوق کھولا تو ایک چاند کے ٹکڑے کو اس میں دیکھ کر متحیر ہو گیا، فوراً نکال کے اپنے کلیجے سے اگایا۔ چونکہ اس کا چہرہ چاند کی طرح ہنسکتا تھا اس رعایت سے سسی نام رکھا اور اپنی بیٹی بنا کے پرورش کرنے لگا۔

لاہ کے داسی شفقت میں پرورش پا کے سسی بڑی ہوئی تو اس کا حسن و جمال زمانے کے لئے ایک فتنہ ہو گیا۔ جس کی نظر اس پر پڑی دل و جان سے فریفتہ ہو گیا۔ ہر صحبت میں اس کا تذکرہ ہونے لگا۔ اور مسافر اس کی یاد کو دل میں لے کے دور دراز ممالک میں پہنچے۔ الغرض اس طرح اس کے حسن عالم فریب کی شہرت ہر طرف پھیل گئی اور جا بجا لوگ اس کے نالیدیدہ عاشق ہو گئے۔

اس زمانے میں چند قافلے سندھ سے مکران کو روانہ ہوئے۔ جہاں کے پہنچتے ہی بعض تاجروں کے ذریعے سے سسی نے حسن کی تعریف شہر کش کے اسیر کے بھتے پنوں کے گویا گزار کر لی۔ وہ یہ تذکرہ سنتے ہی دل و جان سے عاشق ہو گیا اور جب کامیابی کی کوئی تدبیر نظر نہ آئی تو سودا گروں کا بھیس کر کے بے کسی سے کہے سنے سندھ کو روانہ ہوا۔ بھہرور میں پہنچ کے جب سسی کی دلربا صورت دیکھی تو حضرت عشق کی آگ نے اس کے دل و دماغ پر اثر کیا۔ شوق وصل ایک سے دہ چند ہو گیا۔ جب کوئی اور صورت بنتی نظر نہ آئی تو مجبوراً پنوں کو سسی کے حسن سے فائدہ اٹھا لے کے لئے یہ تدبیر کرنی پڑی کہ دھوبیوں کی صورت بنائے سسی کے باپ کے شاگردوں میں داخل ہو گیا اور دریا کے کنارے روز جا کے کپڑے دھوئے لگا۔ اس طریقے سے پنوں کو یہ موقع مل گیا کہ روز سسی سے ملا کرتا تھا۔ آخر دونوں طرف سے محبت نے جوش کیا اور دونوں کے دل میں عشق کے شعلے مشتعل ہو گئے۔ یہاں ایک سنارن رھتی تھی جو ان دونوں کی پاک محبت کو دیکھ نہ سکی۔ اُسے آتش حسد نے اندر ہی اندر جلا دیا۔ اس بفا پر اس نے آخر کار ایسی

فتنہ پروازیاں کہیں کہ پندوں کے دل میں سسی کی طوط سے کچھ بدگمانی سی پیدا ہوگئی۔ مگر سسی نے اپنی پاک دامن کی ثبوت نہایت ہی سخت اور کڑے امتحان میں کامیابی حاصل کر کے دیا۔ چنانچہ وہ آگ میں گود کر خالص سونے کی طرح اس میں سے پاک و صاف نکل آئی۔ اس کے تھوڑے دنوں بعد ان عاشق و معشوق کی آپس میں شادی ہوگئی۔ اور وہ دونو اس شہر میں رہ کر کامیابی اور مقصد پوری سے اپنی زندگی بسر کرنے لگے۔

جب یہ حالات امیرکش کو معلوم ہوئے تو اسے اپنے بیٹے کی اس فریفتگی اور از خود رفتگی پر نہایت طہیش آیا۔ اس نے چند آدمی روانہ کئے کہ جس طرح بنے پندوں کو خواہ برباد و رغبت، خواہ بجبر و اکراہ کش میں لے آئیں۔ یہ لوگ کئے اور خود پندوں کے گھر میں اُترے اور اس کے سہمان ہوئے۔ لیکن رات کو جب پندوں اور سسی دونوں معو خواب تھے، ان لوگوں نے پندوں کو سوتے ہی میں اوفت کی پیتھہ پر ڈال کے رسیوں سے باندھ لیا۔ اور سس کو ویسے ہی سوتا پڑا رہنے دیا اور خود مکران کی راہ لی۔

صبح کو جب سسی خواب فاز سے بیدار ہوئی تو پندوں اور رات کے سہمانوں کو غائب دیکھ کے رونے پیتنے لگی۔ تمام کپڑے پہاڑ ڈالے، زیور اتار کے پھینک دیا اور تن تنہا شوہر کی جستجو میں نکل کھڑی ہوئی۔ محبت نے پاؤں میں اتنی طاقت دے دی کہ گھر سے بہت دور تک اپنے یوسف کم کشتہ کی تلاہ میں قدم اٹھائے چلی گئی۔ کوئی چالیس کوس گئی ہوگی کہ پندوں نے جواب دے دیا اور تشنگی کی یہ شدت ہوئی کہ لق و دق بیا ہاں اور برہنہ پہاڑوں میں گر کے زمیں میں ایڑیاں رگڑنے لگی اور بالکل نزع کا سا عالم طاری ہوگیا۔ خدا کی قدرت سے وہاں ایک پانی کا چشمہ نمودار ہوا جس سے پانی پی کر سسی خوب سیراب ہوئی۔ سیاحوں کا بیان ہے کہ وہ چشمہ آج تک اسی جگہ پر موجود ہے اور صحرا نوردوں کے کلیجے تھلنے کے کپا کرتا ہے وہ ہر موسم میں موجود رہتا ہے، نہ گرمیاں اسے خشک کرتی ہیں اور نہ بالو اس کے پانی کو جذب کرتی ہے۔

کہتے ہیں کہ یہ واقعات مصیبت سسی نے اس شب کو خواب میں دیکھے لئے

تھے جس رات وہ دلہن بنائی گئی تھی اور اس کے ہاتھ خدا آلود کئے گئے تھے —

وہاں رسم تھی کہ شب زفاف کو دلہنیں مہندی کی ایک ٹہنی ہاتھ میں لے کے سویا کرتی تھیں۔ سسی جو ٹہنی ہاتھ میں لے کے سوئی تھی، اسے اس نے مصیبت کی نشانی سمجھ کے حفاظت سے رکھ چھوڑا تھا۔ اس سفر غربت میں بھی وہ اس ٹہنی کو اپنے ساتھ لیتی گئی۔ اس پہاڑی علاقے اور صحرا میں جب خدا نے اسے آب نوشی سے سیلاب کیا تو اس نے وہ ٹہنی اس چشمہ کے کنارے گاڑ دی تھی۔ خدا کی قدرت سے وہ ٹہنی جم گئی۔ وہی مہندی کی جھاڑی اس چشمہ کے کنارے آج تک سسی کے خون چکان دل کو یاد دلا رہی ہے —

تھوڑی دیر سستا کے سسی پھر آگے بڑھی۔ چھہ ہی سات کوس چلنے پائی تھی کہ پھر پیاس کا غلبہ ہوا، چہرہ کھلا گیا اور تھک کے بیٹھ گئی۔ اتفاقاً یہاں ایک گدڑیا اپنی بکریاں چرا رہا تھا۔ اس نے جو سسی کی صورت دیکھی اور پھر اسے تن تنہا پایا تو بے اختیار ہو گیا۔ دیر تک مبہوت کھڑا دیکھتا رہا۔ آخر اس نے تعویذ کی کہ سسی کو اپنے قابو میں لے اور جہاں جی چاہے لے جائے۔ چنانچہ اس ارادے سے وہ قریب آیا اور سسی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ چلو تم میرے ساتھ چلو اور میری معشوقہ بنو۔ سسی نے ایک آہ گرم کھینچ کر کہا۔ تم یہ کتنا بڑا ظلم کر رہے ہو میں اپنی جان سے مر رہی ہوں اور تم ایسی ناجائز خواہش ظاہر کر کے میرا دل دکھا رہے ہو۔ گدڑی نے زیادہ اصرار کیا اور کہا: کہ یہ ممکن نہیں کہ تم میری خواہش پوری نہ کرو۔ تب سسی نے عاجز ہو کر کہا اچھا اگر تم مجھے مجبور ہی کرتے ہو تو کوئی ایسی تدبیر کرو جس سے میری جان میں تو جان آئے۔ مارے پیاس کے مہرا دم نکلا جاتا ہے کوئی ایسی چیز لاؤ کہ ذرا حلق تر کر لوں۔ اتنا سنتے ہی گدڑیا خوش خوش اپنے گلے کی طرف دوڑا کہ تھوڑا سا دودھ ۲۵ لائے۔ گدڑی کے جاتے ہی سسی نے دروازہ الہی میں التجا کی وہ اپنے معشوق کی ملاقات کے آب حیات پانے

سے مایوس تو ہو ہی چکی تھی، ظالم گذریے کے پنچے، ظالم و ستم سے مخلصی کی کوئی صورت اسے فطرتاً ہی آتی تھی، اس لئے تنگ آکے اس نے دعا کی: بار آٹھا مجھے اس صحرائی دیو کے پنچے سے نجات دے۔ اتنا کہنا تھا کہ وہ چٹان جس پر بیٹھی ہوئی تھی بیچ سے شق ہوگئی اور سسی کو اپنی گود میں لے کے پھر بند ہوگئی۔ سسی تو لعل بے بہا کی طرح پتھر کے کلیجے میں جا چھپی اور اس کی سازھی کا آنچل اس کی بیکسی یاد دلانے کے لئے باہر نکلا رہ گیا —

گذریے نے جب واپس آکے یہ حال دیکھا تو اسے بڑی عبرت ہوئی، اپنی زیادتی پر بہت پچھتایا، خدا کی درگاہ میں توجہ کی اور اپنی فداست مٹانے کے لئے اسی جگہ جہاں سسی پیوند کوہ ہوئی تھی، مقبرہ بنادیا —

اب پنوں کا حال سنئے کہ وہ ستم رسیدہ، درد، ہجراں کشیدہ، جب زنجیروں میں جکڑا ہوا اپنے باپ کے سامنے پہنچا تو اس کی بیتابی و حسرتاکی اس شدت پر نظر آئی کہ باپ کو بیٹے کے مرجانہ کا اندیشہ ہو گیا۔ اس لئے مجبور ہو کر اس نے پنوں کے بھائیوں کو بلا کے کہا: تم پنوں کو ساتھ لے کے سندھ جاؤ اور جہاں ملے اور جس طرح ممکن ہو اس کی معشوقہ کو ساتھ لے آؤ —

اپنے باپ کے حکم کی تعمیل میں پنوں کے بھائیوں کا ایک قافلہ اسے ساتھ لے کے سندھ کی جانب روانہ ہوا۔ جب یہ لوگ اس مقام پر پہنچے جہاں سسی پہاڑ میں زندہ دفن ہوگئی تھی تو پنوں اپنے سواہی کے اونت سے اترا اور کسی انسان کے تازہ نشان قبر کو غور کی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ دل کے تعلقات کچھ ایسے بڑھے کہ وہیں بیٹھ کے سوچنے لگا اور بے اختیار اس کی زبان سے نکلا :

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے کہے دیتی ہے شوخی نقش پاکی
پنوں کو وہاں بیٹھ ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ وہی گذریا
نہودار ہوا اور پنوں کے پاس آکے جب دیکھا کہ وہ ان آثار کا متجسس ہے تو اس نے
سسی کی ساری حقیقت اس سے کہہ سنائی۔ پنوں فوراً — مجھ کیا کہ یقیناً یہ موری

ہی معشوقہ کا تذکرہ ہے۔ اپنے ساتھیوں سے کہا: میں ذرا اس قبر کی زیارت کر آؤں، اس شہید عشق کی تربت پر مجھے فاتحہ ضرور پڑھنا چاہئے۔ اتنا کہہ کے مقبرے کے اندر گیا اور قبر سے اپت کے دعا مانگنے لگا کہ یا اللہ مجھے میری معشوقہ سے ملا دے فوراً وہ چٹان پھر شق ہوئی اور پنوں بھی اس میں سجا گیا۔

پنوں کے بھائیوں کو سرائے اس کے اور کوئی چارہ نہ رہا کہ روتے پیتتے اپنے وطن کو واپس گئے اور وہاں جاکر والد کو ساری کیفیت سے اطلاع دی۔ وہ بھی اس درد و حسرت بھرے واقعہ سے نہایت معزوں ہوا، مگر صبر کئے بغیر اور کر ہی کیا سکتا تھا۔

لیکن مسٹر کنکیت نے جو سنہ ۱۹۱۸ء میں کرانچی میں متعین تھا۔ مسٹر ہوم شیل کی مدد سے جو کہانی سندھی مثنوی اور کیتوں سے اخذ کی ہے وہ تحفۃ الکرام سے بہت مختلف ہے۔ سندھ نریتز میں اس کہانی کا ذکر بر سبھل تذکرہ ہے مگر شاید بغض طوالت کہانی بین نہیں کی گئی۔ صاحب موصوت کی کہانی جو ٹائمز آف انڈیا میں شائع ہو کر بہت مقبول ہوئی۔ عوام میں متداول ہے جسے ہم اپنے الفاظ میں مختصر طور پر پیش کرتے ہیں:

”ایک مدت کی بات ہے کہ سندھ میں داورائے فاسی ایک راجا راج کر تا تھا۔ اس راجہ نے فافوں برہمن کو اپنا منتری بنایا۔ فافوں کے گھر دھن دولت کی گنگا بہتی تھی، ہیرے، ونی کے انبار لگے تھے، پر بال بچہ کوئی نہ تھا۔ جس کے لئے یہ میاں بیوی بن پنی کی مچھالی کی طرح تر پتہ تھے۔ یوگی، سادھوں مہنت کی سیوا میں کوئی بات اٹھا نہ رکھی۔ ہون ہوئے، یک کراے، کنگالوں کو جھولیاں بھر بھر کر روپیہ پیسہ دیا، کچھ نہ بنا۔ آخر فراس ہو گئے۔ تو ایک دن فافوں کی بیوی نے سن پایا کہ ایک بدھا جوتشی کہیں سے آیا ہے۔ جو ہندوستانی اور یونانی دونوں ملکوں کی ودیا میں کامل ہے۔ فافوں کوہر آیا تو بیوی نے اس جوتشی کا ذکر چھیڑا بچے کے بغیر زندگی اندھیری رات کے سہاں

ہوتی ہے، آئیے اس جوتشی کو بھی آزما دیکھیں۔ کیا معلوم کہ اس اندھیرے میں اُجالا ہو جائے۔ لوگ تو اس کی بڑی تعریف کرتے ہیں کہ اس جیسا پہنچا ہوا دنیا بھر میں کوئی نہیں، آگے رام جانے۔“ نانوں نے اس تجویز کی اونچ نیچ پر بہت سوچ بچار کیا، اور جب تسلی ہو گئی کہ اس میں کسی نقصان کا اندیشہ نہیں تو بیوی کو ہمراہ لے کر جوتشی کے آشوم کی طرت چل پڑا۔

جوتھی نے راج منتری کی بڑی آڑ بھگت کی، انہیں کتیا میں لے گیا آنے کا کارن پوچھا۔ منتری نے جوتشی کے قدم لئے اور ہاتھ باندھ کر کہنے لگا: ”سہاراج بھگوان کا دیا سب کچھ ہے، پر لڑکا بالا کوئی نہیں۔ اس پھانس نے زندگی اجیروں کر رکھی ہے“ جوتشی نے کچھ دیر سوچ کر پانسا پھینکا۔ اور رمل کے سارے قاعدے پورے کر کے بتایا: ”منگل اور برہسپت کا سدھوگ ہے۔ سہاراج آپ کے ہاں ایک کنیا جنم لے کر پر اس کے لیکھ میں ایک مسلمان خاوند بدا ہے۔“ یہ سن کر منتری کے دل کو بڑا دکھ ہوا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس نے جوتشی کی بڑی منتیں کیں، کہ وہ اس کی بیٹی کی قسمت کو بدل دے۔ جوتشی کو اپنے معزز سہماں کی بہت خاطر منظور تھی، مگر وہ قسمت کے لکھے کو نہیں بدل سکتا تھا۔ ناچار منتری اور اس کی بیوی روتے دھوتے گھر گئے۔ دارو کے لیے گئے اور نیا روگ لے آئے۔ کچھ عرصے کے بعد لڑکی پیدا ہوئی۔ اس نے ارادہ کیا کہ یا تو پتھر سے لڑکی کا سر کچل دے یا آگ میں ڈال دے۔ برہمن کی بیوی لڑکی کی جان لینے کی روانہ نہ ہوئی اور کہا کہ اگر اس سے کنارہ ہی کرنا ہے تو صندوق میں بند کر کے سندھ میں ڈال دیجے۔ برہمن نے ایک صندوق منگوا دیا اور سوتے ہوئے بچے کو صندوق میں رکھا۔ ایک تھیلی اشرفیوں اور موتیوں کی ڈال کر تالا لگا دیا۔ پھر اسے دریا میں پھینک دیا۔ صندوق بہتا بہتا شہر بھمبور میں پہنچا۔ وہاں محمد قاسم ایک دھوبی صندوق کو باہر لے گیا۔ کھولا تو اس میں ایک لڑکی پڑی تھی۔ لڑکی کو صندوق سے نکالا تو اشرفیوں اور موتیوں کی ایک تھیلی ہاتھ لگی۔ اس کی خوشی کی کوئی

حد نہ رہی اور لڑکی اور تھیلی کو اٹھا کر گھر دوڑا ' اس کی بیوی جو دن رات اولاد کے لئے دعا مانگتی رہتی تھی ' نہال ہو گئی اور انہوں نے اس لڑکی کو اپنی بیٹی بنا لیا اور اس کا نام سسی رکھا - (جسے ماہ لقا سمجھیں یا بدرائسا کہئے) چند سال گذرے تو سسی جوان ہو گئی - بچپن کا حسن نکھر کر شباب کے سانچے میں تھلا - جدھر جاتی اُنکلیاں اُٹھتیں اور لوگ کھنٹوں کھوڑتے ' اپنا کام کاج چھوڑ کر گھات پر پڑے رہتے - دھوبی نے اشرفیوں کی تھیلی سے سسی کے لئے اچھے سے اچھا کپڑا اور عمدہ سے عمدہ زیور خریدا ' ایک دو منزلہ مکان تعمیر کیا ' جس کے گرد ایک دلکش باغ احاطہ کئے تھا - یہاں سسی اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھی - اس زمانے میں ایک بلوچ سردار ' جام علی کی بہادری اور فتہمندی کی بڑی دھوم تھی - اور اس کی قوم نے اسے کیچ اور کوہستان کا بادشاہ تسلیم کر لیا تھا - جام علی کے چنوں ' پنوں ' ہو تو ' نکرر ' اور نوٹو ' پانچ بیٹے تھے - اگرچہ یہ سب بہادر اور شکیل فوجواں تھے ' مگر پنوں سب سے بڑا چڑا کر تھا ' اس بلوچ سردار کی دور دور تک دھاک بیٹھہ گئی تھی ' کاروان محمول ادا کرتے تھے ' اور ارد گرد کے علاقے میں اگر کوئی سر اٹھاتا تھا تو اس کے بیٹے اسے ٹھیک بنا دیتے تھے - سسی کی خوبصورتی کی شہرت اس دور دراز ملک میں بھی جا پہنچی اور اس کے خیال نے پنوں کے دل میں گھر کر لیا - ایک دن بہو ناسی ایک سوداگر کوہستان میں آیا - جام علی نے اس کی بڑی خاطر محارت کی اور اس کی باتوں اور ادب و آداب سے اس قدر خوش ہوا کہ تمام محصول معاف کر دیا - تھوڑے دنوں میں بہو نے تمام مال فروخت کر لیا اور دوسری جگہ جا کر بیچنے کے لئے نیا مال خریدا - اس نے جام علی سے رخصت چاہی تا کہ بھہر شہر جا کر اپنا مال بیچ سکے - جام علی بڑی مشکل سے اس کے جانے پر رضا مند ہوا - لیکن جب پنوں کو الوداع کہنے آیا تو پنوں نے اسے چپکے سے کہا کہ : بھہر میں سسی کو تھونڈنا اور مجھے خفیہ اطلاع دینا کہ آیا واقعی وہ

ایسی ہی حسیں تھیں۔

بہو نے مسکرا کر اس کام کی ہاسی بھری اور اس کا کاروان بھیمور روانہ ہوا۔ جب وہاں پہنچا تو بہو نے ایک مکان لے کر وہاں اپنا مال سجا یا۔ چند دنوں میں اس کے مال، اس کی خوبصورتی اور جوانی کا شہر بھر میں شہر ہو گیا اور اس کے مکان پر عورتوں مردوں کا قافلا بندھ گیا۔ ایک دن بہو کا اس مکان کے پاس گذر ہوا، جہاں سسی رہتی تھی۔ اس وقت سسی اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیل رہی تھی، اس نے بالا خانے کی کھڑکی سے بہو کو گلی سے گذرتے دیکھا۔ بہو کی خوبصورتی نے اس کے دل پر بڑا اثر کیا اور اس نے اپنی سہیلی سے جس کا نام سکھی تھا کہا کہ جاکر اسے اوپر لے آئے۔ بہو کو پیغام ملا تو وہ تھوڑا سا قیامتی حال لے کر سکی کے ساتھ سسی کے پاس گیا۔ وہ سال بھول کر دکھا رہا تھا کہ سسی نے اس کے کان میں کہا: ”اے سوداگر تو نے میرا دل چھین لیا۔ اب میرے دل میں تم ہی بس رہے ہو۔“ پہلے تو بہو نے کچھ جواب نہ دیا، لیکن جب نظر پور کر سسی کو دیکھا تو اس کے حسن کا قائل ہو گیا۔ اس نے دل میں کہا کہ گو یہ ترکی دھوئیں ہے مگر حسن کے لحاظ سے پنوں کے لائق ہے۔ سوچ کر اس نے سر ہلایا اور جواب دیا کہ ”مجھ پر اپنی محبت ضائع نہ کھیجیے“ میں ایک شخص پنوں کو جانتا ہوں جو مجھ سے زیادہ خوبصورت اور آپ کے قابل ہے۔ میں تو ایک معمولی آدمی ہوں اور وہ ایک فیاض شہزادہ ہے۔ میں ایک ادنیٰ تاجر ہوں اور سارا کپیچ اور دھستار اس کی اطاعت کا دم بھرتا ہے۔ وہ پاس سے گذرے تو بھکاری کے گھر میں ہن برسنے لگے اس کے پاس گھوڑے، اولٹ، چاندی، سونے کے خزانے، سپاہی، دربان اور منشی مقصدی ہیں اور سچ پوچھئے تو میں بھی اسی کا ایک نوکر ہوں۔ میں نے اس کی خوبصورتی کا اس لئے ذکر نہیں کیا کہ مجھے اس کے لئے لفظ نہیں ملتے اسے دیکھ کر ہی آپ اس کے حسن کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ خدا کرے کہ آپ

کی اُس سے ملاقات ہو —

سودا گر کی زبان سے پنوں کی اس قدر تعریف سن کر سسی کا دل اُس کی طرت مائل ہوا۔ اور اُس نے بہو سے کہا کہ وہ اس خوبصورت فوجوان کو بلا کر اسے دکھائے۔ بہو سسی سے رخصت ہو کر گھر پہنچا تو اس نے ایک منشی بلوا کر اس سے دو خط لکھوائے۔ ایک خط میں یہ لکھا تھا کہ ”میں نے سسی کو دیکھا، بے شک وہ چاند کا ٹکڑا ہے۔ اگرچہ دھوپ ہے، مگر خدا نے اسے دولت حسن سے مالا مال کر دیا ہے۔ ایک سوداگر کے بھیس میں جلد تشریف لائیے اور عطر و عنبر کے برجہ ساتھ ہونے چاہیئیں۔“ دوسرے خط میں یہ تحریر تھا کہ ”میری مدد کیجیے بہوپور کے لوگوں نے میرا سارا مال چھین لیا ہے اور مجھے قید کر رکھا ہے، وہ مجھ سے محصول طلب کر رہے ہیں۔ شہزادہ پنوں! یہ خادم صرت آپ کے بھروسے پر جی رہا ہے، مایوس نہ فرمائیے اور جلد تشریف لائیے —

یہ خط اُس نے ایک شتر سوار کو دئے، جو جلد پنوں کے ملک میں پہنچ گیا۔ قاصد نے پنوں سے زبانی کہا کہ پہلا خط صرت اس کی ذات کے لیے ہے اور دوسرا وہ اپنے باپ کو دکھا سکتا ہے۔ پہلا خط پڑ کر پنوں کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی، دوسرا اس نے اپنے باپ کو سنایا تو وہ غصے سے بیتاب ہو گیا۔ اس کی زندگی میں اس کے دوست بہو سوداگر کی یہ گت بنے اور وہ بیٹھا دیکھا کرے، یہ کیسے ہوسکتا تھا۔ اُس نے پنوں کو حکم دیا کہ ”فوراً جاؤ“ اس کے دشمنوں کو تلوار کے کھات اتارو اور اسے آزاد کرو —

پنوں نے قاصد کو یہ پیغام دے کر رخصت کیا کہ اسے پہنچا سمجھو اور آپ سفر کی تیاری کرنے لگا۔ عطر و عنبر سے بہت سے صندوق بھرے، انہیں چمکے سے اونٹوں پر بار کیا۔ کدکا جمنی معمل دھوپ میں چمک رہے تھے اور اونٹوں نے گلے میں مالا اور گھنگرو پڑے تھے۔ پنوں اور اس کے ہمراہیوں نے زر دوزی کپڑے پہنے، سروں پر بڑے گھیر کی پگڑیاں باندھیں۔ ان کے پاجامے سبز رنگ کے تھے۔

کندھوں پر سفید ریشمی رومال پڑے تھے، جن پر سنہری رہیلی لیس لٹکی تھی۔ جب پنوں کی جماعت روانہ ہونے کے لیے تیار ہو گئی تو جام علی اپنے بیٹے چنوں کو لے کر الوداع کہنے کے لئے آیا۔ اور پنوں سے کہا کہ چنوں کو ساتھ لیجاؤ، کام آئے گا اور پنوں کو جلد واپس آنے کی تاکید کی۔ پنوں ماں باپ سے رخصت ہو کر روانہ ہوا۔ رات ہوئی تو پنوں نے کھیربیلہ میں قیام کیا۔ صبح ہوئی تو سارا گاؤں اس قافلے کو دیکھنے آیا۔ اس موضع کھیربیلہ میں سجن نامی ایک البیلی چھیلی سنارن رھتی تھی، جب اس نے پنوں کو دیکھا تو وہ دل و جان سے اس پر فدا ہو گئی اس نے ایک بوڑھیا کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ وہ اس کا مال جواہرات کے عوض خریدنا چاہتی ہے۔ مگر پنوں نے کہا کہ یہ مال بکاؤ نہیں، مجھے اس کی بھہور میں ضرورت ہے۔ اصرار کرنے پر سجن کی دعوت قبول کی اور ایک رات اور ٹھہرنے پر رضا مند ہو گیا۔ دوسرے دن سجن دامنگیر ہوئی مگر پنوں نے روانگی کا حکم دیدیا۔

جب شہر کے قریب پہنچے تو پنوں نے بہو کو بلایا اور اس کے مشورے سے شہر کے جنوب میں تیرے تالے اور سوداگروں کی طرح دکانیں لگائیں۔ جب سسی کو معلوم ہوا کہ ایک بہت بڑا سوداگر آیا ہے تو وہ بھانپ گئی کہ اس سوداگر کے پردے میں پاؤں جلوہ دکھا رہا ہے اور بہو کے کہنے پر وہ جھٹ اپنی سہیلیوں کے ساتھ نئے سوداگر کے بازار کی سیر کرنے کے لئے چل پڑی۔ جب وہاں پہنچی اور سسی اور پنوں کی آنکھیں چار ہوئیں تو انھیں کوئی سدہ بدہ نہ رہی اور وہ ایک دوسرے کے لیے وقف ہو گئے۔ دونوں کے دلوں میں آتش عشق پر بھڑک اٹھی۔ جب سسی کھر واپس گئی تو اُس نے اپنی محرم راز سہیلی سسی سے کہا: آنکھیں اشکبار ہیں، کلیجے میں ہوک اُٹھ رہی ہے۔ اگر کسی طرح پنوں کو لے آؤ تو خیر، نہیں تو سمجھو کہ میری جان کی خیر نہیں۔“ سسی نے اس کو باتوں میں بہلافا چاہا لیکن سسی نے اسی وقت تک دم نہ لیا، جب تک سسی نے یہ وعدہ نہ کیا کہ وہ اس کے والدین کو اس بات پر راضی کرے گی کہ سسی کی شادی پنوں سے ہو جائے۔

دوسرے دن سسکی نے سسسی کی ماں سے یہ ذکر چھیڑا اور کہا کہ سسسی کے لیے اس سے بہتر ہر ملنا محال ہے۔ خوبصورت گہرو جوان اور اس پر مال دار اور کیا چاہئے۔ سسسی کی ماں نے کہا: یہ تو خیر ہوا، پر یہ تو بتاؤ کہ اس کی ذات کیا ہے۔ اقلے میں، محمد آگیا اور سسسی کی ماں نے ساری بات کہہ سنائی۔ یہ باتیں ہوہی رہی تھیں کہ اتفاق سے ببو گلی سے گذرا۔ اسے دیکھکر سسکی نے کہا: ”وہ دیکھو سوداگر کا منشی جا رہا ہے، اُسے بلا کر ذات پات پوچھ لےجیے۔“ محمد گیا اور اسے لے آیا۔ ببو نے سوال کا مطالبہ پا کر جواب دیا۔ ”اُس نے مجھ سے بارہا کہا ہے کہ وہ کسی زمانہ میں دھوبی کا کام کرتا تھا لیکن اپنے وطن سے بھاگ آیا اور یہاں سوداگری شروع کر دی۔“ یہ سن کر محمد نے ببو سے کہا کہ پنوں کو اپنے گھر بلا کر اُس سے ملائے۔ پنوں خوشی سے ببو کے مکان پر آکر محمد سے ملا۔ محمد نے پنوں کا امتحان لینے لے لئے کہا۔ ”میں نے سنا ہے کہ تم ذات کے دھوبی ہو، ذرا ان کپڑوں کے دھونے میں میرا ہاتھ بٹاؤ“ یہ کہہ کر محمد نے شہزادے کو کچھ ریشمی کپڑے اور صابون دیا۔ ببو نے شہزادے کو بتادیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو دھوبی ظاہر کرے۔ اس لئے اُس نے کپڑے لے لئے اور گھات کو چل پڑا۔ وہ حیران تھا کہ یہ کام کس طرح سرانجام ہوگا۔ رستے میں اُس کا بھائی، چنوں، ملا اور کہنے لگا: یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں، کیا تم سچ سچ ایک دھوبی سے شادی کر کے ۵۰۰ مالک کا تیکا لگاؤ گے۔“ پنوں نے جواب دیا: ”بھائی یہ تو من بھاتے کا سودا ہے، جب دل آگیا تو کہاں کی دھوبی اور کہاں کی رانی۔“ چنوں یہ جواب سن کر دم بخود کھڑا رہا اور پنوں نے گھات کا رخ کیا۔ کپڑے دھونے میں اس نے ایسا زور لگایا کہ اُن کے پر خچے اُڑ گئے۔ ان دھبیوں کو پنوں حیرت کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا کہ سسسی مسکراتی ہوئی اُس کے پاس آئی اور کہا: کوئی فکر کی بات نہیں، ہر ایک کپڑے کی جیب میں ایک اشرفی قالدو، کوئی بولے گا بھی نہیں۔ پنوں نے ایسا ہی کیا، اور جب ان کے مالکوں کو کپڑے دینے گیا تو انہیں

کہتا آیا کہ بھائی کپڑوں کے ساتھ اُن کی جیبوں کو بھی دیکھ لیٹا۔ کپڑوں کا حال دیکھا۔ وہ بگڑنے کو تھری لیکن اشرفی دیکھ کر اُن کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ جب محمد کو معلوم ہوا کہ پنوں نے کپڑے دھو کر لوگوں کے پہنچا دیے۔ اور کسی نے شکایت نہیں کی تو اُسے اطمینان ہو گیا کہ پنوں واقعی دھو بی ہے۔ اُس نے بڑی دھوم دھام سے سسی اور پنوں کی شادی کر دی۔ لیکن چنوں اس میں شریک نہ ہوا اور ناراض ہو کر وطن کو چلا گیا۔ وہاں جا کر اس نے سارا قصہ جام علی کو سنایا تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے پنوں کے تین بھائیوں 'چنوں'، 'ہوتو' اور 'نوٹو' کو حکم دیا کہ فوراً پنوں کو لے آئیں۔ یہ تینوں شہزادے بھیجور پہنچے اور دل میں کھوت رکھ کر خندہ پیشانی سے پنوں سے ملے اور بھائی اور بھابی پر سے صدقے اُتارے۔ پنوں اور سسی کو اُن کی نیت پر کوئی شک نہ ہوا۔ چنوں نے اس سے کہا کہ 'جام علی' نے شادی منظور کر لی ہے اور اس خوشی میں وہ سب مل کر رات دن رنگ رلیاں بنائیں گے۔ ایک شب کو شہزادوں نے شراب میں داروے بے ہوشی ملائی اور پنوں اور سسی کو پلا دی۔ آدھی رات کے وقت جب ان پر نیند غالب آئی تو انھوں نے پنوں کو سسی کے آغوش سے نکال کر اونٹ پر کالا اور فروراً کھچ کر روانہ ہوئے۔ جب صبح کو سسی بیدار ہوئی اور پنوں کو نہ پایا تو وہ دھماکیں مار کر رونے لگی۔ ہمسائے اکھٹے ہو گئے اور دم دلاسا دینے لگے۔ سسی پنوں کو دھونڈنے کے لئے تنہا چل پڑی۔ 'سسی' کے سوا سب نے اس کے روکنے کی کوشش کی مگر اس نے ایک نہ سنی۔

اونٹوں کے پاؤں کے نشافوں پر سسی پاپیادہ روانہ ہوئی۔ دن بھر چلتی رہی مگر اُس کا پتہ نہ ملا۔ شام کو ایک گدڑی کی جھونپڑی پر پہنچی اور اس سے پوچھا کہ ادھر سے کوئی قافلہ تو نہیں گزرا۔ گدڑیا سسی کے حسی کو دیکھ کر موہٹ سا ہو گیا۔ اور جواب دینے کے بجائے گھسیٹ کر اندر لے جانے کی کوشش کرنے لگی۔ سسی نے اس مصیبت میں پہلے پنوں کو یاد کیا۔ پھر بلند آواز سے یہ دھم مائیگی :

”یا رحیم و کریم! زمین کو حکم دے کہ پھٹ جائے اور مجھ اپنے آغوش میں لے لے۔“
 ہا کا کرنا دھرتی ماتا کا منہ پھٹ گیا اور سسی گڈریے کی گرفت سے نکل اس میں
 جا پڑی۔ شکات مل گیا مگر سسی کے درپٹے کا دامن باہر رہ گیا۔ گڈریا یہ دیکھ کر
 مارے خوت کے اپنی جھونپڑی میں جا چھپا۔

اب پنوں کا حال سنئے۔ دوپہر کو اُسے ہوش آیا تو وہ اپنے آپ کو اُونٹ کی
 پشت پر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ پہلے تو خواب سمجھا، لیکن جب اُسے معلوم ہوا
 کہ یہ عالم بیداری ہے تو اُس نے ’چلوں‘ سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ جب اُس کے
 بھائیوں نے اُسے بتایا کہ وہ اُسے ’جام علی‘ کے حکم سے کیچ لیجا رہے ہیں تو وہ
 اُونٹ سے کود پڑا۔ اُس کے بھائیوں نے اُس کے پکڑنے کی کوشش کی، تو اُس نے تلوار نکال لی۔
 سب الگ کھڑے ہو گئے۔ پنوں بھمبرور کی سمت چل پڑا۔ چلتے چلتے اس جگہ پہنچا،
 جہاں سسی گم ہوئی تھی۔ وہاں سے گڈریا ملا۔ اس نے دریافت کیا کہ اس نے
 کسی عورت کو سرگرداں پھرتے تو نہیں دیکھا؟ کھو نکہ اُسے یقین تھا کہ
 سسی نہلی نہ بیٹھیکی۔ گڈریے نے کہا کہ اس کے آنے سے تھوڑی دیر پہلے ایک
 عورت یہاں ماری ماری پھر رہی تھی اور اُسے زمیں نکل گئی۔
 اور اسکے ثبوت میں سسی کا آنچل دکھایا، جو قبر سے باہر ہوا میں اُڑ
 رہا تھا۔ شہزادے نے فوراً پہچان لیا اور اللہ سے دعا کی کہ وہ بھی زمیں میں سما جائے۔
 اللہ نے اس کی دعا قبول کی۔ زمین پھٹی اور پنوں سسی کے پہلو میں جا پڑا۔
 شکات پھر بند ہو گیا۔ اس طرح شہزادہ اور دھوبن ہمیشہ کے لئے ایک
 دوسرے سے مل گئے۔

یہ ہے سسی پنوں کی داستان، جو سندھ اور پنجاب میں مختلف طور پر
 بیان کی جاتی ہے۔ چونکہ یہ سندھ کی سرزمین کا واقعہ ہے، اس لئے روایات سندھ
 حکایات پنجاب پر مرجع ہیں۔ لیکن پنجابی میں جو قصہ برخوردار نے تیار کیا ہے،

وہ زیادہ قربان قیاس معلوم ہوتا ہے۔ قصے کے دلچسپ ہونے میں کلام نہیں۔ لیکن اسے حضرت شرر مرحوم کی طرح تاریخی واقعہ تسلیم کرنے میں تامل ضرور ہے۔ مشرقی تاریخوں میں ایسے قصے اکثر زیب داستان کے طور پر بیان ہوئے ہیں۔ لیکن ان چیزوں کو امر واقعہ کی منزلت حاصل نہیں ہوسکتی۔ لغتنت برٹن اور مسٹر لوسٹن ا کی رائے میں اس قصے کی اصلیت کچھ بھی نہیں۔ اور یہ فری ایک کہانی ہے۔ مولانا شرر کا یہ فرمانا کہ خلافت قیاس حاشیے کو چھوڑ کر اگر غور کیا جائے تو اصل قصے کے صحیح ہونے میں شک باقی نہیں رہتا۔ محض تکلف ہے۔ ورنہ تاریخ سندھ کا یہ صنف اس پر مزید روشنی ڈالتا —

ہاں صاحب تحفۃ الکرام و ثوق سے فرماتے ہیں کہ اس کے آثار و نشان ان کے عہد تک موجود تھے اور ان شہیدان عشق کا مزار مرجع خاص و عام تھا۔ لیکن صرت انکے کہنے کو کون باور کرے جب تحقیق و تدقیق سے انکی تائید میں نہ ہو۔

عوام کی رائے میں سسی اور پنوں ہنوز زندہ ہیں اور جو بھولا بھٹکا مسافر انکے مقبرے کے پاس آتا ہے اسکی خبر گیری کرتے ہیں اور غیب سے افہمیں کھانا بھی مل جاتا ہے۔ ان میں یہ روایت بھی مشہور ہے کہ اسمعیل نام ملتان کے ایک درویش نے سسی اور پنوں کو زندہ دیکھا۔ کئی شخصوں نے اس قسم کے واقعات بیان کئے ہیں۔ مگر یہ باتیں پایہ اعتبار سے ساقط ہیں اور تحقیق کے معیار پر پوری نہیں اترتیں —

اس قصے میں اظہار محبت کی ابتدا عورت کی طرف سے ہوتی ہے جو خالص ہندی اسلوب ہے اس کے برعکس عرب اور عجم میں اسکا آغاز مرد کی طرف سے ہوتا ہے۔ اسلئے قیاس یہ ہے کہ اس قصے کی بنیاد کسی ہندوستانی نے ڈالی اور یہ قصہ اس زمانے سے تعلق رکھتا ہے جبکہ ہندو عورت اور مسلمان مرد میں ازدواج نے رواج نہ پایا تھا اور ہندو ایسے تعلقات کو جائز نہیں سمجھتے تھے اس سے زیادہ اس قصے کی تحقیق پر مزید روشنی نہیں پڑتی۔

سنیما کی چادر پر

تھیٹر والوں نے اس قصے کی جو مٹی پلہد کی ہے، بیان سے باہر ہے مگر سنیما کے ڈھب کی چیز تھی وہ اسے لے آؤ۔ آجکل سنیما نواز حضرات کی نگاہ میں سسی پنوں کا فلم ہندوستانی صنعت فلم سازی کی بہترین پیداوار ہے سنیما میں یہ قصہ دھوبی کے دریا سے صندوق پکڑنے سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے قبل کے واقعات کو بجا طور پر نظری کر دیا ہے۔ اور سسی کی حالات کے سلسلے میں ایک طبعیب آکر سامان مہام پیدا کرتا ہے، یہ تصرف مذاق ساہم برداشت نہیں کرتا۔ بھلا اس زور کی تریجہدی میں ہنسی مذاق کو کیا دخل۔ اتحاد جذبات کا فقدان آرت کے متبائن ہے۔



تبصر

تاریخ و سیر

۷۹۸	افغان بادشاہ
۷۹۹	ایشیا
۸۰۰	عصر قدیم
۸۰۱	مسلمانان تا جداران ہند

متفرق

۷۹۵	ریپورٹ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس
۸۰۲	علی گڑھ منقذہ دسمبر سنہ ۱۹۲۸ ع

اُردو کے جدید رسالے

۸۰۳	مجلہ مکتبہ
۸۰۳	چمنستان
۸۰۳	الہادی

ادب

۷۹۱	سیر الصنفین جلد دوم
۷۹۲	تاریخ ادب اُردو
۷۹۳	منتخبات عود ہندی
۷۹۳	ادبی خطوط غالب
۷۹۴	اُردو معاورات و ضرب الامثال
۷۹۵	فغان درد
۷۹۶	الفجۃ السائرۃ
۷۹۶	آل انڈیا مشاعرۃ

مذہب و اخلاق

نغمہ اور اسلام

ادب

سیر المصنفین جلد دوم

(از جناب محمد یحییٰ صاحب قلمہا بی اے، آل الہیہ۔)

جامعہ ملیہ پریس دہلی — قیمت تین روپے)



سیر المصنفین کی یہ دوسری جلد ہے۔ پہلی جلد اس سے قبل شائع ہو چکی ہے اور ان اوراق میں اس پر تبصرہ بھی ہو چکا ہے۔ اس جلد میں سر سید احمد خاں، مولوی چراغ علی، مولوی محمد حسنین آزاد، مولوی ذکاء اللہ، مولوی سید علی بلگرامی، مولوی نذیر احمد، خواجہ الطاف حسین حالی، مولانا شبلی، مطبع منشی نوالکشور، یفقت و تن ناتھ سرشار، مولوی عبدالرحیم شرر کے حالات اور ان کی تالیف و تصنیف کا ذکر ہے۔ مولف نے مختلف ماخذوں سے سلیقے کے ساتھ ان بزرگوں کے حالات ایک جا جمع کر دیے ہیں، ان کی تالیفات و تصنیفات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور آخر میں ان کی تحریر کے نمونے بھی لکھ دیے ہیں۔ ہر مصنف کے طرزِ تحریر اور اس کی تالیف و تصنیف پر تلخیصی رائے بھی لکھی ہے۔ تلخیصی حصہ ایسا ہے کہ اس میں اختلاف کی بہت گنجائش ہے لیکن حالات بہت خوبی سے اور صاف اور اچھی عبارت میں لکھے ہیں۔ یہ جتنے مصنفین ہیں اردو پر ان کا بڑا احسان ہے اور ان پر جس قدر ایسی کتابیں لکھی جائیں قابلِ قدر ہیں۔



تاریخ ادب اردو

(مصنف جناب بابو صاحب سکسہنہ ایم اے، ال ال بی - مترجمہ
جناب مرزا محمد عسکری صاحب بی اے - مطبع نول کشور)

— • —

اصل کتاب پر جو انگریزی میں شایع ہوئی تھی، تبصرہ ہو چکا ہے۔ یہ اس کا ترجمہ ہے۔ اردو ترجمے میں بعض باتوں اضافہ کی گئی ہیں۔ جس سے کتاب زیادہ خوشنما، دلچسپ اور مکمل ہو گئی ہے۔ مثلاً انگریزی کتاب میں کلام کا نمونہ درج نہ تھا اور نہ اس میں ضرورت تھی، لیکن ترجمے میں بعض بعض مصلحتوں و شعرا کے کلام کا نمونہ بھی درج ہے۔ کہیں کہیں حذف و اضافہ سے بھی کام لیا گیا ہے۔ اکثر شعرا اور مصنفین کی تصویریں بھی دی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ قابل مصنف نے بعض خامیوں پر نظر ڈالی فوری فوری اور بعض غلطیوں کی تصحیح کی ہے۔ مگر اب بھی بعض غلطیاں رہ گئی ہیں۔ مثلاً شیخ عہد الدین گنج العلم کی اردو تصانیف کا ذکر جو محض فسانہ ہے۔ اس طرح سے یقین سے نہیں کرنا چاہئے۔ اب تک ان کی کوئی تصنیف ایسی نہیں معلوم ہوئی ہے جو اردو یا کسی دیسی زبان میں ہو۔ یا دہ مجلس کو مشہور شاعر ولی سے مذکور کرنا، حالانکہ یہ امر پایۂ تحقیق کو پہنچ گیا ہے کہ دہ مجلس کا مصنف اسی نام کا دوسرا شخص ہے۔ یا مہر صاحب (میر تقی) کے والد کے نام کے متعلق یہ کہنا کہ چونکہ ذکر مہر میں مہر صاحب نے کہیں اپنے والد کا نام نہیں لکھا اس لئے ان کا نام مہر عبداللہ ہی ہوگا۔ یہ صحیح نہیں۔ مہر صاحب اپنے والد کو مر جگہ علی متقی کے نام سے یاد کرتے ہیں اور دوسروں کی زبان سے بھی یہی نام کہلایا ہے۔ اللہ جب مہر صاحب اپنے والد کے مر نے پر اسیر الامرا مصاص الدلہ بہادر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اسیر الامرا نے اپنے برادر زادہ خواجہ محمد باسط سے جو انہیں نواب کے پاس لے گئے تھے، پوچھا کہ یہ لڑکا کون ہے؟ تو خواجہ صاحب نے جواب دیا کہ ”از میر محمد علی است“۔ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ غالباً میر صاحب کے والد کا نام مہر محمد علی تھا۔ اس قسم کی بعض غلطیاں اور بھی ہوں مگر اس سے کتاب کی قدر و قیمت میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ اردو ادب کی تاریخ پر اس وقت اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں اور بابو صاحب کی محنت اور کوشش بہت قابل قدر ہے۔

ہم بابو صاحب کو مبارک باد دیتے ہیں کہ انہیں مترجم بھی مرزا محمد عسکری

صاحب جیسے قابل شخص ملے ہیں۔ مرزا صاحب نے ترجمہ ایسا اچھا کیا ہے کہ ترجمہ معلوم نہیں ہوتا۔

کتاب بہت اچھی چھپی ہے، کفّہ بھی عمدہ لگایا گیا ہے اور سجاد ہے۔ غرض سب خوبیاں موجود ہیں۔

منتخبات عوں ہندی

(از جناب مولوی حافظ شاہ علی احسن صاحب مارہروی: اُردو لکچرار
انٹرمیڈیٹ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ صفحات مع مقدمہ وغیرہ ۳۶۱-
قیمت دو روپے) -

یہ انتخاب جناب احسن صاحب کا ہے۔ اس میں کل ۱۵۸ خط ہیں اور ہر ایک کے نام کے الگ الگ کردیے ہیں۔ چونکہ یہ انتخاب یونیورسٹی کے ایف۔ اے کے نصاب میں ہے لہذا ایسی بھٹیوں خارج کردی گئی ہیں جن کا تعلق خالص فارسی ادب سے ہے۔ شروع میں احسن صاحب نے ۶۶ صفحے کا مقدمہ مرزا غالب کے حالات اور اُن کے کلام کی خصوصیات پر لکھا ہے۔ اور آخر میں ۸۷ صفحے پر حواشی ہیں جن میں مشکل مقامات اور مشکل الفاظ کا حل درج ہے۔ یہ انتخاب یونیورسٹیوں کے نصاب کے لئے بہت موزوں ہے۔

ادبی خطوط غالب

(مرتبہ مرزا محمد عسکری صاحب بی۔ اے لکھنؤ، مصنف یا
نول کشور پریس سے مل سکتی ہے۔ قیمت دو روپے، صفحات ۴۰۳)

یہ مرزا غالب کے ایسے خطوں کا مجموعہ ہے جن میں مرزا صاحب نے ادبی نکات حل کئے ہیں، اشعار کے معنی سمجھائے ہیں اور شعرا کے متعلق رائے زنی کی ہے۔ شروع

میں ۵۳ صفحے کا چھاپہ قابل مرتب صاحب نے لکھا ہے، جس میں مرزا صاحب کی طرزِ تصریح اور ان کے خطوط کی خصوصیات پر بحث کی ہے۔ ہر وقت میں جو جو ادبی نکتہ یا مباحث آئے ہیں ان کے عنوان الگ الگ لکھ دیے ہیں جس سے پڑھنے والے کو بڑی آسانی ہو جاتی ہے۔ ان تمام وقتوں کی تعداد ۹۶ ہے۔ آخر میں ۱۲۴ صفحے کا ضمیمہ ہے جس میں اُن تمام اصحاب کے حالات ہیں جن کے نام یہ وقت لکھ گئے تھے۔ یہ ضمیمہ بہت دلچسپ اور کارآمد ہے۔ مرزا محمد عسکری صاحب کی یہ ادبی سعی بہت قابلِ شکر ہے۔

اردو محاورات و ضرب الامثال

مؤلف مولوی محمد اسماعیل صاحب سابق اسٹنٹ گورنمنٹ آف انڈیا سکریٹریٹ بی قلمبندی شملہ۔ ملے کا پتہ: حاجی عبدالقہوم صاحب ناچر کتب کلکتہ ویسلی اسکوائر نمبر ۱۶۔ قیمت ایک روپہ ایک آدھ لکھائی، چھپائی متوسط قطع ۱۸ × ۲۲ حجم ۲۰۰ صفحے]

—•—

یہ کتاب اردو زبان کے محاورات اور ضرب الامثال اور بحث تذکرہ و تائید پر ایک متوسط درجے کی اسکولی لغت ہے جسے مولوی اختر جمول صاحب بی اے نظر ثانی و اضافے کے بعد تیسری بار چھپوایا ہے۔

پہلی فصل میں تین ہزار سے زیادہ اردو محاورات ہیں جو روز مرہ کے استعمال میں ہیں۔ اشعار بھی سادہ و مثال کی طور پر دیے ہیں، دوسری فصل میں تقریباً چار سو ضرب الامثال ہیں۔ ہر مثال کے پیچھے اُس کے معنی بھی بتادیے گئے ہیں۔ تیسری فصل مؤلف و مذکر کی بحث میں ہے اس میں حقیقی، غیر حقیقی، قیاسی، سماعتی مرکب اضافی، توحیلی وغیرہ کی کارآمد بحثیں آگئی ہیں اور چار ہزار الفاظ کی فہرست دی ہے ہر فقرہ طلبائے اردو کے لئے مختصر سی کارآمد اور منہد لغت ہے اور اس کی مقبولیت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ اب بار سوم چھپ رہی ہے جناب مؤلف کی قابل قدر کوششائق تحسین ہے۔

فغان درد

(مصنف : جناب عطا محمد خان صاحب 'درد' درانی قندھاری -
حجم ۱۰۰ صفحے ، سائز ۲۰ × ۲۶ - لکھائی ، چھپائی متوسط - قیدت
ایک روپیہ - ملنے کا پتہ : مصنف صاحب - مہار / فتح پورہ ، گجرات ، پنجاب)

— • —

یہ جناب مصنف کے کلام کا مجموعہ ہے ، 'یا دیوان' جس میں ردیف وار ترقیب سے وہ فزولیں یادگار کی طور پر جمع کر کے چھپوا دی ہیں ، جو درد صاحب نے اپنے اثرات سے مجبور ہو کر وقتاً فوقتاً کہی ہیں - کلام اچھا خاصا اور صاف ہے - شروع میں مصنف کا 'و تو اور مختصر حالات بھی خود انہوں نے لکھے ہوئے ہیں - کلام کا نمونہ یہ ہے :

دام صیاد میں بلبل کو چمن یاد آیا
قید ہستی میں - دی جاں کو وطن یاد آیا
سوز ہجران نے تر کھا جوش پیدا کر دیا
پل میں اشکوں نے مرے صعدا کو دریا کر دیا
آنہ سے آنسو دل پر 'درد' سے نکلی ہے آہ
اُس بت ہے ، ہر کی القم نے رسوا کر دیا

مجھے سیر گاہی کی پروا نہیں کہ داہوں سے سینہ چمن بن کھا

کلام میں کوئی خاص ندرت و جدت یا تازگی نہیں معلوم ہوتی - وہی قدیم تخیل ہے اور وہی انداز بیان ہے ، بہر حال جناب مصنف نے خود کھدیا ہے کہ "میری شاعری عالمانہ فاضلانہ نہیں اور نہ میں اہلیں بچے کی نظم لکھنے (کہنے) کا مدعی ہوں" قدرت نے بچوں سے درد دیکر آہ و فغان کا سوز عطا کیا تھا ، جس کا اثر یہ مجموعہ ہے ، "امید ہے کہ شعر و سخن کے ندر دان جناب درد کی حوصلہ افزائی فرمائیں گے اور ان کے کلام سے لطف اندوز ہو کر داد دیں گے۔"

عروض

النجمۃ السائرۃ

(ترجمہ مصحف الدائرۃ مترجمہ جناب مولانا سید سمیع حسن صاحب ملا فاضل ، مولوی فاضل ، ممتاز الا فاضل - ملنے کا پتہ : انجمن مؤید العلوم ، مدرسۃ الاعظم لکھنؤ - قیمت ایک روپیہ ، حجم تقریباً ۲۰۰ صفحے - لکھائی ، چھپائی ، کٹھن متوسط - سائز ۲۰ × ۲۶)



مصحف الدائرۃ علم عروض و تانیہ کی مشہور اور نہایت مقبول عربی کتاب ہے جو مصر میں کئی بار چھپی اور ہندوستان کے کئی سرکاری و غیر سرکاری مدارس کے نصاب عربی میں شامل ہے۔ یہ ایسی کتاب کا ترجمہ ہے جو لکھنؤ کے مشہور عالم نے کیا ہے ، ترجمہ صحیح عمدہ ہے لیکن انفرادی قدامت لئے ہونے کے سبب اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا نے بالکل لفظی ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سبب سے لطف مہارت جاتا رہا ہے۔ یونکو یہ فن ہی نہایت خشک ویں سہ اور غیر ضروری پھر اس کی اصطلاحات نہایت ہی غیر دل چسپ اور اس کے قواعد میں گنجلک اور الجھاڑ ہے۔ تاہم طلباء عربی اور ان طلباء کے لئے خاص کر جو سرکاری یونیورسٹیوں میں عربی کے امتحانات دیتے ہیں۔ یہ ترجمہ بہت کار آمد اور معین ثابت ہوگا۔ بڑی خوبی یہ ہے کہ ترجمہ حامل المتن ہے۔ اوپر کے نصف صفحے میں اصل عربی ہے۔ اور نیچے کے نصف صفحے میں ترجمہ۔ ضرورت مند طلبہ اور عروض کے شائقین ضرور اس سے فائدہ اٹھائیں۔



آل اندیا مشاعرہ

(مرتبہ احسن صاحب سارھروی۔ لکچرار اردو انٹرمیڈیٹ کالج مسلم یونیورسٹی غلی کڈہ - لکھائی ، چھپائی عمدہ - سائز ۲۰ × ۳۰ - قیمت بارہ آنے - حجم ۱۰۰ صفحے)



خواہان اردو ، انٹر میڈیٹ کالج علی کڈہ میں اردو کی ایک ادبی انجمن ہے۔

جس کے روح رواں کالج کے اردو پروفیسر جناب احسن مارہروی ہیں۔ اس کی جانب سے سالانہ ایک آل انڈیا مشاعرہ ہوتا ہے۔ جس میں ہار کے شعرا اور دیگر ادیبان ذوق بھی شریک ہوتے ہیں۔ یہ دسمبر سنہ ۱۹۲۸ ع کے سالانہ مشاعرے کے کلام کا مجموعہ ہے، ابتدا میں جناب مرتب نے مختصر حالات اور ضرورت مشاعرہ و شعر و سخن پر تمہید لکھی ہے، اسی کے بعد جناب ملا دسوی صاحب بھرپالی نے اپنی خاص انداز میں مشاعرے کے حالات بہت تفصیل سے اور نہایت دلچسپ پڑاوی میں لکھ دیے ہیں پھر مشاعرے کی دونوں طرحوں اردو فارسی پر جو غزلوں پڑھی گئی تھیں ان کا انتخاب ہے۔ اس سال یہ جدت کی گئی تھی کہ مصرع طرح کے علاوہ ”عزہ“ - نفس و جذبہ بولی کا عنوان نظمیں لکھنے کے لئے دیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ نظمیں بھی شامل ملام عمدہ اور آج کل کے مذاق کا ہے اور مجموعی طور پر یہ کل دستہ دل چسپ دل دہیز ہر گویا ہے۔

مذہب و اخلاق

نغمہ اور اسلام

(مولفہ مولوی معتمد علی شاہ صاحب ’میٹھس‘ - میوہ کثرہ آکرہ -
 قہر مع بارہ آلے، سائز ۱۸ × ۲۲، لکھائی، چھپائی، کاغذ، متوسط - حجم ۷۳ صفحات)

—•—

یہ مختصر سا رسالہ جیسا کہ اُس کے نام سے ظاہر ہے، اس موضوع پر جناب مؤلف نے لکھکر شائع کیا ہے کہ اسلام میں گانا اور گانا سلنا جائز ہے یا نہیں، اور اسے اور مباح دل و شریعت کہا رتبہ دیتے ہیں جناب مؤلف نے نہ صرف احادیث و آیات توافقیہ سے اپنے مفید مطلب نتائج نکال کر نغمہ اور سماع کا جواز ثابت کیا ہے بلکہ اور بزرگانِ دین کے اقوال اور علماء کے تصانیف کے حوالے بھی دیکر نغمہ کو مباح اور جائز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے آخر میں تقلید اور وجد و حال پر بحث ہے، جن حضرات کو اس موضوع سے اختلافی یا اتفاقی حتمیت سے دل چسپی ہے وہ اس رسالے کو پڑھیں۔

تاریخ و سیر

افغان بادشاہ

مصلحت جذبہ محمد حسن خان صاحب بی اے - [علیگ] سابق رئیس
نسدریہ سات عمومی افغانستان یعنی دائرہ قزچہ لہلہ پبلک انسٹرکشن - مطبوعہ
لہورز پرنٹنگ ورکس ، سرکلر روڈ ، لاہور - قیمت دو روپے آٹھ آنے



یہ کتاب غازی امان اللہ خان سابق شاہ افغانستان کے حالات میں ہے جو
محمد حسن خان بی اے [علیگ] سابق صدر ناظم تعلیمات افغانستان نے تالیف
کی ہے۔ خان معروف نہایت قابل اور فاضل شخص ہیں اور انہوں نے امور حبیب اللہ
خان مرحوم اور شاہ امان اللہ خان کے عہد میں قابل قدر خدمات کی ہیں ،
خصوصاً تعلیم کی اشاعت و ترویج میں لائق تعریف کام کیا ہے۔ فاضل مولف نے امان اللہ
خان کے خصال و عادات، اُن کی روز مرہ کی باتوں، اُن کے مختلف ارشادات اور ان کی
گزراریوں کو نہایت خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ افسان
کی طبیعت اور دماغ کا اصلی جوہر جس طرح ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے کہلتا ہے وہ
بڑے بڑے کاموں سے نہیں معلوم ہوتا۔ اس کتاب کے پڑھنے سے امان اللہ خان کے حالات اور
خدا کی سچی قدر ہوتی ہے۔ معام ہوتا ہے کہ اس شخص میں اپنے ملک
کی مصمت کوٹ کوٹ کر بھری تھی اور اس کی یہ تمنا تھی کہ جس قدر جلد ممکن
افغانستان دنیا کے اعلیٰ متقدم ممالک میں سے ہو جائے۔ اس آرزو کے پورا کرنے کے لئے
اُس نے ہر طرح کے سامان کئے اور شب و روز ایک مزدور کی طرح سے کام کیا۔

امان اللہ عجیب دل و دماغ کا آدمی ہے۔ ملک کے ہر شعبے اور ہر محکمے میں
خود کام کرتا اور کوئی جزوی سے جزوی چیز بھی اس کی نظر سے نہ بچتی تھی۔
خصوصاً انہوں کی اشاعت سے اُسے خاصی شغف تھا۔ مدارس میں جاتا ، خود پڑھاتا ،
المعدان لیتا اور تعلیم کے سہل طریقہ ایجاد کرتا۔ ممالک غیر سے سامان فنی ہلا کر
مختلف فنون کے مدرسے قائم کئے۔ تعلیم نسوان کی اشاعت کی بھی اُسے ایسی ہی دہن
تھی جیسی مردوں کی تعلیم کی۔ اس کے علاوہ افغان لوگوں کو ممالک غیر میں تعلیم کے

لئے بھجوا اور اُن کے لئے وہی انتظام کیا جو اپنی اولاد کے لئے —

باوجودیکہ وہ سچا مسلمان تھا مگر کبھی مذہب و ملت کی تفریق روا نہ رکھا تھا اور ہندو، مسلمان، یہودی سب سے یکساں پرتاو کرتا تھا۔ اگر وہ مولانا محمود الحسن مرحوم کی فاتحہ خوانی میں شریک ہوتا ہے تو ملک مہاراج کی موت پر اُن کے جلسہ ماتم داری میں بھی اظہار غم کے لئے جاتا ہے اور اسی طرح معتمد کی مجلسوں میں شریک ہوتا اور حالات شہادت سنکر آنسو بہاتا ہے۔

اگرچہ امان اللہ خان اس وقت اپنے ملک سے جدا بہت دور پڑا ہے مگر اپنے ملک کے لئے جو مخلصانہ کوششیں اس نے کی ہیں وہ رائگان نہیں جانیں گی اور وہ بد نصیب قوم جس نے اُسے جلا وطنی پر مجبور کیا ایک روز اپنے کئے پر پچتائے گی اور اس کی صداقت، ایثار اور حب وطن کی قدر کرے گی —

فاضل مؤلف کو چونکہ زمانہ دراز تک افغانستان میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے اور شانہ روز بادشاہ سلامت کی صحبت کا شرف حاصل رہا ہے، اس لئے جس قدر واقعات اس میں درج ہیں وہ ان کی آنکھوں کے سامنے گزرے ہیں اور بالکل صحیح ہیں —

جن صاحبوں کو موجودہ افغانستان اور اس کے سابق بادشاہ امان اللہ کے حالات سے ذرا بھی دل چسپی ہے وہ اس کتاب کو شوق سے مطالعہ کریں گے اور اس کے مطالعے سے انکو خوشی ہوگی —

فاضل مؤلف بعض بعض جگہ عربی فارسی کے ثقیل اور فریب الفاظ لکھ گئے ہیں، جو بالکل اُن کے قیام کابل کا نتیجہ ہے —

ایشیا

(از جذبات ابرار حسینی قادری صاحب اہم - اے ' اہل ثنی
لکچرار مسلم یونیورسٹی علی گڑھ - تہمت ایک روپیہ آتھ آئے)

یہ کتاب ایشیا کے طبعی، سیاسی اور اقتصادی جغرافیے پر ہے۔ اب تک جو جغرافیے کی کتابیں عام طور پر اُردو میں لکھی گئی ہیں اور مدارس کے نصاب میں شریک ہیں، اُن میں اور اس کتاب میں بہت بڑا فرق ہے۔ یہ کتاب بعض جغرافی اسکا اور بعض خشک معلومات کا مجموعہ نہیں ہے جو دُلمے اور امتحان پاس کرنے کے لئے کار آمد ہوتا ہے بلکہ اس میں ایشیا کے ہر ملک کی طبعی، سیاسی اور معاشی

حالت بہت ہی شرمناک زبان میں 'دلچسپ طریقے' اس طرح بیان کی گئی ہے کہ طالب علم اور عام پڑھنے والے دونوں مستفید ہوسکتے ہوں۔ جغرافیہ کو بہت خشک مضمون کہا جاتا ہے مگر اس کتاب نے اسے دلکش بنا دیا ہے۔

کتاب کے آخر میں ایک نقشہ شامل ہے جس میں ایشیا کے خشکی اور قری کے رستے اور تقویم الزمات کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ چند فسیحے اور تفسیریں ہیں۔ پہلے فسیحے میں دنیا کی طبعی خطوں کی تقسیم ہے جس سے دنیا بھر کی طبعی تقسیم نظر کے سامنے آجاتی ہے۔ دوسرے فسیحے میں علامہ ابن خلدون کے مقدمہ تاریخ سے اس حصے کا اقتباس دیا ہے جس میں علامہ اندر یسی (چھٹی صدی) نے ایشیا کی جغرافیہ کھلیک بیان کی ہے۔ اس کے بعد ذرائع آمد و رفت، سکہ جات، گوشوارہ تجارت، جدول مرض البدن و طول البلد کے تفسیر ہیں۔



عصر قدیم

(مرتبہ مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی مرحوم - ملنے کا پتہ : دلگداز پریس، کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ - حجم ۲۲۰ صفحے - قیمت ایک روپیہ چار آنے - لکھائی، چھپائی، گانڈ متوسط - تقطیع ۲۴-۲۰)



مولانا شرر مرحوم کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ان کی تمام تر زندگی علم ادب اور زبان کی خدمت میں گزری ہے اور آخر وقت تک وہ برابر کچھ نہ کچھ لکھتے رہے ہیں۔ یہ کتاب ان کی مشہور اور مستند تاریخی تالیف ہے جسے عہد سلف کی مختصر اور جامع تاریخ کہنا چاہئے۔ اس میں مولانا نے تخلیقی عالم کی ابتداء سے لیکر حضرت مسیح کی ولادت تک کے دنیا کی تمام فاتح اور معتمد و ترقی یافتہ قوموں کے واقعات نہایت سلیقے اور ترتیب کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ سہریا، بابل، مصر، فلسطین، یونان، روم وغیرہ الوام قدیم کے اجمالی حالات درج ہیں۔ ہر وہ کہ یہ کتاب ایک بیسی بیس تاریخی فضا ہے، ہر لکھنوی اور کتب خانے میں ہونا چاہئے بلکہ ہر پڑھنے والے کے مطالعے کی چیز ہے۔ کتاب کی خوبی کے لئے خود مولف کا نام کافی

ہے۔ اس کے علاوہ یہ ملک میں کافی مقبولیت حاصل کر کے اب دوبارہ شائع کی گئی ہے۔ تاریخی ذوق رکھنے والوں کے لئے از بس دل چسپ اور قدیم تاریخی حالات کے لئے اچھی چیز ہے۔

مسلمان قاجداران ہند

مولانا حکیم محمد سراج الحق صاحب ایڈیٹر مسکن سلج، مطبوعہ
دلکداز پریس لکھنؤ۔ قیامت فی جلد آتھ آئے۔ لکھائی چھپائی، کفایت افنی
درجے کا سائز ۲۰ - ۳۰ - ۱۶ حجم حصہ اول جلد دوم ۱۲۰ صفحات۔ حجم
حصہ سوم جلد اول ۹۶ صفحات

—*—

حکیم سراج الحق صاحب، مولانا غرر مرحوم کے دلکداز پریس کے مدیر اور مرحوم
کے کتابوں کے ناشر و طابع کی حیثیت سے مدت سے اردو کی قابل قدر خدمات انجام دے رہے
ہوں، اور اب انہوں نے خود بھی تالیف و تصنیف کے خار زار میں قدم رکھا ہے۔ اُن
کی دو کتابیں جو جدید شائع ہوئی ہیں ہمارے پیش نظر ہیں یہ ایک ہی سلسلے
کی دو کتابیں ہیں۔ پہلا حصہ، دوسری جلد کا ہندوستان کے مہرور و نامور شہنشاہ
جلال الدین اکبر کے سوانح حیات پر مشتمل ہے۔ ہمارے ابی بابر کے حالات سے شروع
ہوتا ہے۔ بیان صاف و سادہ ہے۔ اور حالات کے انتخاب میں حلیقے سے کام لیا گیا ہے،
تیسرا حصہ جلد اول کا، کتاب کے ساتویں باب سے شروع ہوتا ہے اس میں تیسرے حصے
کے بعد سے خاندان شہر شاہ کے آخر عہد تک کے تمام واقعات ہیں۔ ہندوستان میں
مسلمانوں کے آنے اور حکومت کرنے کی مجمل مگر کارآمد تاریخ ہے۔ ہمارے ہندوستان کی
تاریخ کے نصاب میں داخل کی جائے تو بہتر ہے، ہمارے خیال میں یہ پورا سلسلہ
مفید ہوگا اور مکمل کتاب نہایت کار آمد و ضروری ہوگی۔

متفرق

دیوت آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کیشنل کانفرنس علی گڑھ منعقدہ دسمبر سنہ ۱۹۲۸ء

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ یہ دیوت اسی کے اکتالیسویں سال کے جلسے کی روداد ہے۔ جو دسمبر کے آخر میں بمقام اجپور شریف منعقد ہوا تھا اور سکریٹری صاحب کے حسب ہدایہ دیوت اب ہائے ہوئی ہے، کانفرنس کا یہ پہلا اجلاس تھا جو صوبہ اجپور و مہوار میں ہوا۔ ڈاکٹر شاہ مصطفیٰ سلیمان اہم اے۔ جیج ہائی کورٹ الہ آباد اس کے صدر تھے۔ تقریباً سات صدھوں میں جناب صدر کا معرکہ آرا اور زبردستی خطبہ صدارت ہے جس میں بیسے قیمتی مشورے مسلمانوں کی بہبودی اور تعلیمی ترقی پر دیے گئے ہیں، پھر اس کے رزولوشن (تجاویز) ہیں، تجاویز کے بعد سال بھر کی دیوت اور چندہ دیلمے والوں کی فہرست ہے۔ ان سب کو ملا کر یہ دیوت دو تین سو صفحات تک پہنچ گئی ہے۔ لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ متوسط، حجت تقریباً دو سو صفحات۔ صدر دفتر کانفرنس حلقہ جہاں منزل علی گڑھ سے ملتی ہے۔

اُردو کے جدید رسالے

مجلد مکتبہ

(افجسی امداد باہمی مکتبہ ابراہیمہ حیدرآباد دکن - قیمت سالانہ چار روپہہ)
مکتبہ ابراہیمہ حیدرآباد اردو کتب کی اشاعت کا بہت اچھا کام کر رہا ہے اور یہ
ماہوار رسالہ بھی اسی مکتبہ کی جانب سے شائع ہوتا ہے - اس رسالے میں زیادہ تر ادبی
اور علمی مضامین ہوتے ہیں - دکنی تصانیف کے متعلق اکثر مضامین درج ہوتے رہتے ہیں
حیدرآباد کے ممتاز علمی رسالوں میں سے ہے اور بہت سی مضامین اس میں عالمانہ شان کے
شائع ہوتے ہیں - اس کے مدیر مولوی محمد عبدالقادر صاحب سدوزی ایم۔ اے، ال۔ ال۔ ہی
ہیں جو اسے سلیقہ اور سعادت سے مرتب کرتے ہیں —

چھستان

(از امونسر، ایڈیٹر محمد افضل خان، سید ظفر
ہاشمی - چلندہ سالانہ دو روپے - فی پرچہ تین آنے حجم ۲۴
صفحات سائز ۲۰ × ۲۶ لکھائی چھپائی متوسط - بانسپور)

لاہور سے جس قسم کے اُردو ادبی رسالے آئے دن نکلتے رہتے ہیں - یہ بھی
اسی طرح کا ایک ماہانہ رسالہ ہے - جس میں زیادہ تر فسانے، غزلوں اور نظمیں ہوں -
ایک آدھ اور مضمون بھی ہے - اور دو تصویریں ہوں - ایک رنگین ”نخچہ صہاد“
نہایت دل فریب تصویر ہے اور دوسرے جون آف آرک کی ہے، جو بہت پامال ہے اور ہارھا
چھپ چکی ہے - مضامین متوسط درجے کے ہیں - کوئی اہم اور قابل تذکرہ نہیں -
افسانوں سے جو حضرات ذوق شوق رکھتے ہیں وہ یہ پرچہ بھی منگوا کر دیکھیں -

(ایڈیٹر سید محمد حسین صاحب ، کوثر ، کانپوری ، ملنے
 کا پتہ بازار رام نرائن کانپور - قیمت سالانہ تین روپے -
 حجم ۳۲ صفحات ، سائز ۲۰ × ۲۶ کاغذ اور لکھائی چھپائی متوسط)

—*—

یہ مذہبی رسالہ بھی نہا نکلتا شروع ہوا ہے۔ اور پہلا ہی فمبر ہمارے سامنے ہے
 اس کے مقاصد یہ ہیں کہ اہل اسلام اُن نکات و رموز حکیمانہ سے واقف ہوں جو
 قرآن مجید اور احادیث میں موجود ہیں ، کسی فرقہ اسلام کی دل آزاری مقصود نہیں“
 ہمارے یہاں ایسے رسالے کم نکلتے ہیں جنہوں نے ایذا کوئی خاص مقصد قرار دیا ہو بلکہ
 زیادہ تر فقہر کے کچھول کی حیثیت رکھتے ہیں مگر یہ خالص مذہبی رسالہ ہے اور بڑی
 بات یہ ہے کہ دل آزاری سے اس کا دامن پاک ہے۔ اس نہج میں پانچ مضمون ہیں -
 علوم اللہ خاص ایڈیٹر صاحب کا دوسرا الاخلاق - تیسرا امام پنجم امام ہاقر پر چھٹا اور
 ساتواں احسان اسلام و خصوصیات اسلام پر ہیں - اپنے مقاصد کے لحاظ سے درجہ بندیست ہے
 اور شیخیت غالب ہے -

—*—

اردو

سنہ ۱۹۲۹ ع

نویں جلد

انجمن ترقی اردو اور نگ آباد (دکن)

کا

تہ ماہی رسالہ

اُردو

سنہ ۱۹۲۹ ع

نویں جلد

فہرست مضامین

(الف) مقالے

فہرست	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	خواجہ حافظ شیرازی	جناب بشیر احمد (تار) متعلم بی اے -	
		۱ سلامیہ کالج لاہور	۱
۲	مولانا وحید الدین سلیم مرحوم	ایڈیٹر	۳۲
۳	آفتاب ادب کا غروب	جناب مولوی سید سراج الحسن ترمذی صاحب	۳۷
۴	ایک وصیت کی تعمیل	جناب مرزا فروخت اللہ بیگ صاحب بی اے -	۵۵
۵	نستعلیق قائب	جناب مرزا رفیق بیگ صاحب	۶۷
۶	سعدی	جناب سید حسن برفی صاحب بی اے، ال، بی اے	۱۱۳
۷	قدیم اُردو	ایڈیٹر	۱۲۴
۸	مقدمۃ السنۃ عالم	ارسی لے و مارسل کوہن	۱۳۱
۹	مرزا فوشہ غالب کا آخری خط	ایڈیٹر	۱۷۷
۱۰	دکھنی کا اثر شمالی ہند پر	جناب مولوی سید محمد علی الدین قادری صاحب زور	۱۸۰
۱۱	اُردو کا ایک سندھی شاعر	جناب معہود احمد صاحب عیاسی	۱۹۱
۱۲	عطارد	جناب سید حسن برفی صاحب بی اے، ال، بی اے	۱۹۶

صفحہ نمبر	مضمون نگار	مضمون	نمبر شمار
۱۳	جناب سید محمد حفیظ صاحب بی اے بی ٹی	قاضی محمود بھری (صوفی شاعر)	۱۳
۲۱۴	لکچرار الہ آباد یونیورسٹی	اور اُن کا کلام	
۲۴۵	ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب پی ایچ ڈی	مقدمہ فاؤسٹ	۱۴
	جناب محمد عبدالقادر سروری صاحب ایم اے	باقر (آکا)	۱۵
۲۸۱	ال ال بی		
۳۲۸	جناب صفدر مرزا پوری صاحب	اساتذہ کی اصلاحیں	۱۶
۳۶۹	مترجمہ جناب محمد عبدالباسط صاحب بی اے	خطبات کا رساں دتاسی	۱۷
۳۸۱	جناب مولوی سید معی الدین قادری صاحب	دکھنی سرٹھیے ایڈنبر ۱ میں	۱۸
	جناب محمد حفیظ (سید) صاحب بی اے بی ٹی	کبیر	۱۹
۴۱۳	لکچرار الہ آباد یونیورسٹی		
۴۲۹	جناب مرزافدا علی صاحب خنجر لکھنوی	اُردو کے ان پڑے شاعر	۲۰
	مولوی محمد حسین صاحب ایم اے	انسان نے ہوانا اور لکھنا کی ساسی کھا	۲۱
۴۵۲	صدر مدرس مدرسۂ فوقانیہ عثمانیہ بیدر		
۵۱۹	ایڈیٹر	مقدمہ چہستان شعرا	۲۲
۵۴۰	ایڈیٹر	قدیم اُردو (حسن شوقی)	۲۳
۵۹۳	جناب حاجی احمد فخری صاحب	دور تراجم	۲۴
	جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب	حافظ عبدالرحمن خان احسان	۲۵
۶۵۹		(صمصام الدولہ شاہ مست جنگ دہلوی) بی اے دہلوی	
	جناب کشن پرشاد صاحب کول مہر	ایٹار (فسانہ)	۲۶
۷۵۱	سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی لکھنؤ		
۷۶۲	جناب نور الہی و محمد عمر صاحبان	سی پنوں	۲۷

(ب) نظمیں

نمبر	مضمون	مضمون نگار	صفحہ نمبر
۱	معصومیت	جناب اختر شیرانی صاحب ادیٹر	
		”بہارستان“ لاہور	۳۱۹
۲	ترچوں نگاہیں	جناب معہد یسپی صاحب ’تسکین‘ سوری	۳۲۹
۳	حضرت کیفی کی دو نظمیں	جناب پنڈت برجپوہن ناتھ دتاترے	
		صاحب ’کیفی‘ دہلوی	۵۱۵
۴	(باد کھن) مرزا غالب کی		
	ایک غہر مطبوعہ غزل		۵۳۸

مبصر

صفحہ	نام کتاب	صفحہ	نام کتاب
			ادب
۵۶۳	ناتک کتھا	۱۵۹	مضامین چک بست
۵۶۳	پرواز خیال	۱۶۱	لسان و مطالعہ لسان
۵۶۴	دنیاے افسانہ	۱۶۲	طرز امیر
۵۶۵	اوتاروں کے قصے	۱۶۳	غالب
۵۶۵	اُردو معانی	۱۶۷	بلقیس
۵۶۶	ہزار داستان - علی بابا، چالیس چور	۱۶۷	کلیات وطن
۵۶۷	کرو سو سیاح	۳۵۵	پیام روح
۵۶۷	وفس کا سیاح	۳۵۶	آئندہ مٹھہ
۵۶۷	خط لائقین برائے فارسی	۳۵۷	ماہ نو
۵۶۹	فیضان شوق	۳۵۷	محاورات اُردو
۵۸۱	عناصر اربعہ رباعی (فارسی)	۳۵۸	کلیات وفا
۵۸۱	غالب اور اُس کی شاعری	۳۵۹	تالی کا جوگ
۷۹۱	سیر المصنفین جلد دوم	۳۵۹	واقعات عالم
۷۹۲	تاریخ ادب اُردو	۳۶۳	قوم پرست طالب علم
		۵۶۲	ساندھو اور بیسوا

۵۸۴	مزارات حرمین	۷۹۳	منتخبات عود ہندی
۵۸۵	حیات جلیل	۷۹۳	ادبی خطوط غالب
۷۹۸	افغان بادشاہ	۷۹۴	اُردو معاورات و ضرب الامثال
۷۹۹	ایشیا	۷۹۵	فغان درد
۸۰۰	عصر قدیم	۷۹۶	عروض النجۃ السائرۃ
۸۰۱	مسلمان تاجداران ہند	۷۹۶	آل انڈیا مشاعرہ

اخلاق و مذہب

تعلیم

		۱۶۸	حزب اللہ
۱۶۹	اُردو کا قاعدہ	۱۶۹	تصفیٰ خادم خلق
۱۷۰	مبادی نباقات	۵۸۲	اسلام اور غیر مسلم
۳۹۴	جدید افگلش ٹیچر	۷۹۷	نغمہ اور اسلام

تاریخ و سیر

۵۸۲	بچوں کا دستور العمل / یا سیرت و کردار	۱۷۰	وقائع عالم گیر
۵۸۳	فلسفہ رنج و راحت		ہندوستان کے از منہ وسطیٰ
۵۸۳	معیار الاخلاق - عربی	۱۷۱	کے معاشرتی حالات
۵۸۴	گالے بیل	۳۵۹	سفیر اودہ
۵۸۴	ظریف معلم جلد اول و دوم	۳۶۰	جمال الدین افغانی
		۳۶۱	ہربوں کا تہذیب
		۳۶۱	ذکر علی
		۳۶۲	یورپ کا دستور حکومت حصہ اول
۱۷۲	آل پارٹیز کانفرنس کی رپورٹ	۳۶۲	سلاطین، مخبر

متفرق

۳۶۷	مقنن	۱۷۳	مادر ہلد
۳۶۸	مشاعرۃ	۱۷۳	فارسی بلگرام
۵۸۶	ادبی دنیا		رپورٹ آل انڈیا
۵۸۹	پیام تعلیم	۱۷۴	کانفرنس علی گڑھ متعلق اجلاس جہلم
۵۸۹	مبصر	۳۶۳	انقلابہ
۵۸۹	انکشاف	۲۶۴	کوہستان کانگریز کی دلفریب وادی
۵۸۹	خضر راز		رپورٹ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل
۵۹۰	کامیابی	۸۰۲	کانفرنس منعقد ۲۵ ستمبر سنہ ۱۹۲۸ ع
۵۹۱	امداد باہمی		اردو کے جدید رسالے
۵۹۱	ایجوکیشنل گزٹ		
۵۹۲	رسالہ کیمیکل سوسائٹی	۱۷۴	فردوس
۵۹۲	مسیمعے زمان	۱۷۵	کیہیا
۸۰۳	مجلہ مکتبہ	۳۶۵	تاریخ
۸۰۳	چمنستان	۳۶۶	نوشیروان
۸۰۴	الہادی	۳۶۶	مبصر
		۳۶۷	جام جہاں نما



انجمن کے مطبوعات

— (چمنستان شعرا) —

ایک قدیم و نایاب اردو زبان کے شاعروں کا تذکرہ ہے، جو انجمن ترقی اردو نے نہایت اہتمام سے شایع کیا ہے، اور اس کی تصحیح و ترتیب میں نہایت محنت و کوشش سے کام لیکر ایک دل چسپ و محققانہ مقدمے کے ساتھ چھاپا ہے۔ تذکرے کے مولف (دکن) کے مشہور مورخ و تذکرہ نویس لالہ لچھوی نرائن ' شفیق و صاحب ' ہیں۔ سنہ ۱۱۷۲ھ میں یہ تذکرہ قالیف ہوا، اور دنیا میں اس کا صرف ایک نسخہ ہی پایا جاتا تھا۔ عالی جناب مولوی عبدالحق صاحب ہی اے۔ سکریٹری انجمن ترقی اردو کا مقدمہ بھی قابل دید ہے۔ حجم تقریباً ۶۰۰ صفحے۔ جلد نہایت اعلیٰ قسم کی، قیمتیں مجلد پانچ روپے آٹھ آنے سکے انگریزی، فہر مجلد چار روپے بارہ آنے سکے انگریزی —

— (مغزون نکات) —

یہ اردو شعرا کا نایاب تذکرہ ہے۔ مصنفہ شیخ محمد قیام الدین ' قائم ' چاند پوری۔ شروع میں مولوی عبدالحق صاحب ہی۔ اے آنریری سکریٹری انجمن ترقی اردو کا ایک مقدمہ ہے، جس میں اس تذکرے پر مفصل تبصرہ کیا گیا ہے اور آخر میں قائم کے کلام کا انتخاب بھی دیدیا ہے۔ قیمت فی جلد مجلد تیرہ روپیہ —

— (ذکر میر) —

ہندوستان میں کون ایسا صاحب ذوق ہوگا جو اردو کے خدائے سخن حضرت ' میر ' کے نام اور کلام سے نا آشنا ہو، ان کے کلام کا پاکیزہ انتخاب مرمہ ہوا کہ انجمن

الہہ ————— تہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(فوت : کل قہمتیں سکھانگریزی میں ہیں)

نے شائع کیا تھا جو ملک میں بہت مقبول ہوا اور کئی بار چھپ چکا ہے ۔ اب خاص اہتمام سے سیر صاحب کی یہ نادرۃ روزگار سوانح معربہ طبع کی گئی ہے جو خود انہوں نے پر سوز و گداز قلم کی تراش ہے ۔ جس میں انہوں نے اپنے حالات زندگی اور اس وقت کی فضا نیز آخری دور مغلیہ کی تصویر نہایت دل کش انداز سے کھینچی ہے ۔ انجمن نے اپنے مخصوص و خواص نمائندہ مہنوں چھاپی ہے ۔ شروع میں جناب مولوی عبدالحمید صاحب مدظلہ معتمد انجمن کا مقدمہ بجائے خود قابل دید اور کتاب کی جان ہے ۔ جلد خوب صورت ، حجم ۱۸۰ صفحے ، قیمت دو روپے ۔

— (بزم مشاعرہ) —

گذشتہ سال ماہ تہ (مئی و جون) میں عالی جناب مہاراجہ کھن پرشاد ، شاد ، مدظلہ العالی صدر اہم دولہ آصفیہ دکن نے اورنگ آباد میں شرف ورود فرمایا تھا ۔ جناب محترم کی تشریف آوری پر اور دل چسپ جلسوں کے علاوہ ایک نہایت پر تکلف ، شاندار شاعرہ بھی حضرت موصوف کی صدارت میں بمقام مقبرہ ہوا ۔ اس شاعرہ کا گلدستہ نہایت خوش نما ، نظر فریب دو رنگوں میں طبع کیا گیا ہے ۔ شروع میں جناب صدر مدظلہ کی پاکیزہ تصویر اور جناب معوی صدیقی کے قلم کا دل پذیر دیباچہ بھی قابل دید ہے ۔ سر ورق بھی خوب صورت اور شاددار ہے ۔ آخر میں وہ قصائد بھی شامل کر دیے گئے ہیں جو اورنگ آباد کالج میں پڑھ گئے تھے ۔ نفاسی پسند ارباب ذوق کے لئے بہت تھوڑی تعداد میں یہ گلدستہ طبع ہوا ہے ۔ قیمت آٹھ آنے ۔

— (تاریخ اخلاق یورپ) —

اس کتاب کے اصل مصنف پروفیسر لوکی کا نام علم و تبصر ، تصدیق و صداقت کا موافق ہے ۔ یہ کتاب کئی ہزار برس کے تمدن ، اصول اخلاق ، مذاہب و خیالات کا مرقع ہے ۔ مترجم مولوی عبدالماجد صاحب بی ۔ اے ، جلد اول مجلد ۳ روپے ، جلد دوم مجلد دو روپے ۸ آنے ۔

الہہ ————— تہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ: کل نوستیں سکھ انگریزی میں ہیں)

— (ہماری شاعری) —

مولوی سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب، ایم۔ اے پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی نے رسالہ اردو میں شاعری پر ایک مضمون تحریر فرمایا تھا جو عام طور پر بہت پسند کیا گیا تھا۔ اب رضوی صاحب نے اس میں بہت کچھ اضافہ کر کے کتابی صورت میں کردیا ہے۔ اور انجمن ترقی اردو نے نہایت عمدہ طور پر یہ کتاب طبع کرائی ہے۔ پورے کپڑے کی خوشنما جلد ہے۔ حجم دو سو صفحے، قیمت دو روپے۔

— (کلیات ولی) —

ولی دکنی کے نام سے کون اردو دان واقف نہ ہوگا۔ اسے اردو شاعری کا بار آسم کہتے ہیں اور یہی گویا ہماری شاعری کا قدیم اور ممتاز ترین علم برادر ہے۔ اس کا کلام اس زمانے کی زبان اور شاعری کا بہترین اور کامل مرقع ہے۔
یہ کلیات جذبات، احسن، مازہروی نے نہایت محنت اور قابلیت سے مرتب کیا ہے۔ اور انجمن ترقی اردو کے جدید ترین مطبوعات میں ہے۔ آپ تک ولی کے جو دیوان کہیں کہیں چھپے اور ملتے ہیں۔ اکثر غلط اور نامکمل ہیں۔ یہ کلیات ۱۷ - ۱۸ قدیم، قلمی، نایاب نسخوں سے مقابلہ اور تصحیح کر کے کئی سال کی لگا تار محنت و کاوش سے مرتب کیا گیا ہے۔

اس نادار الکلام استاد کا کلیات تقریباً تمام اصناف سخن پر جاری اور چار سو صفحوں پر پھلا ہوا ہے۔ شروع میں مرتب صاحب کا ایک بسوط اور قابل قدر مقدمہ ہے، جس میں موصوف نے صاحب دیوان کے حالات و سوانح نہایت تحقیق اور کمال محنت سے فراہم کر کے جمع کئے ہیں اور کلام پر تبصرہ بھی فرمایا ہے۔

کلیات کے آخر میں ایک بسوط فرهنگ ہے، جس میں ان تمام قدیم، متروک، اچھلی، ہلدی، دکنی الفاظ کا حل ہے جو کلام ولی میں جا بجا آئے ہیں۔ آخر میں پورے دو سو صفحے کا ایک شہسہ اختلاف نسخہ ہے، جو نہایت محنت و عرق ریزی سے مرتب کیا گیا ہے، اس میں تمام نسخوں سے مقابلہ کرنے پر جو اختلاف نظر آیا ہے،

الہہ ————— تہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکے انگریزی میں ہوں)

دیوان کی ہر غزل کے نمبر کا حوالہ دے کر بتا دیا ہے۔ یہ سہید ارباب فن و تحقیق کے لئے خاص طور سے قدر کی چیز ہے۔ اور کئی سہ ماہ کی مسلسل محنت سے تیار ہوا ہے۔ ان تمام خوبصورتوں کے علاوہ انجمن نے اپنے مشہور عمدہ ٹائپ میں مضبوط سفید چمکے کاغذ پر طبع کیا ہے، قابل دید اور اس لائق ہے کہ ہر لائبریری اور قدر دانانِ اردو کے ہر کتب خانے میں اس کا ایک نسخہ موجود رہے۔ حجم تقریباً آٹھ سو صفحات، قیمت مجلد ۵ روپے، غیر مجلد ۴ روپے۔

— (مثنوی خواب و خیال) —

حضرت میر درد دہلوی (رح) کے چھوٹے بھائی میر اثر کی یہ لا جواب مثنوی نہایت نہیں، بہت کوششوں کے بعد خوش نصیبی سے انجمن ترقی اردو کو دستیاب ہو گئی، اور اب خاص اہتمام کے ساتھ عمدہ ٹائپ میں اعلیٰ درجے کے کاغذ پر، طبع کی گئی ہے، جس پر انجمن کے فاضل معتمد جناب مولوی عبدالحق صاحب نے ایک زبردست ناقدانہ مقدمہ تحریر فرما کر اس مثنوی کے خصوصیات اور محاسن کو نمایاں کیا ہے۔ یہ مثنوی آج تک ناپید تھی، تذکروں میں کہیں کہیں اس کا ذکر آ جاتا ہے، حضرت میر درد کے اشعار اور کلام کے علاوہ اس میں مصنف کی غزلوں بھی جا بجا ہیں، جو قابل دید اور نہایت پاکیزہ ہیں۔ یہ مثنوی اردو میں ایک قابل قدر اضافہ اور قدر دانانِ اردو کی خدمت میں انجمن کا جدید علمی ہدیہ ہے، جلد بھی مضبوط عمدہ اور جدید طرز کی بنوائی گئی ہے۔ حجم دو سو صفحے سے زائد، قیمت مجلد دیوہ روپیہ۔

— (انتخاب کلام میر) —

ملک الشعرا میر تقی میر کے نام اور کلام سے کون قدر دانِ اردو واقف نہیں، یہ انہیں کے کلام کا بہترین انتخاب ہے جو جناب مولوی عبدالحق صاحب معتمد انجمن ترقی اردو نے کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سارے کلامیات کا علم رکھنے لیا ہے، یہ انتخاب ملک میں بہت مقبول ہو چکا ہے اور کئی یونیورسٹیوں نے اپنے نصابِ تعلیم میں شامل کر لیا ہے۔

الہہ ————— تہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکہ انگریزی میں ہیں)

مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اب تیسری بار انجمن ترقی اردو پریس نے اپنے مشہور ' نفیس ٹائپ ' میں چھاپ کر شائع کیا ہے ۔ ' گلد چگنا ' نہایت عمدہ ۔ حجم دو سو صفحات سے زیادہ ، جلد نفیس اور مضبوط ۔ شروع میں فاضل مرتب کا زبردستی و دلچسپ مقدمہ ہے ۔ قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے —

— (قواعد اردو) —

یہ کتاب جناب متعدد صاحب انجمن ترقی اردو کی بھش بہا تالیف ہے بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ زبان اردو کے قواعد پر اب تک اس سے بہتر ، ' سہل ' جامع کتاب تصنیف نہیں ہوئی ۔ ملک میں بیحد پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی اور نہایت مقبول ہوئی ہے ۔ جامعہ عثمانیہ کے نصاب ایف اے میں داخل ہے ۔ اب جناب مولف و مرتب کی بھش کاوش اور غور سے نظر ثانی ، ترمیم و اضافہ کے بعد دوبارہ چھاپی گئی ہے ۔ شروع میں اردو زبان اور اس کے ادب پر لا جواب بسط مقدمہ بجائے خود قابل دید ہے ۔ انجمن نے اپنے پریس میں عمدہ ٹائپ میں چھپوائی ہے ۔ گلد بہت عمدہ ، جلد نہایت نفیس اور مضبوط ، قیمت مجلد دو روپے ۸ آنے —

— (جاپان اُس کا تعلیمی نظم و نسق) —

سرکار نظام نے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی کو جاپان کے تعلیمی نظم و نسق کے مطالعے اور تحقیق کے لئے بھیجا تھا ۔ نواب صاحب موصوف نے وہاں رہ کر اس عجیب و غریب ملک کے حالات اور خاص کر تعلیمی نظم و نسق کو نہایت غور و تحقیق سے مطالعہ فرمایا ۔ کتاب کے ابتدائی حصے میں جاپان کی تاریخ اور اس کی ترقی کے اسباب پر نہایت دلچسپ اور فاضلانہ بحث کی ہے ، جو ہمارے اہل وطن کے لئے سبق آموز ہے ۔ اردو میں یہ پہلی کتاب ہے جو جاپان پر اس طور میں لکھی گئی ہے ۔ ہر مذهب وطن کا فرض ہے کہ اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھے جو علاوہ دلچسپ ہونے کے پر از معلومات بھی ہے ۔ خاص کر ان لوگوں کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے جو ملک کی تعلیم سے دلچسپی اور تعلق رکھتے ہیں ۔ حجم ۴۸۲ صفحات قیمت فی جلد مجلد تین روپے —

الہش ————— تہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ: کل قیمتیں سکے انگریزی میں ہیں)

— (سرگزشت حیات (یا) آپ بیتی) —

اس کتاب میں حیات کے آغاز اور اس کے نشو و نما کی داستان فہایت دلچسپ طرز پر بہت ہی سلیس زبان میں بیان کی گئی ہے۔ حیات کی ابتدائی حالت سے لہکر اس کا ارتقا انسان تک پہنچایا گیا ہے اور تمام تاریخی مدارج کو اس سہل طریقے سے بتایا ہے کہ ایک معمولی بچہ لکھا آدمی بھی سمجھ سکے۔ اگرچہ جدید علمی تحقیقات بھی اس میں آگئی ہیں مگر بیان کی سلاست میں فرق نہیں آیا۔ یہ کتاب جدید معلومات سے لبریز ہے اور ہر شخص کو اس کا مطالعہ لازم ہے۔ حجم ۳۰۰ صفحے، قیمت فی جلد مجلد ۲ روپے ۸ آنے۔

— (تذکرہ شعراء اردو) —

میر حسن کے نام سے کون واقف نہیں۔ ان کی مثنوی 'بدر مہر' کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ہی اردو کی کسی اور کتاب کو نصیب ہوا ہو۔ یہ تذکرہ اسی مقبول اور نامور استاد کی تالیف ہے۔ یہ کتاب بالکل نایاب تھی، بڑی کوشش سے ہم پہنچا کر طبع کی گئی ہے۔ میر صاحب کا نام اس تذکرے کی خوبی پر کافی شہادت ہے۔ شروع میں مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی کا ایک محیط نقادانہ اور عالمانہ تبصرہ ہے۔ قیمت فی جلد مجلد ایک روپہ ۱۴ آنے، ہر مجلد ایک روپہ ۶ آنے۔

— (تاریخ تمدن) —

سر تھامسن بکل کی شہرہ آفاق کتاب کا ترجمہ ہے۔ الف سے (ی) تک تمدن کے ہر مسئلے پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی اسناد سے کام لیا گیا ہے۔ اس کے مطالعے سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ حصہ اول ہر مجلد ایک روپہ ۸ آنے۔ مجلد دو روپے - حصہ دوم مجلد دو روپے -

الہہ

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(فوت : کل قیمتیں سکے انگریزی میں ہیں)

— (مقدمات الطبیعات) —

یہ انگلستان کے مشہور سائنس دان حکیم ہکسلے کی کتاب کا ترجمہ ہے جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہے۔ اس میں بظاہر فطرت کی بحث ہے، لیکن کتاب علم و فضل کا مرتع ہے۔ قیمت فہر مجلد ۲ روپے۔ مجلد ۲ روپے ۸ آنے۔

— (القول الاظهر) —

امام مسکوہ کی معرفۃ لآراء تصنیف (فوز الاصغر) کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب فلسفۃ الہدھن کے اصول پر لکھی گئی ہے اور مذہب اسلام پر انہیں اصول کو مطابقت کہا گیا ہے۔ قیمت فہر مجلد ۸ آنے، مجلد ایک روپیہ۔

— (القمر) —

قوانین حرکت و سکون اور نظام شمسی کی مباحث کے بعد چاند کے متعلق جو جدید انکشافات ہوئے ہیں، ان سب کو جمع کر دیا ہے۔ طرز بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہے۔ قیمت فہر مجلد ۱۰ آنے، مجلد ایک روپیہ۔

— (فلسفۃ تعلیم) —

ہر بہت اسپیکر کی مشہور تصنیف اور مسئلۃ تعلیم کی آخری کتاب ہے۔ فہر و فکر کا بہترین کارنامہ۔ والدین و معلم کے لئے چراغ ہدایت۔ تربیت کے قوانین کو اس قدر صحت کے ساتھ مرتب کیا ہے کہ کتاب انہماکی معلوم ہوتی ہے۔ اس کا نہ پوچھا کلام ہے۔ قیمت مجلد ۲ روپے، فہر مجلد ایک روپیہ ۱۲ آنے۔

— (دریائے لطافت) —

ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشاء اللہ خاں کی تصنیف ہے۔ اردو صرف و نحو اور محاورات اور الفاظ کی پہلی کتاب ہے، اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب و غریب نکات درج ہیں۔ قیمت مجلد ۲ روپے، فہر مجلد ایک روپیہ ۸ آنے۔

— (طبقات الارض) —

اس فن کی پہلی کتاب ہے۔ (۳۰۰) صفحات میں تقریباً جملہ مسائل علم ہند

الہش

انجمن ترقی اردو اور رنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکے انگریزی میں ہیں)

کئے ہیں۔ کتاب کے آخر میں انگریزی مصطلحات اور ان کے مرادفات کی فہرست بھی منسلک ہے۔ قیمت فیور مجلد ۲ روپے۔ مجلد دو روپے ۸ آئے —

— (مشاہیر یونان و روم) —

ترجمہ ہے۔ سیرت نگاری اور انشا پردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلم چلا آتا ہے۔ ادیبان عالم بلکہ شہسپیر تک نے اس چشمے سے فیض حاصل کیا ہے۔ وطن پرستی اور بے نفسی، مزم و جواں مردی کی مثالوں سے اس کا ہر ایک صفحہ معمور ہے۔ قیمت جلد اول فیور مجلد ۳ روپے۔ مجلد ۲ روپے جلد دوم ۲ روپے ۸ آئے —

— (اسباق الذہو) —

ملک کے ادیب کامل مولانا حمید الدین صاحب بی۔ اے کی تالیف ہے۔ اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا ہر ایک ضروری مسئلہ درج ہے۔ قیمت حصہ اول فیور مجلد ۶ آئے۔ حصہ دوم ۴ آئے —

— (علم المعیشت) —

اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی ایم۔ اے نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ معیشت پر یہ کتاب جامع و مانع ہے۔ مفہم و مشکل مسائل کو پانی کر دیا ہے، اس کے اکثر باب نہایت عجیب و غریب ہیں۔ اشتراکیت کا باب قابل دید ہے۔ حجم ۸۸۵ صفحے، قیمت مجلد ۵ روپے آٹھ آئے —

— (تاریخ یونان) —

یہ کتاب مطالب کے لحاظ سے مستند کتابوں کا خلاصہ ہے اور زبان کے لحاظ سے سادہ و شگفتگی کا نمونہ۔ اس کا نقطہ خیال خالصاً ہلدومتانی ہے۔ ایف اے کلاس کے طلباء جو یونان قدیم کی تاریخ سے گہرا تعلق ہیں، اس کتاب کو حد درجہ مفید پائیں گے۔ قیمت مجلد ۲ روپے —

المہ ————— تہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(قوت : کل قیمتیں سکے انگریزی میں ہیں)

— (رسالہ نہانات) —

اس موضوع کا پہلا رسالہ ہے۔ علمی اصطلاحات سے معرا - طلباء نہانات جس مسئلے کو انگریزی میں نہ سمجھ سکیں وہ اس رسالے میں مطالعہ کریں۔ قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنے۔

— (دیباچہ صحت) —

اس کتاب میں مطالعات صحت پر (مثلاً ہوا ، پانی ، غذا ، لباس ، مکان وغیرہ) سبوط اور دلچسپ بحث کی گئی ہے۔ زبان عام فہم اور پیرایہ مؤثر و دلپذیر ہے۔ ملک کی بہترین تصنیف ہے۔ اس کا مطالعہ کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قیمتی ثابت ہو گا۔ حجم ایک ہزار صفحے۔ قیمت مجلد چار روپے۔

— (نکات الشعراء) —

یہ اردو کا تذکرہ استدال الشعراء میر تقی مرحوم کی تالیفات سے ہے۔ اس میں بعض سے شعرا کے حالات بھی ملتے ہیں جو عام طور پر معروف نہیں۔ نثر میر صاحب کی رائیں اور زبان کے بعض بعض نکات پڑھنے کے قابل ہیں۔ مولانا محمد حمید الرحمن خاں صاحب شروانی صدرا الصدور اور مذہبی سرکار عالی نے اس پر ایک ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے۔ قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنے۔

— (فلسفہ جذبات) —

کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہے۔ جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زبانی اور وی کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ متعلمان افسانہ سے بہت مفید پائیں گے۔ قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے۔ فیروز مجلد دو روپے۔

— (وضع اصطلاحات) —

یہ کتاب ملک کے نامور انشا پرداز و عالم مولوی رحیم الدین سلیم مرحوم (پروفیسر عثمانیہ کالج) نے سالہا سال کے فہم و فکر اور مطالعے کے بعد تالیف کی ہے

الحش

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتوں سکے انگریزی میں ہیں)

بقول فاضل مولف ” یہ بالکل نیا موضوع ہے ۔ میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہے نہ ایشیا کی زبان میں “ ۔ اس میں وضع اصطلاحات کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور اس کے اصول قائم کئے گئے ہیں ۔ مخالف و موافق راہوں کی تمقید کی گئی ہے اور زبان کی ساخت اور اس کے عناصر و ترکیب ، مفرد و مرکب اصطلاحات کے طریقے سابقوں اور لاحقوں ۔ اردو مصادر اور ان کے مشتقات ۔ عرض سیکڑوں ، چھپ اور غلے بھٹیوں زبان کے متعلق آگئی ہیں ۔ اردو میں بعض اور بھی ایسی کتابیں ہیں جن کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ زبان میں ان کی نظیر نہیں ۔ لیکن اس کتاب نے زبان کی چیزیں مضبوط کر دی ہیں ۔ اور ہمارے حوصلے بلند کر دیے ہیں ۔ اس سے پہلے ہم اردو کو غلے زبان کہتے ہوئے جھجکتے اور اس کی آئندہ ترقی کے متعلق دعویٰ کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے ۔ مگر اس کتاب کے ہوتے یہ اندیشہ نہیں رہا ۔ اس نے حقیقت کا ایک نیا باب ہماری آنکھوں کے سامنے کھول دیا ہے ۔ تعداد صفحات (۳۵۵) قیمت سبجلد تین روپے ۱۲ آئے ۔

— (معائن کلام غالب) —

ڈاکٹر عبدالرحمن بجلوی کا معرکۃ النار مضمون ہے ۔ اردو زبان میں یہ پہلی تصدیق ہے جو اس شان کی لکھی گئی ہے ۔ یہ مضمون رسالہ اردو کے پہلے نمبر میں طبع ہوا تھا ۔ صاحب نظر قدر دانوں کے اصرار سے الگ طبع کیا گیا ہے ۔ قیمت مجلد ایک روپیہ

— (ملل قدیمہ) —

ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ ہے ۔ اس میں بعض قدیم اقوام ، سلطنت کلدانی آشوری ، بابل ، بنی اسرائیل و قلعہ کی معاشرت ۔ عقائد ۔ اور صنعت و حرفت و فہرہ کے حالات دلچسپی اور خوبی کے ساتھ دیے ہیں ۔ اردو میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس سے ان قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے معلوم ہو سکیں اس لئے انجمن نے اسے خاص طور پر طبع کرایا ہے ۔ حالات کی وضاحت کے لئے جا بجا تصویریں دی گئی ہیں ۔ صفحہ ۲۸۴ ۔ قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آئے ۔

شہر

انجمن ترقی اردو اور نگ آباد (دکن) —

یہ کتاب مولوی محمد معشوق حسن خاں صاحب بی، اے نے مختلف انگریزی کتابوں کے مطالعے کے بعد لکھی ہے۔ بہت اوقات پر یہ ابتدائی کتاب ہے اور سہل زبان میں لکھی گئی ہے۔ ہمارے بہت سے ہم وطن یہ نہیں جانتے کہ بحلی کوا چیز ہے، کہاں سے آتی ہے، کوا کام آسکتی ہے۔ یہ کتاب ان تمام معلومات کو بتاتی ہے۔ لوگوں لکھوں کے لئے بھی مفید ہے۔ قیمت ایک روپیہ بارہ آنے —

مصلحتاً مولوی سید حسن بڑنی صاحب ہی اے۔ اس کتاب میں علامہ ابو یحسان بھرونی کے حالات میں اور ان کی مشہور و معروف تصانیف کتاب الہند اور دیگر تصانیف پر تفصیل کے ساتھ تبصرہ دیا گیا ہے۔ انجمن ترقی اردو نے اب دوسرا ایڈیشن مصنف کی نظر ثانی اور اضافہ مضامین کے ساتھ نہایت عمدہ کاغذ پر چھپوایا ہے۔ قیمت فی جلد مجلد دو روپے۔ غیر مجلد قریب روپیہ —

ہندوستان کی یہ تاریخ نویسی سید ہاشمی صاحب فہرستانِ ادبی نے محکمہ تعلیمات سرکار نظام کی فہمائش پر لکھی ہے اور محل اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس وقت تک کوئی اور مختصر تاریخ سدا اس نقطہ نظر اور ایسی خوبی سے نہیں لکھی گئی ہے۔ تعلیمی حلقوں کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اسے بہت پسند کیا ہے۔ چھوٹے سائز کے ۲۸۴ صفحہ - قیمت ایک روپہ ایک آنہ —

جملہ اہم علوم کی اصطلاحوں کا ترجمہ ، جس میں حسب ذیل علوم داخل ہیں:

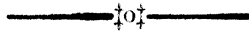
الحمد لله

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل نمونوں سکے انگریزی میں ہیں)

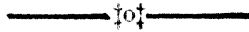
England, etc,) Logie, Algebra, Conics, Solid Geometry, Trigonometry, Differential Equations, Statics, Metaphysics, Psychology, Physics, Political Science, Archaeology -

کئی سال کی مسلسل مصنت اور مختلف ماہرین زبان کی کاوش
، کوشش کا نتیجہ ہے - مصنفین و مترجمین نے لئے ناگزیر ہے -
حجم ۵۳۸ صفحے - قیمت مجلد چھ روپے -



یہ پیش بہا کتابیں بھی انجمن ترقی اورنگ آباد دکن

سے مل سکتی ہیں



————— (دیوان غالب جدید و قدیم) —————

یہ وہ نایاب کلام ہے جس کی اشاعت کا اہل ملک کو بے حد انتظار تھا - اس
میں مرزا غالب کا قدیم و جدید تمام کلام موجود ہے - مرزا صاحب کا قدیم کلام مالے کی
کسے نوع تھی - یہ بعض حسن اتفاق تھا کہ عاتقہ آگیا اور ریاست بہوپال کی سرپرستی
میں چھپ کر شائع ہوا ہے - مع مقدمہ ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم - مجلد ۵ روپے
فہر مجلد ۴ روپے (بلا مقدمہ مجلد ۳ روپے) فہر مجلد دو روپے آٹھ آنے) -

————— (حقیقت اسلام) —————

یہ کتاب جلد نواب سر امین جنگ بہادر نے ' سی ' آئی ' ای ' سی ' ایس ' آئی ' اہم ' اے ' بی ' ایل ' ایف ' آر ' ایس ' چیف سکرٹری گورنمنٹ نظام و
صدرالہام بیٹی کی بے نظیر تصنیف نوآس آن اسلام کا با معاورہ اور سلیس ترجمہ ہے -

الہش ————— فہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتوں سے انکمپوزیشن میں ہیں)

اس کتاب میں مصنف نے نہایت خوبی کے ساتھ موجودہ خیالات سائنس سے اسلام کی تطبیق اور اس کی صداقت کا بیان کیا ہے۔ فاضل مصنف نے ان تمام مشکل مسائل کی حقیقت کو جن میں اکثر تعلیم یافتہ جوانوں پر فہرہ مسلمانوں کو شبہات واقع ہوتے ہیں، زمانہ حال کے ترقی یافتہ خیالات کی روشنی میں نہایت دلایز طریقے اور حکیمانہ استدلال سے بیان کیا ہے، جس سے مصنف مدوح کے وسیع مطالعہ فلسفیانہ طبیعت اور فہرہ و خوض کا پتہ ملتا ہے۔

کتاب بہت عمدہ کاغذ پر چھپی ہے۔ قیمت مجلد بارہ آنے —

———— (تاریخ زوال روما) ————

یہ کتب کی مشہور تاریخ کے ابتدائی (۷) ابواب کا ترجمہ ہے۔ اصل کتاب اپنی خوبیوں کے اعتبار سے محتاج تعریف نہیں۔ قیمت فی جلد فہرہ مجلد سوا روپہ —

———— (تاریخ عرب) ————

مصنف موسدو سدیو فرانسیسی۔ عربوں کے متعلق یہ کتاب ان تمام تاریخوں کا نچوڑ ہے جو یورپ و ایشیا کے کتب خانوں کی زینت ہیں مسلمانوں کی ترقیوں اور عربوں کے کمالات کا آئینہ ہے۔ ساتھ ہی یورپ کے کذب و افترا کا بہترین جواب۔ قیمت مجلد چرمی ۷ روپے ۸ آنے —

———— (یاد کار غالب) ————

یعلیٰ مرزا اسد اللہ خاں، غالب، دہلوی کے منسل حالات زندگی اور ان کے نظم و نثر، اردو، فارسی پر تفصیلی ریویو اور انتضاب۔ مولفہ شمس العلماء مولانا الطاف حسین صاحب، 'حالی' مرحوم۔ قیمت مجلد ۳ روپے —

———— (شعر و شاعری) ————

شمس العلماء خواجہ الطاف حسین، 'حالی' مرحوم کے اردو دیوان کا الجواب مقدمہ جس میں شعر و شاعری پر نقادانہ بحث کی گئی ہے۔ تفہیدی حقیقت سے اردو زبان میں اب تک ایسی کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔ قیمت مجلد ۲ روپے، فہرہ مجلد سوا روپہ۔

الہش ————— تہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ: کل قہمتوں سکھ انگریزی میں ہیں)

— (موازنہ انیس و دبیر) —

مہر انیس کی شاعری پر تصدیق دیوید اور مہر انیس و مرزا دبیر کا موازنہ - مولفہ
مولانا شہلی نعمانی، قہمت ۱ - جلد مجلد چار روپے - مہر مجلد تین روپے —

— (وکر و اُروسی) —

کالیداس کے مشہور ناول کا اردو ترجمہ مع ایک بسطہ مقدمے کے جس میں ہندی
تاریخ کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے - مرتبہ مولوی محمد عزیز مرزا
صاحب بی، اے مرحوم - قہمت ۱ - جلد دو روپے - مہر مجلد تین روپے —

— (خطوط شہلی) —

علامہ شہلی مرحوم کے یہ وہ لا جواب اور نادر خطوط ہیں جو صرف نے بسملی کی
مشہور تعلیم یافتہ خوانین عطیہ بیگم صاحبہ فاضل اور زہرا بیگم صاحبہ فیض کے نام
وقتاً فوقتاً کمال اخلاص و معصیت اور انداز خاص کے ساتھ لکھے تھے - یہ جواہر پارے اردو
میں مولانا کے کمال افشا پردازی کی نمایاں نگار ہیں - طرز نگارش اس قدر لطیف اور
پاکیزہ ہے کہ شروع کر کے ختم کئے بغیر نقاب کو چھوڑنا دشوار ہے - شروع میں جلال مولوی
عبدالحق صاحب بی - اے معتمد احسن ترقی اردو کا ایک نہایت لطیف و سطح
کسترازہ مقدمہ بھی شامل ہے جس نے ان خطوط کے جذبات اخلاص و معصیت اور نکست
ادبی کو بے نقاب کر دیا ہے - مرتبہ مولوی محمد احسن صاحب مارہروی و جلال
قیصر بھویانی - قہمت ۱ ایک روپے —

— (دیوان غالب مطبوعہ جرمنی) —

غالب نے کلام کی جو قدر اور مانگ ہے ہر صاحب ذوق جانتا ہے، ان کے دیوان
کا ایک اتیشمین نفاست پسند طبائع کے لئے جرمنی کے مشہور کاویانی پریس میں
جامعہ سلہ نے چھپوایا تھا جو ہاتھوں ہاتھ نکل گیا - دوسری بار پھر اسی اہتمام و
نفاست سے طبع ہوا ہے - ٹائپ، گانڈ، چھپائی، جلد، ساڑ، ہر چیز دیدہ زیب و
دلنریب ہے - قہمت ۱ چار روپے —

الہہ

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکے انگریزی میں ہیں)

————— (معشر خیال) —————

یہ سید سجاد انصاری مرحوم وکیل بارہ بلذی کے چلد دلکش ادبی و اصلاحی مہاسن اور نظموں کا مجموعہ ہے جو شرکت ادبیہ دہلی نے خاص اہتمام سے چھپوایا ہے۔ سجاد انصاری صاحب خوش فکر و خواہی گذار ادیب تھے، ان کے مہاسن میں خاص قدرت و ادبیت اور کلام میں خاص کیف اور بلند خیالی و جذبات نگاری ہوتی ہے۔ یہ مجموعہ مرحوم کی جوانمردی کی یادگار ہے، جس کو سید منظور حسین صاحب نے مرتب کیا ہے۔ لکھائی چھوٹی بہت پاکیزہ، سائز منحصراً، جلد نہایت نفیس، اوپر سنہری حروف میں کتاب کا نام بھی لکھا ہے۔ قیمت دو روپیہ آٹھ آنے —

————— (چمن) —————

یہ نہایت چھوٹا سا حسن و جہول مجموعہ اساتذہ اردو نے پکھڑ کلام کا انتخاب ہے گارتہ سائز پر نہایت اعلیٰ طبعیت و ذراعت کے ساتھ عود کے موعود پر درست اہتمام کو پیش کرنے کے لئے بہترین ادبی تحفہ ہے۔ قیمت ۵ آنے —

————— (دیوان حالی) —————

شمس العلماء خواجہ الطاف حسین صاحب حالی پانی پتی مرحوم کے قطعات فہیات، قصیدے، مرثیے، ترکیب بلد، رباعیوں، تاریخوں اور متذوق اشعار قیمت قہورہ دو روپیہ —

————— (مٹریکولیشن کا نصاب اردو) —————

مجلس نصاب اردو چیمبر عثمانیہ حیدر آباد دکن کی ہدایت کے مطابق مولانا مونس عبدالحق صاحب بی۔ اے (علیگ) آنریبی سکریٹری انجمن ترقی اردو نے مرتب کیا۔ قیمت دو روپے —

————— (معراج العاشقین) —————

حضرت مخدوم ابوالفتح صدرالدین سید محمد حسینی گھوسہ نواز ہند نواز (رح) کی تصانیف ہے۔ اس میں حضرت کے بعض سواظ و ارشادات قدیم اردو یعنی

الحش

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ: کل قیمتیں سکے انگریزی میں ہیں)

ترجمہ از مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا رکھل ہزاری آباد ضلع میرٹھ قیمت ۸ آنے —
 — (سیرا لمصنفین) —

جس میں نژادان اردو کے حالات زندگی اور اردو زبان کی عہد بعہد کی ترقی و تبدیلی کا ذکر کیا گیا ہے۔ مصنفہ مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا ہی۔ اے (ملک) قیمت دو روپے

— (مصنوعی بیوی) —

مشہور ہر دلعزیز مغربی ناولسٹ آر ایچ کے ایک نہایت دلچسپ انگریزی ناول ”ہزیک بی لیو وائف“ کا اردو ترجمہ از مولوی عباس حسین صاحب لطفی قیمت ۱۲ آنے —

— (خواتین انگور) —

مولفہ ملا نوحیدہ صاحبہ - ترکی کی مشہور و معروف خواتین کے کارنامے۔ اس کتاب سے آپ کو معلوم ہو گا کہ موجودہ جد و جہد میں ترکی خواتین نے کس جوش اور قابلیت سے حصہ لیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ —

— (جہاں آرا بیگم) —

جہاں آرا بیگم بذات شامجہاں کی سوانح عمری جو نہایت مستند تاریخیوں سے لکھی گئی ہے۔ مولفہ مولوی شہناز الدین احمد بڑنی صاحبہ ہی اے قیمت ۸ آنے —

— (فاتک کتھا) —

مولفہ محمد عمر نور الہی صاحبان قدیم ہندوستانی قراہوں کی کہانیاں نہایت دلچسپ پیرائے میں اس چپڑٹی سی کتاب میں جمع کر دی گئی ہیں۔ قیمت فی جلد آٹھ آنے —

— (سفیر اردو) —

آخری بادشاہ اردو سلطان عالم واجد علی شاہ کے سفیر مولوی محمد سلیم الدین خاں بہادر مرحوم کے خود نوشت حالات۔ مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ قیمت فی جلد ایک روپیہ —

————— البتہ —————

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکہ انگریزی میں ہیں)

(دارالمصنفین اعظم گڑھ)		تاریخ فقہ	۳ روپیہ	تاریخ الدلائل	۲ روپیہ
خلافت راشدین		۳ روپیہ ۸ آنے	۳ روپیہ	سیرۃ الرسول	۲ روپیہ
مہاجرین		۴ روپیہ	۴ روپیہ	خلافت راشدہ	۲ روپیہ
سیرۃ النبی حصہ اول		۴ روپیہ	۴ روپیہ	خلافت بنی امیہ	۲ روپیہ
سیرۃ النبی حصہ دوم		۳ روپیہ ۸ آنے	۳ روپیہ	خلافت عباسیہ	۲ روپیہ
سیرۃ النبی حصہ سوم		۶ روپیہ	۶ روپیہ	خلافت عباسیہ مصر	۲ روپیہ
شعر الفہم مکمل ۵ حصے		۱۳ روپیہ	۱۳ روپیہ	مہادی معاشیات	۱ روپیہ
الکلام		۲ روپیہ	۲ روپیہ	دنہائے بسملے والے	۳ آنے
اسوۃ صحابہ مکمل دو حصے		۸ روپیہ	۸ روپیہ	قواعد عربیہ	۲ روپیہ
انقلاب الاسم		۲ روپیہ	۲ روپیہ	الاسمی تہذیب و قومی تعلیم	۴ آنے
مکالمات برکلی		۲ روپیہ	۲ روپیہ	ترکوں کی کہانیاں	۵ آنے
مہر الصحابیات		۲ روپیہ ۴ آنے	۲ روپیہ ۴ آنے	تاریخ ہند قدیم	۱ روپیہ
روح الاجتماع		۲ روپیہ	۲ روپیہ	(الفاظ پر پریس - لکھنؤ)	
ابن رشد		۲ روپیہ	۲ روپیہ	فسانہ جہی	۱ روپیہ
گل رعنا		۵ روپیہ	۵ روپیہ	مجموعہ قصائد موسیٰ	۱۲ آنے
مہر الانصار حصہ اول		۳ روپیہ ۸ آنے	۳ روپیہ ۸ آنے	گوتم بدہ	۳ آنے
مہر الانصار حصہ دوم		۳ روپیہ ۸ آنے	۳ روپیہ ۸ آنے	مسائل النظر فی فہرست	
مہر الہند حصہ اول		۵ روپیہ	۵ روپیہ	سہدائشہر	۴ آنے
مہر الہند حصہ دوم		۴ روپیہ	۴ روپیہ	حکایت لہلو و مجلیں	۴ آنے
(جامعہ سلیمہ دہلی)				مقتل فریب مغربی معمل خانہ	۴ آنے
تاریخ نجد		۱ روپیہ	۱ روپیہ	وکریم ادوسی	۱ روپیہ ۸ آنے
عربوں کا تمدن		۲ روپیہ ۸ آنے	۲ روپیہ ۸ آنے	فلسفیانہ سہاسی عبدالمجید صاحب	
تاریخ فلسفہ اسلام		۲ روپیہ	۲ روپیہ	۱ روپیہ ۸ آنے	

تہر

الہد

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکہ انگریزی میں ہیں)

تاریخ عرب مجلد	۷ روپے ۸ آنے	دیوان جان صاحب مجلد	۴ روپے ۲ روپے
موازنہ انیس و دہر	۳ روپے	دیوان ورد	۱ روپے ۴ آنے
مقدمہ شعر و شاعری	۱ روپے ۴ آنے	دیوان غالب (لائبریری ایڈیشن) ۴ روپے ۲ روپے	
اصول الدخ	۶ آنے	خطوط سر سود قسم اول	۳ روپے
مسلمانان اندلس	۱ روپے	خطوط سر سید قسم دوم	۲ روپے
احرار رنگین	۱ روپے	لہتمو کرافی مجلد	۱ روپے ۸ آنے
خوان دعوت	۱ روپے	انتخاب زرین مجلد	۲ روپے
مصدقہ شوہر	۲ آنے	قصائد ذوق	۲ روپے
الاحسان	۸ آنے	سرائی میر انیس جلد اول مجلد	۱۰ روپے
ارض نوری	۴ آنے	سرائی انیس جلد دوم قسم دوم	۸ روپے
حیات نظامی	۴ آنے	(تصانیف نور الہی و سہمد عہر صاحبان)	
خطاب	۴ آنے	موجودہ لندن کے اسرار	۱ روپے ۴ آنے
مہلاد ندی	۴ آنے	فاڈک ساگر (یعنی دنیا کے قریبی تاریخ)	
قریاد امت	۳ آنے	مجلد ۳ روپے ، شہر مجلد ۲ روپے ۸ آنے	
(نظامی پریس پبلیشز)		تین توپیاں	۸ آنے
قاموس المشاہیر جلد اول	۶ روپے	ہند کی مہر	۴ آنے
قاموس المشاہیر جلد دوم	۶ روپے	نواب	۸ آنے
نعت غالب مجلد	۱ روپے	بکریہ دل	۸ آنے
دیوان غالب مہر مجلد ۲ روپے ۸ آنے			

المش ————— شہر

انجمن ترقی اردو اور نک آباد (دکن) —

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

’پچے ان مہربان معاونین کی فہرست مرتب کر رہی ہے جو اس بات کی عام اجازت دیدیں کہ آئندہ جو کتاب انجمن سے شائع ہو‘ وہ بغیر ان سے دوبارہ دریافت کیے‘ تیار ہوتے ہو ان کی خدمت میں اندر بعد وی پی روانہ کر دی جایا کرے۔ ہمیں امید ہے کہ قدر دانان زبان اردو ہمیں علم طور پر اس قسم کی اجازت دیدیں گے کہ ان کے اسجائے گرامی اس فہرست میں درج کر لئے جائیں اور انجمن سے جو نئی کتاب شائع ہو‘ فوراً بغیر دریافت کیے روانہ کر دی جایا کرے۔ یہ انجمن کی بہت بڑی مدد ہوگی اور آئندہ اسے نئی نئی کتابوں کے طبع کرنے میں بڑی سہولت ہو جائے گی۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارے وہ معاونین جو اردو کی ترقی کے دل سے بھی خواہ‘ ہیں‘ اس اعانت کے دینے میں تریغ نہ فرمائیں گے۔

ان معاونین کی خدمت میں کل کتابیں جو آئندہ شائع ہوں گی وقتاً فوقتاً چوتھائی قیمت کم کر کے روانہ ہوں گی۔

رسالہ اردو کے خریداروں کے ساتھ خاص رعایت

رسالہ اردو کے خریداروں کو انجمن ترقی اردو کی شائع کی ہوئی کتابیں فی روپیہ چار آنے کی قیمت کے ساتھ دی جائیں گی۔ امید ہے کہ ناظرین اس رعایت سے فائدہ اٹھائیں گے۔

دیگر مقامات کی کتابیں جو بطور ایجنسی انجمن میں فروخت ہوتی ہیں ان کی قیمتوں میں کوئی کمی نہیں کی جا سکتی۔

المش
منیجر انجمن ترقی اردو۔ اورنگ آباد (دکن)

فاریغ

فاریغی ادب بعهد سلاطین متل

(مع ارتقائی زبان اُردو)

— [مصنفہ] —

پروفیسر محمد عبدالغنی صاحب ایم اے ایم۔لت (کینٹب)

ناکپور یونیورسٹی

جو بزبان افگریزی کیمبرج یونیورسٹی میں بہ تجویز و اصلاحات

پروفیسر برون آنجھانی تکمیل کو پہنچی

پہلا حصہ : عہد ہابر - مع چھ عکسی تصاویر کے سبجل ۵ روپیہ ۸ آنہ

ملنے کا پتہ :- فولکشور پریس لکھنؤ

نرخ نامہ اجرت اشتہارات

ایک بار کے لئے

۲ کالم پورا صفحہ ۱۰ روپے سکے افگریزی ایک کالم (آدھا صفحہ) ۵ روپے سکے

افگریزی - نصف کالم (چوتھائی صفحہ) ۲ روپے ۸ آنے -

چار بار کے لئے

۲ کالم یعنی پورا صفحہ ۳۰ روپے سکے افگریزی ۱۰ کالم (آدھا صفحہ) ۲۰ روپے

نصف کالم (چوتھائی صفحہ) ۱۰ روپے -

سالے کے جس صفحے پر اشتہار شائع ہوگا وہ اشتہار دینے والوں کی خدمت

میں فہونے کے لئے بھیج دیا جائے گا - پورا رسالہ لینا چاہیں اس کی قیمت

بمساب ایک روپیہ بارہ آنے سکے افگریزی فی رسالہ اس کے علاوہ لی جائے گی -

الہ افجی ترقی اردو اورنگ آباد دکن

